فرحت اشتیاق

وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر

"اتنی چپ چپ کیوں بیٹھی ہو فری؟" اسے یوں تنہا اور خاموش بیٹھا دیکھ کر ان کا دل بے حد اداس ہوا۔

وہ جواب میں کچھ بولے بغیر خاموشی سے ان کا منہ دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پر پھیلا خوف اور سراسیمگی ان کے دل کو مزید دُکھی کر گئی۔

اپنا دکھ بھلائے وہ سارا سارا دن اس کے ساتھ ہنسنے ہنسانے اور باتیں کرنے کی کوشش کرتی تھیں، مگر وہ آنکھوں میں اجنبیت اور خوف لیے ان سے کھنچی کھنچی سی رہتی تھی۔

"پارک چلو گی؟"

وہ زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح مشینی انداز میں ان کے ساتھ چلنے لگی

پچھلے ایک مہینہ سے وہ یہاں اسی طرح رہ رہی تھی۔ وہ کھانے کو کہتیں تو کھانا کھا لیتی۔ وہ اسے سونے کے لیے ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے آتیں تو خاموشی سے بستر پر لیٹ جاتی۔ وہ اسے کہیں تفریح کے لیے لے جاتیں، وہ چپ چاپ چلی جاتی۔ پھر چاہے وہ کتنی

مکمل ناول

09 05 2007

ہی ابھی اور بچوں کی واپسی کی جلد کیوں نہ ہوتی وہ بظاہر کسی اجنبی کے سپاٹ چہرے کے ساتھ وہاں ان کے ساتھ تھی۔ ان کی بہت کوششوں کے باوجود بھی اس کی خاموشی، خوف اور اجنبیت ختم ہو کر نہیں دے رہی تھی۔

وہ بوا سے اس کا ہاتھ تھامے گیٹ سے باہر نکل آئی تھیں۔ وہ بے دھیانی میں ان کی باتیں سن رہی تھی جب سامنے سے سائیکلوں پر آتے پانچ چھ لڑکوں کو دیکھ کر ایک دم کچھ ڈر کر ان کے مزید قریب ہو گئی۔

تین چار دن پہلے بھی پارک جاتے ہوئے اس نے ان ہی لڑکوں کو دیکھا تھا اس کو وہ سارے کے سارے ہی بہت تیز اور شرارتی سے لگے تھے۔ خاص طور پر ان میں سے ایک لڑکا جو سب سے زیادہ شور مچاتا ہوا وہ ہاتھ چھوڑ کر سائیکل چلا رہا تھا' اسے وہ سب سے زیادہ برا لگا تھا۔ اس روز بھی ان لوگوں کی بے ہنگم چیخوں اور شور سے ڈر کر وہ بانی امی کے قریب ہو کر چلنے لگی تھی تب پتا نہیں کیسے وہ لڑکا اس کا ڈر نا اور بانی اماں کے قریب ہونا بھانپ گیا تھا اور پھر اپنے دوستوں کے غول سے سائیکل نکال کر وہ ایک دم تیزی سے سائیکل اس کے پاس کچھ اس انداز سے چیختا ہوا لایا تھا جیسے اس کے پیروں پر سائیکل چڑھانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی تھی اور وہ قہقہہ لگاتا آگے بڑھ گیا تھا۔ اس کے دوست بھی اس کی اس شرارت پر زور زور سے ہنس رہے تھے۔ بانی امی تو پتا نہیں اپنے کس دھیان میں تھیں کہ انہوں نے نہ ان لڑکوں کے شور پر کچھ توجہ دی تھی اور نہ ہی اس لڑکے کے ایک دم سائیکل قریب لانے کا نوٹس لیا تھا۔

آج بھی ان لڑکوں کا ویسا ہی انداز تھا۔ عجیب سا دائرہ بنا وہ لوگ سائیکلنگ کرتے تھے اور وہ لڑکا جو غالباً" گروپ لیڈر تھا' ہاتھ چھوڑ کر سائیکل چلانے پر کوئی پتے خان قسم کی چیز سمجھتا تھا۔ وہ لوگ آگے بڑھ گئے تھے جب کہ وہ بانی امی کے پارک کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ گئی تھی۔ اس سارا وقت وہ بے دلی سے ایک بنچ پر بیٹھی دوست واپس جا چکے تھے اور اب وہ لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ بانی امی سے تو صرف اجنبیت محسوس ہوتی تھی لیکن نانا ابا سے تو اسے ڈر لگا کرتا تھا۔ حالانکہ انہوں نے اتنے دنوں میں کبھی ایک بار بھی اسے کچھ نہیں کہا تھا۔ مگر پھر بھی وہ ان سے ڈرتی تھی۔ جس جگہ وہ ہوتے وہ خود بخود وہاں سے ہٹ جایا کرتی۔ وہ اس سے کچھ کہتے نہیں تھے لیکن اس کو دیکھتے ہی ان کی آنکھوں میں عجیب سا کھردرا پن اور بیگانگی چھلکنے لگتی تھی۔ بانی امی ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھیں اور اسے بھی ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر میں بٹھا لیا۔ وہ بیٹھ تو گئی تھی مگر نانا ابا کی خود پر پڑنے والی اجنبی نگاہوں سے ہمیشہ کی طرح سہم گئی تھی۔ پتا نہیں کبھی کبھی ان کی آنکھوں میں نفرت کیوں نظر آتی تھی۔ وہ سر جھکائے ڈری ہوئی بیٹھی تھی۔

"جاؤ بیٹا! منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو جاؤ۔ پھر ایک گلاس انہل جوس پینا ہے۔ اسلم ہو گا کچن میں' اس سے لے لینا۔"

وہ ہر ممکن کوشش کر رہی تھیں کہ وہ اس گھر کو اپنا گھر سمجھ کر رہنے لگے۔ یہاں کے لوگوں اور یہاں کی تمام چیزوں کی عادی ہو جائے۔ گو اب تک اپنے اس مقصد میں وہ کامیاب نہ ہو سکی تھیں مگر ابھی ہمت نہیں ہاری تھی۔

"میں سوچ رہی ہوں فریا کو کسی سائیکلوجسٹ کو دکھاؤں' اتنے دن ہو گئے ہیں۔ اب تک وہ بالکل پہلے دن والی ہی کیفیت میں ہے۔ ویسے ہی سوتے میں ڈر جاتی ہے۔ پھر ماما ماما کر کے رونا شروع کر دے گی۔ میں اٹھاؤں گی تو اٹھتے ہی میری شکل دیکھ کر ایک دم چپ ہو جائے گی۔ وہ حادثہ اس کے ذہن پر نقش ہو گیا ہے بھول نہیں پا رہی ہے وہ اس واقعہ کو۔"

اس کے اٹھتے ہی انہوں نے نانا ابا سے اپنی پریشانی بیان کی تھی۔

انہوں نے جواب میں صرف سر ہلا دیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

آج بانی امی نے اسے ڈرائیور کے ساتھ قریبی سپر اسٹور بھیجا۔

"اپنی پسند کی چاکلیٹس اور آئس کریم خرید کر لے آؤ۔" انہوں نے اس کے ہاتھ میں پیسے دیتے ہوئے کہا۔

ڈرائیور اس کے پیچھے پیچھے پھر رہا تھا۔ کتنی دیر ہو گئی تھی اس نے کوئی چیز پسند نہیں کی تھی کچھ عاجز آ کر ڈرائیور نے مختلف خانوں میں سجی انواع و اقسام کی چاکلیٹس' بسکٹس اور فریزر سے نکال نکال کر مختلف آئس کریمز دکھانے لگا۔ اس کی کوفت زدہ شکل دیکھ کر اس نے ان میں سے دو تین چیزوں کے لیے ہامی بھری۔ وہ شکر ادا کرتا تیزی سے کاؤنٹر کی طرف پے منٹ کرنے چلا گیا تھا۔

وہ بھی آہستہ قدموں سے چلتی اس کے پیچھے جانے لگی تھی کہ تب ہی اچانک اسے کسی چیز سے ٹھوکر لگی۔ اور وہ ایک دم توازن قائم نہ رہنے کی وجہ سے زمین پر گر گئی۔

بے ساختہ اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا' وہ اس کے سامنے کھڑا بڑی ڈھٹائی سے مسکرا رہا تھا۔ اگر وہ غائب دماغی سے نہ چل رہی ہوتی تو اسے دیکھ کر ضرور محتاط ہو جاتی۔ اس نے جان بوجھ کر اپنی ٹانگ اس کے پاؤں سے ٹکرائی تھی اور اب اس کے سر پر کھڑا اسے گرا ہوا دیکھ کر زور زور سے ہنس رہا تھا۔

بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ ہاتھوں سے رگڑ رگڑ کر آنسو صاف کرتی وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ وہ کبھی کوئی شرارت کر کے فرار نہیں ہوتا تھا' اس لیے بڑے مزے سے کھڑا تھا جب کہ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

ابھی اسے گھر واپس آئے تھوڑی دیر ہی ہوئی ہو گی' جب ملازم نے اسے اس کے کسی مہمان کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ ہونق ہو کر اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔ وہ یہاں کسی کو جانتی ہی نہیں پھر اس کا یہاں کوئی دوست کہاں سے آ گیا۔

"تم نے نام نہیں پوچھا اس کا؟" نانی امی بھی اس کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔

"سعد نام بتا رہا ہے۔ اسپورٹس سائیکل پر ہے۔ کہہ رہا ہے یہاں ایک پارٹی ڈول رہتی ہے۔ اس سے ملنا ہے۔" وہ جواب میں کہتا ہوا اٹھنے لگا۔

"اپنی فریا بے بی کو کتنا پیارا نام دیا ہے اس بچے نے۔" وہ اٹھ کر جانا نہیں چاہ رہی تھی' لیکن نانی امی نے اسے جانے کو کہا۔

ان کے اصرار پر وہ ملازم کے ساتھ ہی چلتی ہوئی باہر آئی وہ سائیکل ایک طرف کھڑی کیے چوکیدار کے ساتھ گفتگو میں مشغول تھا۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ بدتمیز لڑکا یہاں گھر تک آ جائے گا اندر سے باہر تک آتے آتے اس نے بس یہی سوچا تھا کہ پتا نہیں کون ہے جو اس سے ملنا چاہتا ہے ابھی تھوڑی دیر پہلے جو حرکت وہ اس کے ساتھ کر چکا تھا' اس کے بعد یہاں آنا ڈھٹائی کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ اسے آتا دیکھ کر وہ دوستانہ انداز میں مسکراتا آگے بڑھا۔

"میں سعد منیر ہوں۔" اس کے غیر ملکی خدوخال دیکھ کر ہر کوئی اس سے انگریزی میں مخاطب ہوا کرتا تھا اور ایسا ہی اس نے بھی کیا تھا۔

اپنا تعارف کرواتے ہوئے اس نے اپنا دایاں ہاتھ اس کی طرف بڑھایا اس نے ہاتھ ملانے کے لیے اپنا ہاتھ آگے نہیں کیا۔

"مجھے پتا ہے تم مجھ سے ناراض ہو' اس لیے ہاتھ نہیں ملا رہی ہو۔" وہ اپنا بڑھا ہوا ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے بولا۔

"میں اصل میں تم سے ایکسکیوز کرنے آیا ہوں میں نے تو یونہی شرارت کی تھی مگر تم رو پڑیں۔ مجھے بہت افسوس ہوا۔" وہ کچھ شرمندہ سے لہجے میں بولا۔

"میری عادت ہے شرارتیں کرنے کی۔ میں کہہ رہا تھا' تم اس حرکت پر مجھ سے لڑو گی۔ برا بھلا کہو گی مگر تم نے تو بجائے لڑنے کے رونا شروع کر دیا' بس بات پر تمہیں سوری کہنے آیا ہوں۔ تمہیں میں پہلے بھی تین چار مرتبہ پارک آتے جاتے دیکھا

میں سر ہلاتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"اب میں گھر کیسے جاؤں گی؟۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"اتنی سی بات پر رو رہی ہو۔ اگر کوئی لینے نہیں آیا تو تم ہمارے ساتھ چلنا۔ ہم تمہیں ڈراپ کردیں گے۔" وہ بہت پر خلوص انداز میں بولا۔

"تم ٹھہرو' میں اپنے بھائی کو تھوڑی دیر انتظار کرنے کے لیے کہہ آؤں۔" وہ اس سے کہتا ہوا گیٹ سے باہر کھڑی اپنی گاڑی میں بیٹھے بھائی اور ڈرائیور کو کچھ دیر رکنے کا کہہ کر واپس اس کے پاس آگیا۔

"تم مجھے اپنے گھر کا فون نمبر دو' میں اندر آفس سے جا کر فون کر کے پتا کر لیتا ہوں۔" وہ اس کے برابر میں بینچ پر بیٹھ گیا۔

وہ روتے ہوئے فون نمبر بتانے لگی تھی' اس نے نمبر کہیں نوٹ نہیں کیا تھا بلکہ اس کی زبانی نمبر سنتا ہوا فوراً" کھڑا ہو گیا تھا۔

ابھی وہ مڑا بھی نہیں تھا کہ فریا اپنی گاڑی کا ہارن پہچان کر ایک دم خوشی سے اچھلتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

"میری گاڑی آگئی۔" وہ بیگ اٹھاتے ہوئے پر سکون سی ہو کر بولی۔ وہ دونوں ایک ساتھ گیٹ سے باہر نکلے۔ اپنی گاڑی کی طرف جاتے جاتے اسے مینو زیاد آہی گئے۔

"تھینک یو۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر تھوڑا سا مسکرائی۔

وہ اس کے پر تکلف سے شکریہ پر ہنس پڑا۔

وہ گاڑی میں بیٹھی تو ڈرائیور دیر ہو جانے پر معذرت کرتا گاڑی کے خراب ہو جانے کی داستان سنانے لگا' وہ بے توجہی سے اس کی باتیں سنتی سعد کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"سعد اچھا لڑکا ہے۔" پہلی مرتبہ اس نے سعد کے بارے میں کوئی اچھی بات سوچی تھی۔

وہ بھری دھوپ میں سڑکوں پر اسکیٹنگ کرتا پھر رہا تھا۔ دوپہر میں سونا اسے سخت ناپسند تھا۔ اسکول کھلے ہوتے تو وہ دوپہر میں اپنا ہوم ورک وغیرہ کر لیا کرتا تھا جب کہ آج کل گرمیوں کی چھٹیوں کی وجہ سے یہ مصروفیت بھی نہیں تھی۔ اس کے اکثر دوست چھٹیوں میں کہیں نہ کہیں گھومنے گئے ہوئے تھے' خود وہ اپنی فیملی کے ساتھ امریکہ اپنے رشتے داروں سے مل کر اور گھوم پھر کر واپس آچکا تھا اور اب واپس آنے کے بعد سے سخت بوریت محسوس کر رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ چھٹیاں ختم ہونے میں جو یہ ایک مہینہ باقی ہے یہ گزرے گا کیسے؟ اس وقت بھی ممی اور زوہیب دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر سونے لیٹ گئے تھے جب کہ وہ بوریت دور کرنے کے لیے گھر سے باہر نکل آیا تھا۔

فریا کو سڑک پر ادھر ادھر کچھ تلاش کرتا دیکھ کر وہ چونکا تھا۔

○ گرتے بالوں کو روکتا ہے ○ نئے بال اگاتا ہے
○ بال لمبے اور گھنے کرتا ہے
بیوٹی بکس کا تیار کردہ
سوہنی ہیئر آئل
پچھلے 25 سالوں سے بہنیں اور نانی استعمال کر رہے ہیں
سوہنی ہیئر آئل کے بعد
آپ کے حسن کے لیے
بیوٹی بکس کا قدرتی جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ
سوہنی اُبٹن
(ہربل بیوٹی پاؤڈر)
جو آپ کو حسین سے حسین تر بنائے
رنگ نکھارے، چہرے کو خوبصورت بنائے،
چہرے کا رنگ بدل کر صاف اور شفاف بنائے،
قیمت 45 روپے ڈاک خرچ 15 روپے
سوہنی اُبٹن۔ چہرے اور ہاتھوں کی خوبصورتی کا راز
یہ آپ کے چہرے کو قدرتی حسن، ملائمیت اور دلکشی بخشتا ہے،
چہرے کے داغ دھبے مٹاتا ہے، آپ کی جلد کے بند مسام کھول کر انہیں تازہ ہوا پہنچاتا ہے
آپ کے چہرے اور جلد کا قدرتی حسن برقرار رکھنے کا واحد ذریعہ
جسے دیکھ کر آپ کا رنگ بھی نکھر آئے گا
اور ہر کوئی یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ یہ حسین چہرہ کس کا ہے؟
سوہنی اُبٹن ملنے کا پتہ
• مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی
• بیوٹی بکس (خواتین ڈائجسٹ) 37 اردو بازار کراچی
بیوٹی بکس۔ 37 اردو بازار کراچی کے پتے پر خط لکھ کر بھی منگوا سکتے ہیں

اسے دوسرے بچوں کی طرح گھر سے باہر نکلتے اور کھیلتے اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا' اس لیے اسے دیکھ کر حیران ہوا۔

"ہیلو۔" وہ اس کے پاس آکر بولا۔ وہ نیم کے درخت کے پیچھے جھانک کر پتا نہیں کیا چیز دیکھ رہی تھی' اس کی آواز سن کر چونک کر مڑی۔

"ہیلو!" جواباً" مسکراتے ہوئے اس نے بھی ہیلو کہا۔ اس روز کے بعد سے وہ سعد کے ساتھ اسکول میں آمنا سامنا ہونے پر ہائے ہیلو کرنے لگی تھی۔

"کیا ڈھونڈ رہی ہو؟" چیونگم چباتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"کینڈی گھر سے باہر پتا نہیں کہاں نکل گئی ہے۔ اسی کو ڈھونڈ رہی ہوں۔" اس کے چہرے پر پریشانی چھائی ہوئی تھی۔ "میری بلی کا نام ہے کینڈی۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتا اس نے خود ہی وضاحت بھی کردی۔

"جائے گی کہاں' یہیں کہیں ہوگی۔ چلو میں تمہارے ساتھ مل کر ڈھونڈوالیتا ہوں۔ تم یہ بتاؤ وہ ہے کس طرح کی' یعنی اس کی شکل صورت وغیرہ۔" وہ آس پاس نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"وائٹ کلر کی ہے کینڈی اور بہت خوبصورت ہے۔ بہت سی بلیوں میں بھی الگ پہچان لی جاتی ہے۔ اس کا فر(Fur) اتنا نرم ہے اور دم بھی بالکل وائٹ اور بہت موٹی سی ہے۔ اور آنکھیں۔۔۔" ابھی بلی کا قصیدہ آنکھوں تک ہی پہنچا تھا کہ اس کی آنکھوں سے ٹپاٹپ آنسو بہنے لگے۔

وہ جو بڑے غور سے بلی کا حلیہ سن رہا تھا' اس کے ایک دم رو پڑنے پر حیران تو نہیں ہوا تھا البتہ غصہ بہت شدید آیا۔

تم ہر بات پر اسی طرح روتی ہو۔ تمہاری کوئی بات بغیر روئے ہوتی ہے۔ گر گئیں تو روؤ گی' گاڑی نہیں آئی تو روؤ گی اور کینڈی کھو گئی تو روؤ گی۔ ایڈیٹ' رونا ایسے شروع کیا ہے جیسے کسی مرحوم کی خوبیاں گنواتے گنواتے بندہ اچانک اس کے مرنے کا سوچ کر دوبارہ سے رونے لگتا ہے۔" وہ روتے ہوئے اس کی ڈانٹ سن رہی تھی۔

"ڈھونڈتا ہوں میں تمہاری اس ہزاروں میں ایک کینڈی کو۔ اب یہ آنسو صاف کرو اور آواز بالکل بند ہوجانی چاہیے۔ نہیں۔ ابھی بھی مجھے ہلکی سی سوں سوں کی آواز آرہی ہے۔" اس نے جلدی جلدی ہاتھوں سے آنسو صاف کیے اور بالکل خاموش بھی ہوگئی وہ وہیں کھڑی اسے سڑک پر آگے جاتا ہوا دیکھنے لگی۔ وہ آہستہ آہستہ اسکیٹنگ کرتا بغور ارد گرد دیکھتا ہوا دوسری گلی میں مڑ گیا۔ نانی اماں نے کتنی مہنگی اور خوبصورت بلی منگوا کر اسے دی تھی۔ تین مہینے سے وہ اس کے پاس تھی۔ اس کی فوراً" ہی کینڈی سے دوستی ہوگئی تھی۔ نانی امی اسے کینڈی کے ساتھ کھیلتا دیکھ کر خوش تھیں۔

دس منٹ بعد اس نے سعد کو بڑی تیزی سے واپس آتا ہوا دیکھا' اس کی گود میں کینڈی کو دیکھ کر اس کی کب سے اٹکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔

"یہ لو یہ رہی تمہاری حسین کینڈی۔ وہاں افتخار انکل کے گیٹ کے باہر ان کی بلیوں کے ساتھ بیٹھی پتا نہیں کیا مذاکرات کر رہی تھی۔" سعد نے اس کے پاس آکر رکتے ہوئے کہا۔ فریا نے جلدی سے آگے بڑھ کر کینڈی کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

"تھینک یو سعد۔۔۔" وہ بہت تشکر آمیز لہجے میں بولی۔ اس نے لاپروائی سے سر ہلاتے ہوئے جیسے اس کا شکریہ بڑی شان بے نیازی سے قبول کیا۔

"ویسے تم نے کہا بالکل ٹھیک تھا۔ ان کی پانچ بلیوں کے ساتھ بیٹھی بھی یہ بالکل الگ لگ رہی تھی۔ تمہاری کینڈی واقعی خوب صورت ہے۔ بالکل تمہاری طرح۔" وہ واپس مڑ کر اپنے گھر کی طرف چلنے لگی۔ سعد بھی اسکیٹنگ کرتا اس کے ساتھ ساتھ ہی چلنے لگا تھا۔ وہ اپنی اور کینڈی کی تعریف پر ہنس دی۔

"آؤ سعد! میں تمہیں اپنی نانی امی سے ملواؤں۔" گیٹ کے سامنے رکتے ہوئے اس نے اسے اندر آنے کی دعوت دی۔ وہ بغیر کسی اعتراض کے اس کے

ساتھ اندر آگیا۔ اسے لاؤنج میں بٹھا کر وہ نانی امی کو بلانے چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر بڑے پرجوش سے انداز میں انہیں لاؤنج میں لے آئی۔ سعد نے انہیں دیکھ کر جلدی سے اٹھ کر سلام کیا تھا۔

"نانی امی! یہ سعد ہے۔ میرے اسکول میں پڑھتا ہے اور اس کا گھر بھی یہیں قریب ہی ہے۔" اس نے کچھ فخریہ انداز میں تعارف کروایا۔

شاید انہیں یہ باور کرانا چاہ رہی تھی کہ دیکھ لیں' میں نے ایک دوست بنا ہی لیا ہے۔ آپ سمجھتی تھیں میں کسی سے دوستی کر ہی نہیں سکتی۔ نانی امی اس کا انداز سمجھتے ہوئے ہنس پڑیں۔ سعد کے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار کرتے ہوئے انہوں نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔ نانی امی اس سے رسمی قسم کی باتیں پوچھنے لگیں۔ اس کے پاپا کیا کرتے ہیں۔ وہ لوگ کتنے بہن بھائی ہیں' وہ کون سی کلاس میں پڑھتا ہے وغیرہ۔

"تمہارا دوست پہلی مرتبہ آیا ہے اور تم اس کی کچھ خاطر بھی نہیں کر رہیں۔" نانی امی نے سعد سے باتیں کرتے کرتے اسے ٹوکا۔

سعد سے تو وہ اردو میں بات کر ہی رہی تھیں۔ مگر فریا سے بھی یہ جملہ اردو میں کہا گیا تھا' وہ فوراً" ہی سر ہلاتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ سعد کے لیے اس کا اردو جاننا کافی حیرت انگیز تھا' براہ راست کچھ پوچھنا یا تجسس کا اظہار کرنا اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا مگر دل ہی دل میں حیران ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے جب اس نے دو تین مرتبہ فریا کو نانی امی کے ساتھ پارک جاتے ہوئے دیکھا تھا تو واضح طور پر ان دونوں کے درمیان رشتہ کا تعین نہیں کر پایا تھا۔ لیکن آج تو یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ وہ اس کی نانی ہیں۔ ایک مکمل پاکستانی خاتون اور فریا فارنر۔۔۔۔

صرف شکل صورت ہی نہیں بلکہ وہ اپنے ہر انداز سے غیر ملکی لگتی تھی۔ ایسے جیسے یہاں کے لوگ' یہاں کا رہن سہن سب اس کے لیے بالکل اجنبی ہیں لیکن اس کے کچھ پوچھے بغیر انہوں نے خود ہی بعض باتوں کے بارے میں اس کی حیرت دور کر دی تھی۔

"فریا کے ماما' پاپا کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔ بس اس کی زندگی تھی جو یہ اس روز ان لوگوں کے ساتھ گاڑی میں نہیں تھی۔ لیکن اس حادثے نے اسے ذہنی طور پر بہت خوفزدہ اور اکیلا کر دیا ہے۔ اپنے ہنستے بولتے چاکلیٹس اور کھلونے لانے کا وعدہ کر کے جانے والے ماما پاپا کو واپس آنے پر جب اس نے مرا ہوا دیکھا تو یہ اس صدمے کو برداشت نہیں کر پائی۔ ابھی تک یہ اس حادثے کو بھول نہیں پائی ہے۔ اس کے لیے ابھی تک جیسے یہ بات بڑی ناقابل یقین سی ہے کہ ماما' پاپا اس کے لیے کھلونے اور چاکلیٹس لانے کے بجائے کہیں اور چلے گئے ہیں۔" بولتے بولتے ان کی آواز کچھ بھرا سی گئی اس لیے وہ خاموش ہو گئی تھیں۔

سعد کو فریا کا بات بات پر رو پڑنا اور خوفزدہ ہو جانا' سمجھ میں آنے لگا تھا۔ وہ دل میں اس کے لیے بہت سا دکھ محسوس کرتے ہوئے خود بھی چپ بیٹھا ہوا تھا۔ فریا کو ٹرے اٹھائے لاؤنج میں آتا دیکھ کر نانی امی نے جلدی سے اپنے چہرے کے تاثرات کو نارمل کیا تھا۔ سعد بھی قصداً" مسکرا دیا۔

"تمہیں اسٹرابیری فلیور پسند ہے ناں۔" وہ شیشے کا نازک سا آئس کریم کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"بہت زیادہ پسند ہے' صرف آئس کریم نہیں بلکہ جیم بھی مجھے اسٹرابیری کا ہی پسند ہے اور اسٹرابیری کے شیک کی تو کیا بات ہے۔" وہ کپ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے بولا۔

وہ اپنے پسندیدہ فروٹ کی اس کے منہ سے تعریف سن کر خوش ہو گئی تھی۔

آئس کریم ختم کرتے ہی سعد اٹھ گیا۔ وہ اسے چھوڑنے باہر تک آئی۔ "خیال رکھنا' اب یہ کہیں دوبارہ سے باہر نہ نکل جائے۔" سعد نے بھی اس کی نانی امی کی طرح اس سے اردو میں کہا تھا۔

وہ اس کی بات سن کر اپنے ساتھ چلتی کینڈی کو دیکھ کر مسکرا دی۔

"سعد! تم اسکیٹنگ بہت اچھی کرتے ہو۔ میں

نے ایک بار کرنے کی کوشش کی تھی۔ فوراً ہی گر پڑی تھی۔"

وہ گیٹ سے باہر نکلا تو اس کا تعریفی جملہ کانوں سے ٹکرایا۔

"اور سائیکلنگ اچھی نہیں کرتا؟" اس نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"جو کر لگتے ہو ہاتھ چھوڑ کر سائیکلنگ کرتے ہوئے ایسے کرتب تو جوکر دکھاتے ہیں۔" وہ صاف گوئی سے بولی تو اس کا منہ بن گیا۔

"کتنے لڑکے میرے اس اسٹائل سے امپریس ہوتے ہیں، تمہیں پتا ہے۔"

"وہ امپریس ہونے والے بھی تمہاری طرح کے جوکر ہوں گے۔" وہ اس کی بات پر بڑے اطمینان سے بغیر متاثر ہوئے بولی۔

"میں سوچ رہا تھا کہ تمہیں ان چھٹیوں میں اسکیٹنگ سکھادوں گا۔ لیکن اب تو کبھی بھی نہ سکھاؤں۔" وہ منہ بگاڑ کر بولتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔ جب کہ وہ مسکراتی ہوئی واپس اندر آگئی۔

♥ ♡ ♡ ♥

"فری!" ماما اسے آوازیں دے رہی تھیں۔ "تمہاری فائن آرٹس کی ٹیچر تمہاری بہت تعریف کر رہی تھیں۔" ماما اور پاپا دونوں اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ "اس بار ہم فری کی برتھ ڈے بہت مختلف انداز میں منائیں گے۔" پاپا نے مسکراتے ہوئے ماما سے کہا تھا۔ خدیجہ آنٹی کچن سے مسکراتی ہوئی نکلی تھیں اور ان لوگوں کے پاس آکر بیٹھ گئی تھیں۔

گاڑی بہت تیز رفتاری سے چل رہی تھی۔ پاپا گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے۔ ماما ان کے برابر میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ "پہلے فری کے کھلونے لے لیتے ہیں۔ باقی شاپنگ بعد میں کریں گے۔" ماما نے پاپا سے کہا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے سر ہلادیا۔

اچانک ایک زوردار دھماکا ہوا تھا' ماما پاپا خون میں نہائے گاڑی میں بے ہوش پڑے تھے۔

"فری! تمہارے ماما اور پاپا کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلالیا ہے۔" خدیجہ آنٹی نے روتے ہوئے اسے گلے سے لگایا تھا۔

"یہ تمہارے نانا ہیں فری۔" وہ اسپتال کے بستر پر پڑی تھی۔ خدیجہ آنٹی نے ایک اجنبی صورت آدمی سے اس کا تعارف کروایا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ مجھ پاکستان نہیں جانا۔ میرے پاپا کو بلائیں خدیجہ آنٹی! میرے ماما پاپا کو بلائیں۔" وہ چیخ چیخ کر رونے لگی۔

"فری! کیا ہو گیا ہے بیٹا! اٹھو شاباش آنکھیں کھولو۔" کوئی بہت دور سے اسے آوازیں دے رہا تھا۔ بڑی مشکلوں سے روتے ہوئے اس نے آنکھیں کھولیں اپنے برابر میں بیٹھی نانی امی کو دیکھ کر وہ یک دم چپ ہو گئی۔

انہوں نے اٹھ کر لائٹ آن کی اور پھر دوبارہ اس کے پاس آگئیں۔ اسے خود سے لپٹا کر لیٹتے ہوئے انہوں نے اس پر کچھ پڑھ کر پھونکا۔

"نیند نہیں آرہی؟" اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے انہوں نے آہستہ آواز میں پوچھا تو اس نے سر ہلادیا' جس روز سے وہ یہاں آئی تھی نانی امی اس کے پاس ہی سوتی تھیں۔

ان کی اتنے دنوں کی مسلسل کوششوں کے نتیجے میں وہ ان سے کسی حد تک بے تکلف ہو گئی تھی۔ اب وہ اکثر ان کے ساتھ باتیں بھی کر لیا کرتی تھی۔ اس وقت بھی اس کا خوف دور کرنے کی خاطر وہ اس سے باتیں کرنے لگی تھیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

وہ بڑی خوشگوار حیرت میں گھری اپنی ماما کے بچپن کی تصویریں دیکھ رہی تھی۔

کل رات اس سے باتیں کرتے ہوئے نانی امی نے اس سے اس کے ماما پاپا کے بارے میں بہت ساری باتیں کی تھیں۔

شروع شروع میں اسے ماما اور پاپا کا نام سنتے ہی رونا آنے لگتا مگر اب وہ آنسو بہانے کے بجائے ان کے

بارے میں باتیں سننا پسند کرنے لگی تھی۔ بڑا اچھا لگتا تھا اسے جب نانی امی' اس کی ماما کا محبت سے ذکر کرتیں۔ ان کے لہجے کی محبت اور آنکھوں کی نمی شروع دن ہی اسے یہ بات بتا گئی تھی کہ جانے والی وہ ہستی جو اس کی ماں تھی' وہ انہیں بھی اتنی بلکہ شاید اس سے کچھ بڑھ کر ہی عزیز تھی۔ وہ اسے ماما کے بچپن کی باتیں بتا رہی تھیں۔

"بڑی شرارتی تھی وہ۔ اس کی شرارتوں سے سب پناہ مانگا کرتے تھے۔ بہت ذہین اور حاضر جواب' اس کے ٹیچرز تک اس کی حد درجہ ذہانت سے خائف رہا کرتے تھے۔ اور اپنے پاپا کی تو لاڈلی بیٹی تھی وہ۔ مجال ہے جو تمہارے نانا ابا اس کی کوئی فرمائش ٹال دیں۔ مجھے تو ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں ان کے بے جا لاڈ پیار کی وجہ سے وہ ضدی اور سرکش نہ ہو جائے۔ مگر میری ان باتوں کی وہ دونوں ہی پروا نہیں کرتے تھے۔ ایسے باپ بیٹی تو میں نے کہیں دیکھے ہی نہیں۔ دونوں بالکل دوستوں کی طرح رہتے تھے۔

ہر گیم شرط لگا کر کھیلتے تھے۔ چاہے وہ کارڈز ہوں' شطرنج ہو یا کوئی آؤٹ ڈور گیم ہی کیوں ہو' اور وہ ضوفشاں اکثر گیمز بے ایمانی سے جیت لیا کرتی تھی اور تمہارے نانا ابا اس کی بے ایمانی فوراً" پکڑ بھی لیا کرتے تھے۔ پھر دونوں میں بچوں کی طرح جھگڑا ہوتا تھا۔ نہ وہ اپنی بے ایمانی تسلیم کرتی تھی اور نہ یہ اس کی جیت' آخر کار مجھے ہی امن کی فاختہ بننا پڑتا تھا۔ لیکن وہ دونوں منہ پھلائے ایک دوسرے سے ناراض یہ اعلان کرتے کہ آئندہ آپس میں کوئی کھیل نہیں کھیلیں گے۔ میں کہتی یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ نہ کھیلیں گے اور نہ پھر یوں بچوں کی طرح جھگڑیں گے۔ مگر حیرت تو مجھے تب ہوتی جب اگلے ہی روز وہ دونوں اپنے اپنے دعووں کی نفی کرتے دوبارہ کھیلنے کے لیے آمادہ نظر آتے۔

وہ یونیورسٹی میں آگئی تھی تب بھی ان کے ساتھ بالکل بچپن والے ہی انداز میں رہتی تھی۔ ویسے ہی بچپن کی طرح لاڈ اٹھواتی تھی۔ وہاں پر بھی اس کا وہی اسکول جیسا ہی اسٹائل تھا۔ یونیورسٹی سے آکر جب تک دن بھر کی روداد مجھے اور اپنے پاپا کو سنا نہیں لیتی' اسے چین نہیں آتا تھا۔ یونیورسٹی میں بھی وہ ہر دل عزیز تھی۔ اپنے ڈپارٹمنٹ کی سب سے ذہین اور جینئس اسٹوڈنٹ' ہم دونوں کے پیچھے لگی رہتی تھی کہ آپ لوگ کبھی کیمپس آئیں اور میرے ٹیچرز سے میرے بارے میں پوچھیں۔

"جرنلزم ڈپارٹمنٹ میں آکر صرف ضوفشاں فاروق کا نام لیں نہ کلاس بتانے کی ضرورت پڑے گی نہ دیگر کوئی اور تفصیل اور سامنے موجود بندہ فوراً" ہی سمجھ جائے گا کہ یہ ذکر کس لڑکی کا ہو رہا ہے۔ اور جب آپ اسے بتائیں گے کہ آپ میرے ممی پاپا ہیں تو دیکھئے گا وہ آپ دونوں سے بھی ایک دم ہی متاثر نظر آنا شروع ہو جائے گا۔ بڑی مشہور ہوں میں اپنے ڈپارٹمنٹ میں' بلکہ پوری آرٹس فیکلٹی میں' لوگ مجھے میری ذہانت کی وجہ سے بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔"

وہ گردن اکڑا کر یہ بات اتنے معصومانہ انداز میں بتاتی کہ ہم دونوں اس کے انداز پر پھر کتنی دیر تک ہنستے رہتے تھے۔ تمہارے نانا ابا اسے چڑانے کے لیے کہتے "اپنے منہ سے اپنی تعریفیں پتا ہے کون لوگ کرتے ہیں۔ سچی تعریف وہ ہوتی ہے جو کوئی دوسرا کرے اور وہ بھی پیٹھ پیچھے۔

ہم تو اس روز مانیں گے جب ضوفشاں فاروق ایم اے جرنلزم فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن کی ڈگری بمعہ گولڈ میڈل کے ہمارے سامنے آکر کھڑی ہو گی۔"

اور وہ بڑے عزم سے یہ چیلنج قبول کر لیتی۔"

وہ اسے اس کی ماما کے بارے میں کتنی ساری ایسی باتیں بتا رہی تھیں جو اس سے پہلے کبھی بھی اس کے علم میں نہیں آئی تھیں۔

اس نے اپنی زندگی کے دس سال ماما اور پاپا کے ساتھ گزارے تھے۔ نانی امی کہہ رہی تھیں کہ وہ بہت شرارتی تھیں لیکن اس نے تو انہیں بہت سنجیدہ اور سوبر سا دیکھا تھا۔ بڑی کم گو سی تھیں اس کی ماما۔ اس کی یادداشت اور نانی امی کا بیان دونوں ایک دوسرے سے

بالکل مختلف تھے۔ لیکن پھر بھی اسے ان باتوں میں بہت دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔ یہ باتیں اس کی ماما کی تھیں ان کے بچپن کی' ان کے کالج اور پھر یونیورسٹی لائف کی باتیں تھیں اور انہیں سننا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اگلے روز نانی امی سے فرمائش کر کے اس نے ماما کی بچپن کی تصویریں نکلوائی تھیں۔

ڈھیر سارے البمز اپنے اردگرد پھیلائے وہ اپنی ماما کو ہنستا کھلکھلاتا ہوا بڑی محویت سے دیکھ رہی تھی۔ ہر تصویر میں وہ نانی امی کے مقابلے میں نانا ابا کے زیادہ قریب نظر آ رہی تھیں۔ واقعی ان دونوں کا انداز بالکل دوستوں والا لگ رہا تھا۔

وہ تصویروں میں نانا ابا کو ہنستا ہوا دیکھ کر بہت حیران ہو رہی تھی۔ جب سے وہ یہاں آئی تھی ہنسنا تو دور کی بات اس نے انہیں باتیں کرتا ہوا ہی بہت کم دیکھا تھا۔ اس سے تو خیر وہ سوائے رسمی باتوں کے کوئی بات نہیں کرتے تھے مگر نانی امی سے بھی ان کی گفتگو یوں ہوا کرتی تھی کہ وہ اکیلی بولتی رہتی تھیں اور وہ سوائے کسی انتہائی جواب طلب بات پر کچھ بولنے کے گھنٹوں چپ بیٹھے انہیں سنتے رہتے تھے۔

وہ لان میں بیٹھی تصویریں دیکھ رہی تھی۔ اسی وقت پورچ میں آ کر گاڑی رکی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے نانا ابا کو اندر جاتے دیکھا تو جو البم اس کے ہاتھ میں تھا وہی اٹھا کر ان کے پیچھے بھاگتی ہوئی آئی۔ اس کا دل چاہا تھا کہ وہ نانی امی کی طرح نانا ابا سے بھی اپنی ماما کی باتیں سنے۔ ان کے پاس تو سنانے کے لیے اور بھی مزے مزے کی باتیں ہوں گی۔ وہ تو اس کی ماما کے بیسٹ فرینڈ تھے۔

اس نے ان ہی تصویروں میں سے ایک تصویر میں ماما کو نانا ابا کو ایک کارڈ دیتے ہوئے دیکھا جس پر پورا جملہ تو پڑھا نہیں جا رہا تھا مگر My Best Friend لکھا ہوا ضرور نظر آ رہا تھا وہ یونہی بھاگتی ہوئی ان کے کمرے میں گھسی۔ وہ ٹیلی فون پر کوئی نمبر ڈائل کر رہے تھے۔ اسے یوں بھاگ کر آتا ہوا دیکھ کر بے ساختہ رک گئے تھے۔

"دیکھیں نانا ابا! یہ تصویریں کتنی اچھی لگ رہی ہیں۔" ان کے برابر میں بیٹھتے ہوئے اس نے کھلے البم میں موجود پکنک والی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے صرف ایک نظر تصویر پر ڈالی اور فوراً" ہی اپنی نظریں واپس ہٹا لیں۔

وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ تصویر دیکھ کر خوب ہنسیں گے اور پھر اسے اس پکنک کے مزے دار واقعات سنائیں گے' مگر وہ تو عجیب سرد سی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

"میں اس وقت بہت ضروری فون کر رہا ہوں فریا۔" چند لمحوں بعد انہوں نے اس پر سے نظریں ہٹا کر ریسیور دوبارہ اٹھا لیا تھا۔ وہ ان کے سرد سپاٹ سے انداز پر بددل سی ہوتی کھڑی ہو گئی۔

"آئندہ میرے کمرے میں آتے وقت دروازہ ناک کر کے آنا۔" دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے ان کی آواز سنی تھی۔ بالکل خشک اور بے تاثر سی آواز' وہ ان کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل آئی۔ اس کے حساس دل پر بڑی گہری چوٹ لگی تھی۔ وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔

"نانا ابا ایسے کیوں ہیں؟" اس نے پہلی مرتبہ بڑی سنجیدگی سے سوچا تھا۔

پہلی مرتبہ اسے ایسا لگا تھا جیسے وہ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اور کسی کے دل میں اپنے لیے نفرت دریافت کرنا کوئی خوشگوار تجربہ نہیں۔ اسی لیے وہ بیڈ پر گر کر بے آواز رونے لگی۔ کچھ دیر پہلے وہ ماما کی تصویریں دیکھتے ہوئے بہت خوش تھی اور اب اسے سوائے رونے کے کچھ اور سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔ نانی امی کچھ ہی دیر میں اسے ڈھونڈتی ہوئی کمرے میں آ گئیں۔ ان کی آہٹ پاتے ہی اس نے تکیے میں منہ چھپائے اپنے آنسو صاف کر ڈالے۔ وہ ان سے اپنا رونا چھپا لینا چاہتی تھی۔

"کیا ہوا بیٹا؟" وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"میں بہت بور ہو رہی ہوں نانی امی! آخر یہ چھٹیاں کب ختم ہوں گی۔" اس نے اسی طرح لیٹے لیٹے کہا۔

"چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولیں۔ وہ اٹھی تو ان کی نظر اس کے

روئے ہوئے چہرے پر پڑی۔ وہ رو رہی تھی اور اپنے رونے کو ان سے چھپا بھی رہی تھی۔ ان کا دل اندر ہی اندر رو دیا۔ لیکن بظاہر انہوں نے ایسے ظاہر کیا جیسے اس کے رونے کا انہیں پتا ہی نہیں چلا ہو۔

"میں سعد کے گھر چلی جاؤں نانی امی؟" اس روز کے بعد سے اس کی سعد سے ملاقات نہیں ہوئی اور ابھی اچانک ہی اسے اس کا خیال آیا۔ وہ اجازت دینے میں کچھ متذبذب تھیں۔

"مجھے اس کا گھر معلوم ہے۔ اسلم کو ساتھ لے جاتی ہوں۔" وہ بیڈ پر سے اتر کر اپنے کپڑوں کی شکنیں درست کرتے ہوئے بولی۔

"زیادہ دیر نہیں لگانا۔" کچھ سوچتے ہوئے بالآخر انہوں نے اجازت دے ہی دی۔ اسلم اور کینڈی کو ساتھ لیے وہ اس کے گھر پہنچ گئی۔ اتفاق سے گیٹ پر ہی اس کی زوہیب سے ملاقات ہو گئی۔

"سعد ہے؟۔" سلام دعا کے فوراً" بعد اس نے سعد کے بارے میں پوچھا۔

"بھائی تو اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں گیا ہوا ہے۔" زوہیب کے جواب سے اسے بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ وہ واپس جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ وہ جلدی سے بولا۔

"آپ اندر تو آئیں۔"

"نہیں۔ میں چلتی ہوں پھر کبھی آجاؤں گی۔" اس نے انکار کیا تھا مگر زوہیب دوبارہ اصرار سے اندر بلانے لگا۔

"میں اور ممی تو ہیں گھر پر۔ آپ ہم لوگوں سے مل لیں۔" کچھ سوچ کر وہ زوہیب کے ساتھ اندر آگئی۔ اس کی ممی لان میں ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔

"ممی یہ فریا وہ جسے بھائی باربی کہتے ہیں۔"

زوہیب نے اس کا اپنی ممی سے تعارف کروایا۔

انہوں نے مسکراتے ہوئے بڑی دلچسپی سے پنک اسکرٹ بلاؤز پہنے ہوئے اس کیوٹ سی بچی کو دیکھا۔ انہوں نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا تو وہ کچھ شرماتی ہوئی ان کے برابر رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"ہاں۔ سعد نے تمہارا ذکر کیا تھا۔ کہہ رہا تھا میری ایک نئی فرینڈ بنی ہے اور وہ بالکل باربی لگتی ہے۔ ہنستی اور روتی بھی بالکل گڑیا کی طرح ہے۔" وہ سعد کی بات دہراتے ہوئے مسکرا دیں۔ وہ اپنی تعریف پر شرما سی گئی۔

"اور ممی! یہ بھائی کی پہلی دوست ہے جو اتنی نیک، شریف اور معصوم سی ہے۔ ورنہ ان کے دوست چاہے وہ لڑکیاں ہوں یا لڑکے سارے کے سارے تیز طرار اور چالاک ہیں۔" وہ زوہیب کے اپنے بارے میں کمنٹس بڑے غور سے سن رہی تھی۔

"تم سعد سے ملنے آئی ہو گی نا، گھر پر ٹکتا ہی نہیں ہے یہ لڑکا، آج کل چھٹیاں ہیں تو مزید آوارہ گردیوں کے لیے کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے۔ اصل میں اس کے ڈیڈی کی دی ہوئی شہ ہے یہ۔ ورنہ میں تو یہ سب دوستیاں دوستیاں دو سیکنڈ میں ختم کروا دوں۔"

وہ سعد کی دوستیوں سے خاصی نالاں نظر آرہی تھیں۔ اسے سعد کی ممی بھی سعد اور زوہیب کی طرح اچھی لگیں۔ انہوں نے اس سے بلاوجہ کے کوئی سوال جواب نہیں کیے۔ وہ پاکستانی نہیں لگتی، اس کی لکس پورپین ہیں۔ حالانکہ اس کے نانا، نانی پاکستانی ہیں۔ اکثر لوگ اسی حوالے سے اس سے سوالات کیا کرتے تھے۔ اگر نانی امی ساتھ ہوتیں تو وہ لوگوں کے سوالوں کے جواب دیا کرتی تھیں، نہیں تو اسے خود جواب دینا پڑتا تھا اور ایک ہی بات بار بار دہرا کر وہ تنگ آچکی تھی۔

اب تو اس کا دل چاہتا تھا کہ ایک پرچے پر بڑا بڑا یہ جملہ لکھ کر کہ "میرے پاپا اسپینش تھے اور ماما پاکستانی اور میں شکل صورت میں پوری کی پوری اپنے پاپا جیسی ہوں ماما سے سوائے سیاہ گھنگھریلے بالوں کے میں نے اور کوئی چیز نہیں لی۔" اور پھر اس کا تعویذ بنا کر اپنے گلے میں ڈال لے۔ تاکہ ہر وقت کی مشقت سے اس کی جان چھوٹ جائے۔ پتا نہیں لوگوں کو بلاوجہ دوسروں کے معاملات میں اتنی دلچسپی کیوں ہوتی ہے۔"

وہ تقریباً ایک گھنٹہ ان کے گھر رہی تھی اور اس دوران انہوں نے اس سے ایسی کوئی بات نہیں پوچھی تھی جو اسے بری لگی ہو۔ چلتے وقت انہوں نے اس کے بہت منع کرنے کے باوجود اسے بہت ساری چاکلیٹس بھی دی تھیں۔

"آؤں گی کسی دن میں تمہاری نانی امی سے ملنے۔ تم سے مل کر اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ بھی بہت اچھی ہوں گی۔" انہوں نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔

"ممی کو یہ تو معلوم ہی نہیں ہے کہ بھائی اپنے دوست کے ساتھ اس کی گاڑی لے کر نکلا ہوا ہے۔ اسے گاڑی چلانے کا شوق چڑھا ہوا ہے۔ آج کل ٹاور ممی ظاہر ہے اس بات کی اجازت کیسے دے سکتی ہیں۔ اسی لیے وہ اپنے دوست کے ساتھ اس کی گاڑی میں گیا ہے۔" اس کے ساتھ گیٹ کی طرف آتے ہوئے زوہیب نے آہستہ آواز میں بتایا۔ وہ اس کی بات سن کر حیران رہ گئی۔

"وہ ڈرائیونگ کرلیتا ہے؟"

"اور نہیں تو کیا۔ جس روز ممی کو پتا چل گیا تو مزہ آئے گا۔ مجھے تو ڈرا کر چپ کرایا ہوا ہے۔ ورنہ میں تو کب کا شکایت کر چکا ہوتا اور ساڑھے بارہ سال کی عمر میں ڈرائیونگ کرنے پر تو اسے ڈیڈی بھی نہیں چھوڑیں گے۔" وہ اس کی حیرت کے جواب میں بولا تھا۔

وہ کینڈی کو گود میں اٹھائے باہر نکلی تو اسلم اس کا منتظر تھا۔ اس کے ساتھ گھر واپس آتے ہوئے بھی وہ سعد کے گاڑی چلانے ہی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اس کا نانا ابا سے سامنا ہو گیا تھا۔ وہ اور نانی امی لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ نانا ابا کو دیکھتے ہی اسے ان کا کچھ دیر پہلے کا رویہ یاد آگیا۔ حالانکہ وہاں جا کر وہ وقتی طور پر اس بات کو بھول چکی تھی۔ انہوں نے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ نانی امی نے ٹی وی اسکرین سے نظریں ہٹا کر اسے مخاطب کیا۔

"مل آئیں اپنے دوست سے؟"

وہ ایک مختصر سا "جی" کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ہاں رات میں جب وہ نانی امی کے ہاتھ پر سر رکھ کر سونے لیٹی تو انہیں سعد کی ممی وغیرہ کے بارے میں پوری تفصیل سے بتایا۔

ان سے باتیں کرتے ہوئے کتنی بار اس کا دل چاہا کہ پوچھے۔

"نانا ابا مجھ سے ناراض کیوں رہتے ہیں۔ میں نے تو انہیں کبھی ستایا بھی نہیں۔ کبھی کوئی ضد بھی نہیں کی۔ پھر وہ مجھ سے اتنے خفا خفا سے کیوں رہتے ہیں۔ بات بھی کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے بڑی مجبوری میں مجھے مخاطب کیا ہو۔"

لیکن وہ یہ بات پوچھنے کی ہمت کر نہیں پائی تھی۔ بس اسی بات کو سوچتے سوچتے سو ضرور گئی تھی۔

اگلے روز ابھی وہ ناشتے سے فارغ ہو کر بیٹھی ہی تھی کہ ملازم کی زبانی اسے سعد کے آنے کی خبر ملی تھی۔

دن کے دس بج رہے تھے۔ وہ اس کے آنے کا سن کر خوشی سے بھاگتی ہوئی باہر نکلی تھی۔ وہ گیٹ کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا۔

"تم یہاں کیوں کھڑے ہو گئے۔ اندر آؤ ناں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے جانے لگی تھی۔

"اندر وندر میں نہیں آرہا۔ میں تو صرف اس وجہ سے آگیا تھا کہ کل تم آئی تھیں۔ تو سوچا چلو کھڑے کھڑے تم سے ہائے ہیلو ہی کرلوں۔" اس کے انکار پر اس کا منہ لٹک گیا تھا۔

"تم ہر وقت گھر میں کیسے رہ لیتی ہو۔ مجھے تو سخت بوریت ہو رہی ہے آج کل۔ اسکول کھلیں تو جان چھٹے اس بوریت سے۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

"میں سمجھی تم مجھ سے ملنے آئے ہو۔ اور اب میرے ساتھ بیٹھ کر بہت ساری باتیں کرو گے۔" وہ خود کو شکوہ کرنے سے روک نہیں پائی۔

"باتیں میں تمہارے ساتھ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تمہارے پاس سائیکل ہے تو چلو میرے ساتھ۔ سائیکلنگ کرتے ہوئے باتیں بھی کریں گے۔" اس

نے فوراً ہی حل پیش کردیا۔
"میرے پاس تو سائیکل نہیں ہے۔ میری سائیکل تو وہاں اپین والے گھر میں ہی رہ گئی۔" وہ ایک دم بولتے بولتے چپ ہوگئی۔
سعد کو ڈر لگا کہ کہیں وہ رونا نہ شروع کردے' اسی لیے جلدی سے بولا۔ "تم میری سائیکل پر بیٹھ جانا۔ اب چلو بھی۔" وہ اس کے جلدی مچانے پر اپنی کچھ دیر پہلے والی سوچ سے باہر آکر نانی امی کو بتانے اندر بھاگی تھی۔

وہ وہیں کھڑا اس کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا' دو منٹ میں ہی وہ واپس آگئی۔ باہر نکلے تو اس نے اپنی سائیکل اسے پیش کردی تھی۔ کچھ ہچکچاتے ہوئے وہ سائیکل پر بیٹھ گئی۔ سعد پیدل ہی چلنے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ کینڈی بھی چل رہی تھی۔ اتنے دن بعد سائیکلنگ کرنا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔
"ویسے سائیکلیں پاکستان میں بھی ملتی ہیں۔ تم اپنے نانا ابا سے کہہ کر اپنے لیے ایک نئی سائیکل کیوں نہیں منگوا لیتیں۔" کچھ دیر بعد اس نے فریا سے کہا تھا۔
"نانا ابا سے۔" وہ پتا نہیں کیا سوچ کر افسردہ ہوگئی۔
"کیوں وہ تمہیں منگوا کر نہیں دیں گے کیا؟۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔
"وہ مجھ سے بات ہی نہیں کرتے۔" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔
"کیوں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔
"پتا نہیں کیوں' میری سمجھ میں نہیں آتا' وہ مجھ سے ناراض کیوں ہیں۔ حالانکہ ماما پاپا کی ڈیتھ کے بعد وہ خود مجھے لینے کے لیے میڈرڈ آئے تھے' تب بھی انہوں نے مجھے ویسے پیار نہیں کیا تھا جیسا مجھے کراچی پہنچنے پر نانی امی نے گلے لگا کر کیا تھا۔ مجھے گلے لگا کر وہ اتنا روئی تھیں۔ اور نانا ابا نے تو آج تک کبھی مجھے گلے لگا کر پیار نہیں کیا۔" وہ بہت اداسی سے یہ بات بتا گئی تھی۔
پہلی مرتبہ اس نے کسی کے ساتھ نانا ابا کے رویے کو ڈسکس کیا تھا۔ وہ دونوں پارک والی سڑک پر مڑ گئے

"ہو سکتا ہے تمہاری ماما نے اپنی پسند سے شادی کرلی ہو تمہارے پاپا سے۔ اور اسی بات پر وہ ان سے ناراض ہوں۔" سعد نے کچھ دیر بعد ایک نئی بات اسے بتائی۔ وہ حیران ہو کر اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔
"تم اپنے ماما پاپا کے ساتھ کبھی کراچی آکر اپنے نانا' نانی سے ملی تھیں؟" سعد نے سوال پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"میں نے نانا ابا اور نانی امی کی صرف تصویر دیکھی ہوئی تھی۔ وہ بھی ایک دن جب ماما اپنی وارڈ روب صاف کر رہی تھیں' تب انہوں نے مجھے دکھائی تھی۔ میں نے انہیں پہلی مرتبہ اس وقت دیکھا تھا جب وہ مجھے لینے میڈرڈ آئے تھے اور نانی امی کو کراچی آکر دیکھا تھا۔" وہ دونوں پارک میں داخل ہوگئے۔
"بس پھر یہی بات ہوگی۔ تمہارے پاپا پاکستانی نہیں تھے ناں' اسی بات پر تمہارے نانا ابا ان سے ناراض ہوگئے ہوں گے۔" وہ بڑی سمجھ داری سے سر ہلاتے ہوئے بول رہا تھا۔ وہ اس کے منٹوں میں ساری بات سمجھ لینے پر متعجب تھی۔
"تم نے یہ بات کیسے سوچی سعد؟۔"
"میں تم سے دو سال بڑا ہوں۔ اور عقل بھی میرے پاس تم سے کافی زیادہ ہے اور میں اس کا استعمال بھی کرتا ہوں۔" وہ اپنی بڑائی اور عقلمندی پر اترا کر بولا۔

وہ اس کے یہ بات بتا دینے کے باوجود بھی کچھ الجھی ہوئی سی تھی۔ لیکن وہ اپنے احساسات ظاہر نہیں کر پا رہی تھی۔ شاید ابھی وہ اتنی چھوٹی تھی کہ خود اپنی ہی کوئی بات دوسرے تک پہنچانے کے لیے اسے لفظ نہیں سوجھ رہے تھے۔ ورنہ ذہن میں ایک سوال مسلسل گونج رہا تھا۔
"شادی تو ماما نے کی تھی۔ وہ ان سے ناراض ہوں' میں نے کیا کیا ہے۔" لیکن وہ یہ بات سعد سے کہہ نہیں پا رہی تھی۔ اس لیے سر جھٹک کر خود ہی موضوع بدل گئی۔

"ہاں بڑے عقل مند ہو' کسی دن کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا تو پتا چلے گا عقل مندی کا۔ اور آنٹی انکل کے ہاتھ شامت الگ آئے گی۔" وہ اس کے گاڑی چلانے کا حوالہ دیتے ہوئے بولی۔

"زوہیب چغل خور نے بتائی ہوگی تمہیں یہ بات' اسی لیے میں اسے اپنی کوئی بات نہیں بتاتا۔" وہ دانت پیس کر بولا۔ سائیکل ایک طرف کھڑی کر کے وہ اس کے ساتھ واک کرنے لگی۔

"اور تم مجھے بارلی کیوں کہتے ہو' مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا یہ نام۔" اسے اچانک ایک اور بات یاد آئی۔ وہ اس کے ناراض سے انداز پر ہنس پڑا۔

"مجھے تو اچھا لگتا ہے۔ لہٰذا میں تو یہی بولوں گا' تمہیں پہلی دفعہ دیکھتے ہی مجھے بارلی یاد آگئی تھی۔ تم گڑیوں سے نہیں کھیلتیں' تمہیں بارلی اچھی نہیں لگتی؟۔" جملے کے اختتام پر اس نے سوالیہ انداز اختیار کیا تھا۔

"زہر لگتی ہے مجھے بارلی' سوکھی سڑی' مجھے تو بالکل بھی خوب صورت نہیں لگتی۔ اور مجھے گڑیوں سے کھیلنا بھی اچھا نہیں لگتا۔" وہ اپنی ناپسندیدگی کا برملا اظہار کر رہی تھی۔

"تمہاری ممی کتنی سوئیٹ سی ہیں سعد۔" اسے اس سارے قصے سے اچانک ہی اس کی ممی بھی یاد آگئیں۔ وہ اس کے اتنے تیز رفتاری سے ایک کے بعد ایک موضوع تبدیل کرنے پر حیران سا ہوتا اپنی ممی کے بارے میں اس کے تعریفی کلمات سننے لگا۔

اس روز وہ دونوں کافی دیر تک ساتھ رہے تھے۔ واپس آکر فوراً" تو اسے سعد کی نانا ابا کی ناراضی سے متعلق بتائی گئی بات یاد نہیں آئی تھی۔ مگر دوپہر میں جب وہ اپنے کمرے میں لیٹی تو اسے بے ساختہ ہی اس کی صبح والی بات یاد آگئی۔

سعد نے اس کے لیے سوچ کا ایک نیا در وا کیا تھا۔ اور پھر اسی رات وہ نانی امی سے اپنی اس سوچ کا ذکر بھی کر گئی۔

"ماما نے پاپا کے ساتھ اپنی پسند سے شادی کی تھی' اس لیے نانا ابا ان سے ناراض ہیں؟" وہ اس کے منہ سے اتنی بڑی بات جو ابھی اس کی عمر اور سوچ سمجھ سے بہت آگے کی بات تھی سن کر ساکت رہ گئیں۔

"تم سے کس نے کہی ہے یہ بات فری۔" کافی دیر بعد انہوں نے سختی سے پوچھا۔

وہ اسے ایسی باتوں سے کتنا بچانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ رشتہ داروں میں ایسے لوگوں سے جو دوسروں کے معاملات میں انوالو ہونا اور زبان کے چٹخاروں کے لیے لوگوں کو ڈسکس کرنا پسند کرتے تھے ان سے میل جول میں بہت کمی کر دی تھی۔ کبھی ایسے کسی رشتہ دار سے ملاقات ہوتی بھی تو فریا کو ان لوگوں کی باتوں سے دور رکھنے کی کوشش ضرور کرتی تھیں۔ وہ لوگوں کو اپنی فیملی سے متعلق باتیں کرنے سے نہیں روک سکتی تھیں' مگر فریا کے علم میں ایسی باتوں کو آنے سے تو روک سکتی ہیں۔

وہ اسے کسی بھی ذہنی اور جذباتی الجھن کا شکار ہونے سے بچانا چاہتی تھیں۔ ابھی وہ بہت چھوٹی تھی' وہ سب کچھ سمجھ نہیں پائے گی۔ بس اس کی شخصیت الجھ جائے گی۔ وہ اسے ہر طرح پر اعتماد اور خوش دیکھنا چاہتی تھیں۔ مگر ان کی ہزار ہا کوششوں کے باوجود بھی نجانے کہاں چوک ہو گئی تھی۔

وہ نانی امی کے غصے میں آجانے پر کچھ ڈر سی گئی۔

"کسی نے بھی نہیں بتائی ہے مجھے یہ بات' میں نے خود سوچا تھا۔ نانا ابا آپ کی طرح ماما کی باتیں جو نہیں کرتے ہیں۔ میں نے کبھی ان کے منہ سے ماما پاپا کے بارے میں کوئی بات سنی ہی نہیں۔ بلکہ وہ تو مجھ سے بھی بہت کم بات کرتے ہیں۔" ڈرتے ڈرتے اس نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے یہ بات کہی۔

وہ اس کی حساسیت اور سمجھ داری پر شاک کی سی کیفیت میں مبتلا خاموش لیٹی تھیں۔ وہ ان کے برابر میں لیٹی بڑے غور سے ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی' جس پر اب دکھ' غم' رنج اور ملال کے سوا کوئی رنگ نظر نہیں آرہا تھا۔ انہیں ایسا لگا جیسے وہ خود کو رونے سے روک رہی ہو۔

نہیں دی تھی۔ جب کہ فرحین نازیہ آنٹی کی طرح بہت باتونی اور مخلص سی لڑکی تھی۔ اس کی دوستی تو گو وہاں پر کسی سے بھی نہیں ہوئی تھی، لیکن پھر بھی اسے وہاں پر شجاع انکل کی فیملی سب سے زیادہ پسند آئی تھی۔ باقی دونوں انکلز اور ان کی فیملیز کے بارے میں اس کی رائے کچھ خاص اچھی نہیں تھی۔

وہ لوگ اس کے ساتھ اسی اجنبیت بھرے سلوک کا مظاہرہ کر رہے تھے، جیسا نانا ابا کیا کرتے۔ وہاں پر بھی کسی نے اس کی ماما یا پاپا کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔

وہ اس کی ماما کے چچا کا گھر تھا۔ وہ سب لوگ اس کی ماما کے کزنز تھے۔ انہیں اس کی ماما کے بارے میں ضرور بات کرنی چاہیے تھی۔ اسے ان لوگوں کا ماما کو نظر انداز کرنا سخت ناگوار گزرا تھا۔ کیا ان لوگوں کو اس کی ماما کے مرنے کا کوئی افسوس نہیں ہوا؟

اسکول کھلنے سے ایک روز پہلے وہ لوگ واپس آ گئے۔ رخصت ہوتے وقت چھوٹے نانا اور شجاع انکل نے اسے گفٹس بھی دیے تھے۔ شجاع انکل نے جس طرح اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر، اسے پیار کیا تھا اسے ان کا وہ انداز بہت اچھا لگا تھا۔

واپس آ کر وہی روٹین شروع ہو گئی۔ اسکول پڑھائی، ہوم ورک، سعد سے روز ہی ملاقات ہوتی تھی۔ اسکول میں جتنی اس کی لڑائیاں اور جھگڑے مشہور تھے ایسے ہی اس کی دوستیاں بھی بہت مشہور تھیں۔ اس کے اتنے دوست تھے کہ گنتی کرنی مشکل تھی۔ فریا سوچتی کہ اسکول میں کبھی کوئی الیکشن ٹائپ کی چیز ہو تو سعد کو اس میں ضرور حصہ لینا چاہیے۔ اس کے آگے مشکل ہی سے کوئی اور جیت پائے گا۔

♥ ♡ ♡ ♥

لنچ بریک میں سعد اپنے دوستوں کے ساتھ شور مچاتا اور دوسرے اسٹوڈنٹس پر جملے پاس کرتا ہوا جا رہا تھا جب اس نے فریا کو بینچ پر اکیلے بیٹھا ہوا دیکھا۔ وہ گم صم سی بیٹھی پتا نہیں کیا سوچ رہی تھی۔ پاس ہی لنچ باکس رکھا ہوا تھا مگر ایسا لگ رہا تھا کہ اس نے اسے کھولا تک نہیں ہے۔ اس نے فریا کی کوئی دوستیں وغیرہ تو نہیں دیکھی تھیں، لیکن پھر بھی اسے اس طرح اکیلے بیٹھا ہوا تو بہت عرصے سے نہیں دیکھا تھا۔ لنچ بریک میں اس کے ساتھ ایک دو لڑکیاں تو ہوتی تھیں۔

وہ اپنے دوستوں کو چھوڑ کر اس کے پاس آ گیا تھا۔ اس نے سعد کو اپنے پاس آتا دیکھا تو زبردستی مسکرا دی۔ وہ اس کے اس زبردستی کے مسکرانے پر چڑتا ہوا اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ اور پھر کچھ کہے بغیر اس کا لنچ باکس کھول کر دیکھنے لگا۔ اس نے اس میں سے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ ساری چیزیں یونہی رکھی ہوئی تھیں۔

"تم لنچ کیوں نہیں کر رہیں؟" اس نے سخت انداز میں پوچھا تھا۔ ایسے جیسے اس کا کوئی بزرگ ہو۔

"یونہی بھوک نہیں لگ رہی۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"اور تم اکیلی کیوں بیٹھی ہو۔ تمہاری دوستیں کہاں ہیں۔" اس کی باز پرس جاری تھی۔

"میری کوئی دوستیں نہیں ہیں۔" وہ دوستوں کے لفظ پر بڑی ناراضی سے بولی۔ "انہیں میری باتوں سے بوریت ہوتی ہے۔ میں بہت بور اور ڈل ہوں، وہ لوگ میرے پاس اس وقت آتی ہیں جب ان کے پاس کوئی اور نہیں ہوتا، جب کسی کی دوست نہیں آتی تو وہ وقت گزارنے کے لیے میرے پاس آ جاتی ہے پھر اگلے روز جب اس کی دوست واپس آ جاتی ہے تو وہ میری طرف مڑ کر دیکھتی بھی نہیں۔ تم بھی تو میرے پاس اسی وقت آتے ہو، جب تمہارا اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلنے کا موڈ نہیں ہوتا یا یونہی تم فارغ ہوتے ہو۔" وہ پتا نہیں کس بات پر اتنی دل برداشتہ تھی جو اسے بھی بلاوجہ درمیان میں گھسیٹ رہی تھی۔

ایک پل کے لیے تو اسے شدید غصہ آیا۔ وہ اس کے خلوص پر شک کر رہی تھی۔ ابھی وہ اپنے کتنے سارے دوستوں اور انجوائے منٹ کو چھوڑ کر اس کے پاس آیا تھا اور وہ؟ لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے اپنا غصہ ضبط کر لیا۔

"دوسروں کی اچھائی، برائی کا فیصلہ کرنے سے پہلے

اس بات کا فیصلہ کرلو کہ تم خود دوسروں کے ساتھ کتنی اچھی یا کتنی بری ہو۔ تمہیں اچھے دوست تب ہی ملیں گے، جب تم خود کسی کی اچھی دوست بنو گی۔ کوئی تم سے دوستی نہیں کرتا تو تم خود کون سا کسی سے دوستی کرنے کی کوشش کرتی ہو۔" وہ دادا جان بنا بڑے غصے سے اسے نصیحتیں کرنے لگا۔

"تمہیں اصل میں کسی اور بات پر غصہ آرہا ہے یا پھر شاید تم کسی بات پر بہت اداس ہو۔ اس لیے ہر بات کو نیگیٹو انداز میں سوچ رہی ہو۔" اس نے جیسے اس کی ساری کیفیت کا تجزیہ پیش کردیا۔ وہ خاموشی سے اس کی بات سن رہی تھی۔ لنچ ٹائم ختم ہونے والا تھا وہ گھڑی دیکھتے ہوئے اس کے پاس سے اٹھ گیا۔

"میں شام میں تمہارے گھر آؤں گا پھر تم سے ساری بات پوچھوں گا۔" وہ واپس اپنے دوستوں کے پاس چلا گیا۔

سعد کے شام میں آنے کا وعدہ کرنے کے باوجود اسے یقین تھا کہ وہ نہیں آئے گا۔ شام کا وقت تو اس کا اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلنے کا ہوتا تھا۔ وہ اس کی خاطر اپنے کھیلنے کے وقت کی قربانی کیوں دیتا؟ ٹھیک ہے، وہ اسے اپنی دوست کہتا ہے، اس کے ساتھ بہت اچھی طرح ملتا اور باتیں کرتا ہے۔ لیکن وہ اس کی ایک اکیلی دوست تو نہیں۔ وہ اس کے بہت سے دوسرے دوستوں کی طرح ایک عام سی دوست ہے۔

یہ سب سوچ لینے کے باوجود وہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اگر وہ نہیں آیا تو اسے بہت مایوسی ہوگی۔ وہ لان میں بیٹھی بظاہر ہوم ورک کرتے ہوئے درحقیقت اسی کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ حسبِ وعدہ آگیا۔ فریا اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اور اپنی خوشی اس نے اس سے چھپائی بھی نہیں۔

"مجھے اتنی خوشی ہو رہی ہے۔ میں سمجھ رہی تھی تم شاید نہیں آؤ گے۔" وہ اپنی دوپہر کی نصیحتوں کو ضائع جاتا دیکھ کر اچھا خاصا چڑ گیا۔ لیکن اسے مزید کچھ سمجھانا بے کار لگا سو خاموشی سے اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"تمہاری ڈرائنگ تو بہت اچھی ہے۔" وہ اس کے جرنل پر بنی مینڈک کی ڈائیگرام کو دیکھتے ہوئے ستائشی انداز میں بولا۔

"ماما بھی یہی بات کہتی تھیں۔ پاپا سے کہتی تھیں کہ فری کو فائن آرٹس پڑھنے کے لیے پیرس بھیجیں گے۔" وہ جواب میں بڑے جوش سے بولی۔ لیکن پھر ایک دم ہی چپ بھی ہوگئی۔

"تمہاری ماما کیا مصورہ تھیں؟" وہ یوں بولا جیسے اس کے چہرے کی افسردگی دیکھی ہی نہ ہو۔

"نہیں۔ انہوں نے تو جرنلزم پڑھا تھا۔ اور ویسے تو پاپا بھی کیمیکل انجینئر تھے۔ لیکن انہیں پینٹنگز بنانے کا بہت شوق تھا۔ وہ اکثر فارغ وقت میں پینٹنگ کیا کرتے تھے۔ واٹر کلرز استعمال کرتے تھے وہ۔ اور اتنی اچھی پینٹنگز بناتے تھے کہ میں تمہیں کیا بتاؤں، ماما کہتی تھیں کہ پاپا کو انجینئرنگ کے بجائے فائن آرٹس پڑھنا چاہیے تھا۔ ہمارے گھر میں پاپا کے ہاتھ کی بنی ہوئی اتنی ساری پینٹنگز لگی ہوئی تھیں۔ سب ان کی تعریفیں کرتے تھے۔ میری اچھی ڈرائنگ دیکھ کر ماما کہتی تھیں کہ مجھے یہ شوق پاپا سے ملا ہے۔" وہ اس کے پوچھنے پر دوبارہ پرجوش سے انداز میں بولی۔

پھر کچھ دیر تک وہ اس کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ باتیں کرتے کرتے اسے اچانک آج اسکول میں ہونے والی بات یاد آئی تو بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔

"آج کیا ہوا تھا فریا! سچ سچ بتانا۔ مجھ سے جھوٹ مت بولنا۔"

"آج میرے پاپا کی برتھ ڈے ہے۔" وہ سر جھکا کر آہستگی سے بولی۔ شاید اپنے آنسو چھپانا چاہ رہی تھی۔

"ہر سال ہم لوگ پاپا کی، ماما کی اور خود میری برتھ ڈے بہت اہتمام سے مناتے تھے۔ انوائیٹ کسی کو نہیں کرتے تھے۔ بس ہم تینوں ہوتے تھے اور خدیجہ آنٹی، خدیجہ آنٹی ہماری میڈ تھیں، مصری تھیں وہ۔ ماما پاپا انہیں نوکر نہیں سمجھتے تھے، وہ بالکل گھر کے فرد کی طرح رہتی تھیں ہمارے ساتھ۔ مجھے قرآن بھی انہوں نے ہی پڑھایا تھا۔ پاپا کی سالگرہ ہوتی تو میں، ماما

اور خدیجہ آنٹی ان سے چھپا کر سالگرہ کا سارا ارینجمنٹ کرتے اگر ماما کی ہوتی تو ان سے میں' پاپا اور خدیجہ آنٹی اسی طرح سب کچھ چھپاتے۔ اور میری سالگرہ میں تو سب سے زیادہ اہتمام ہوتا تھا۔ اس روز ہم لوگ لازمی کہیں گھومنے جایا کرتے تھے۔ پاپا مجھے میری پسند کی خوب ساری شاپنگ بھی کرواتے تھے۔"

وہ اسی طرح سر جھکا کر روتے ہوئے بول رہی تھی۔

"آج مجھے سب لوگ بہت یاد آرہے ہیں۔ ماما' پاپا' خدیجہ آنٹی' سب۔ سعد! ماما' پاپا مجھے چھوڑ کر کیوں چلے گئے۔ مجھے ان کے بغیر کچھ اچھا نہیں لگتا۔"

وہ سمجھ رہی تھی کہ شاید پہلے کی طرح آج بھی وہ اس کے رونے پر ناراض ہوگا۔ ڈانٹے گا بلکہ شاید مذاق بھی اڑائے گا لیکن اس کی توقع کے برخلاف وہ خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ چہرہ بھی بہت سنجیدہ سا تھا۔

"اس روز وہ لوگ شاپنگ کرنے جارہے تھے۔ مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا تھا پاپا نے۔ لیکن مجھے اسکول کا بہت سارا کام کرنا تھا۔ اس لیے میں نے جانے سے منع کردیا تھا۔ خدیجہ آنٹی اور میں گھر پر ہی رک گئے تھے۔ اور وہ دونوں چلے گئے تھے۔ جب ہاسپٹل سے فون آیا تو خدیجہ آنٹی مجھے یہ بتائے بغیر کہ کہاں جارہی ہیں' ہاسپٹل چلی گئی تھیں۔ ماما اس وقت زندہ تھیں۔ ان کا انتقال خدیجہ آنٹی کے پہنچنے کے بعد ہوا تھا۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایسا ہوجائے گا۔ آخری بار میں نے انہیں جس طرح دیکھا' وہ میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ وہ دونوں سو رہے تھے' گہری نیند اور میں انہیں چیخ چیخ کر آوازیں دے رہی تھی مگر وہ میری آواز سن ہی نہیں رہے تھے۔ پھر میں کتنے دن تک ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہی تھی۔ سب میرے پاس تھے۔ خدیجہ آنٹی' ہمارے بہت سے فیملی فرینڈز' پاپا کے کولیگز' ماما کی دوستیں' پڑوسی' مگر مجھے ان میں سے کوئی بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اپنا نہیں لگ رہا تھا۔" روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

سعد کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کس طرح چپ کرائے۔

اسی لیے خاموش بیٹھا دکھ بھری نگاہوں سے اسے تکے جارہا تھا۔ وہ اسے کس طرح تسلی دے وہ سمجھ نہیں پارہا تھا۔ ہاں اس کا یہ دل ضرور چاہ رہا تھا کہ اس کے آنسو صاف کرکے اس سے کوئی ایسی بات کہے کہ وہ رونا بھول کر ہنسنا شروع کردے۔

"مجھے میرا گھر بہت یاد آتا ہے سعد! وہاں کا اسکول' میرے دوست' میں سب کو بہت مس کرتی ہوں' وہاں سب میرے اپنے تھے۔ یہاں تو ہر کوئی دیکھتے ہی سب سے پہلے یہ پوچھتا ہے کہ آپ کہاں کی رہنے والی ہیں۔ میں یہاں کی نہیں ہوں نا' میں تم لوگوں سے الگ ہوں۔ مجھے تمہاری زبان بولنی بھی نہیں آتی۔" وہ روتے روتے خود ہی چپ ہوگئی تھی۔

سعد نے اس کے چپ ہوجانے پر سکون سا محسوس کیا۔ "کون کہتا ہے تم الگ ہو۔ تم اضل میں خود اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھتی ہو۔ اس لیے ایسا محسوس کرتی ہو۔ ایک بار تم اس ملک کو اپنے اس گھر کو اور یہاں کی تمام چیزوں کو اپنا سمجھنا شروع کردو تو تمہیں ایسا کبھی نہیں لگے گا۔ اور جب تم اردو سمجھ لیتی ہو تو بولنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ ذرا سی کوشش کرو تمہیں اردو بولنا آجائے گی۔" وہ اسے سمجھانے لگا تھا۔

"میں اردو بول سکتی ہوں سعد۔ زیادہ نہیں لیکن تھوڑی بہت بول سکتی ہوں۔ لیکن میرا تلفظ صحیح نہیں ہے۔ میں بولوں گی تو سب لوگ ہنسیں گے۔" وہ شرمندگی سے اپنی کمزوری کا اعتراف کررہی تھی۔

"تم اپنے نانا نانی اور میرے ساتھ بولا کرو۔ ہم لوگ بالکل نہیں ہنسیں گے۔ تھوڑے ہی دنوں میں تمہارا تلفظ بھی ٹھیک ہوجائے گا۔ ویسے تمہیں اردو سکھائی کس نے تھی۔ تمہاری ماما نے؟" اسے تسلی دیتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"ہاں" وہ مسکرائی اور پھر کچھ جھجکتے ہوئے وہ اردو میں آگے کی بات بولی۔ "وہاں ماما کی بہت ساری پاکستانی فیملیز سے بھی دوستی تھی اور ان لوگوں کے ساتھ ماما اردو ہی میں بات کرتی تھیں۔ ماما سے سن سن کر پاپا کو بھی تھوڑی بہت اردو آگئی تھی۔ ہمارے گھر

میں اسپینش، انگلش اور اردو تینوں زبانیں بولی جاتی تھیں ماما کو اسپینش بہت اچھی آتی تھی۔" وہ اس کے اردو بولنے پر خوش ہوا۔

"بالکل صحیح تو بول رہی ہو تم۔" اسے اندازہ تھا کہ وہ اس کا دل رکھنے کے لیے تعریف کر رہا ہے، لیکن وہ پھر بھی خوش ہوئی تھی۔ نانی امی کو لان میں آتا دیکھ کر وہ دونوں ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"کیسے ہو سعد؟" اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے پر شفقت انداز میں پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں نانی امی!" فریا کی طرح اس نے بھی انہیں نانی امی کہنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ان لوگوں کے پاس ہی گھاس پر بیٹھ گئیں۔ وہ اپنا جرنل اور کتابیں رکھنے کے بہانے جلدی سے اٹھ کر اندر آ گئی۔

اندر آتے ہی اس نے واش روم میں گھس کر خوب رگڑ رگڑ کر منہ دھویا۔ نانی امی اسے روتا دیکھ کر پریشان ہو جاتی تھیں اور وہ انہیں اپنی وجہ سے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ واپس ان لوگوں کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ صبح سے جو اداسی اور دل گرفتی نے اسے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ وہ یک دم ہی دور ہو گئی تھی۔

اسے محسوس ہوا کہ وہ لڑکا جسے شروع میں وہ بہت تیز، چالاک اور بد تمیز سمجھتی تھی وہ دل کا بہت اچھا ہے، اور بڑے غیر محسوس انداز میں وہ اس کا خیال رکھتا ہے۔ اس طرح کہ کبھی اس بات کو جتاتا بھی نہیں ہے۔

♥ ♡ ♡ ♥

اس کے فائنل ایگزیمز میں اچھے نمبر نہیں آئے تھے۔ اپنے بہت برے گریڈز لانے پر، جب اس نے نانی امی کے چہرے پر تفکر اور اداسی دیکھی تو اسے بہت پشیمانی ہوئی۔ انہوں نے اس سے کچھ بھی نہیں کہا مگر ایسا لگ رہا تھا کہ انہیں اس سے اتنے برے رزلٹ کی توقع نہیں تھی۔ نانا ابا نے تو حسب عادت کچھ بھی کہے بغیر پروگریس رپورٹ پر ایک نظر ڈالی تھی اور پھر اخبار پڑھنے لگے تھے۔ لیکن نانی امی کا رد عمل در حقیقت اسے سخت نادم کر گیا۔

اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ پہلے کی طرح ویسی ہی ذہین اور پڑھاکو سی فریا بن جائے۔ لیکن پتا نہیں کیا ہو گیا تھا اسے۔ کتابوں کے نام سے وحشت ہوتی تھی اسے۔ امتحان سے پہلے جب بھی وہ پڑھنے کے لیے بیٹھتی تو بڑی کوشش کے باوجود بھی کچھ یاد نہیں کر پاتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ لفظوں کو خالی نگاہوں سے دیکھے جا رہی ہے۔

♥ ♡ ♡ ♥

شام میں وہ سعد کے گھر گئی تو۔ سعد اور زوہیب لان میں بیڈ منٹن کھیل رہے تھے۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے

"آؤ فری! تم بھی ہمارے ساتھ کھیلو۔" سعد نے اسے کھیلنے کی آفر کی مگر وہ انکار میں سر ہلاتی لان چیئر پر بیٹھ گئی۔ سعد نے ایک نظر اس پر ڈال کر دوبارہ کھیل شروع کر دیا۔

"کیا ہو گیا ہے بھائی۔ تم توجہ سے نہیں کھیل رہے۔" کچھ ہی دیر گزری ہو گی جب اس نے زوہیب کی جھنجھلائی ہوئی آواز سنی۔

"ہاں شاید میں تھک گیا ہوں۔" اس نے جیسے اپنی کوتاہی تسلیم کی تھی اور پھر ریکٹ ایک طرف ڈال کر فریا کے پاس آ گیا۔ زوہیب منہ بگاڑتا ہوا اندر چلا گیا۔

"لگتا ہے خراب رزلٹ لانے پر نانی امی سے خوب ڈانٹ پڑی ہے۔" سعد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

فریا سے اس کا رزلٹ تو وہ اسکول میں ہی معلوم کر چکا تھا۔

"انہوں نے مجھے کچھ بھی نہیں کہا۔" وہ چڑچڑے پن سے بولی۔

"پھر منہ کیوں اتنا پھولا ہوا ہے۔"

"مجھے بہت شرمندگی ہو رہی ہے سعد! میرے اتنے خراب مارکس آج تک کبھی نہیں آئے۔ پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے، میرا پڑھنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔" وہ یہاں آئی ہی اسی لیے تھی۔ سعد کے علاوہ اس کا کوئی دوست نہیں تھا، اور وہ اسی سے اپنا پرابلم ڈسکس کرنا

چاہتی تھی۔

"رزلٹ تو خراب آگیا اب اس پر افسوس کر کے کیا ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ سوچو کہ اب کس طرح پڑھائی کرنی ہے تاکہ آئندہ اس قسم کے افسوس کی نوبت ہی نہ آئے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"تم مشورہ دو' میں کیا کروں۔" وہ بڑی امید سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"سب سے پہلے تو تم یہ سمجھنا چھوڑ دو کہ تم یہاں کچھ دنوں کے لیے آئی ہو' اور کچھ دنوں بعد تمہیں واپس اسپین چلے جانا ہے۔" کچھ دیر خاموشی سے سوچتے رہنے کے بعد اس نے جیسے کوئی نتیجہ نکالا۔

وہ حیران ہو کر اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔ اس کے دل کے بہت اندر چھپی یہ بات وہ کیسے جان گیا تھا۔ وہ اس کی حیرانی کو سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے مزید گویا ہوا۔

"میں نے تمہارا یہی اسٹائل نوٹ کیا ہے۔ اسکول میں بھی تم ایسے ہی رہتی ہو' اور گھر میں بھی۔ تم ایک بار یہ بات مان کیوں نہیں لیتیں کہ تمہارے ماما پاپا مر چکے ہیں اب وہ واپس کبھی نہیں آئیں گے۔ اب تمہیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ تمہارے دادا دادی ہوتے یا تمہارے پاپا کے کوئی بہن بھائی ہوتے تب تو تم واپس جانے کا سوچ بھی سکتی تھیں لیکن اب تم واپس کس کے پاس جاؤ گی۔ اب وہاں پر تمہارا کوئی نہیں ہے۔ اب ساری زندگی تمہیں یہیں رہنا ہے۔ نانا ابا اور نانا امی کے پاس۔ اب یہیں تمہارا گھر ہے۔ اور یہیں تمہارا اسکول ہے' یہیں تمہیں فرینڈز بنانے ہیں اور یہیں تمہیں پڑھنا ہے۔" وہ پتا نہیں اتنی بڑی بڑی باتیں کس طرح کر لیا کرتا تھا۔

اس کا سفاکی حد تک صاف گو لہجہ اسے ناگوار تو گزرا تھا مگر دل ہی دل میں وہ مان رہی تھی کہ سعد جو کچھ کہہ رہا ہے' وہ بالکل سچ ہے۔

پھر سعد نے ہی اس کے سامنے تجویز رکھی تھی کہ وہ روزانہ ہوم ورک کرنے اس کے گھر آجایا کرے۔ اور اس کی یہ تجویز فریا نے فوراً" ہی مان بھی لی تھی۔ وہ آئندہ کبھی بھی اس قسم کی شرمندگی سے نہیں گزرنا چاہتی تھی۔

"چلو تمہیں اسکیٹنگ کی پریکٹس کراؤں۔" اس کا مشورہ فریا کو پسند آگیا تھا۔ اور وہ مطمئن بھی ہو گئی تھی۔ اس بات پر خوش ہوتے ہوئے اس نے گفتگو کی سنجیدگی اور اس کے چہرے پر چھائی افسردگی دور کرنے کے لیے اسکیٹنگ کا ذکر نکالا تھا۔

ابھی چند دن پہلے ہی فریا کی سالگرہ گزری تھی۔ اور اس میں نانی امی کے ساتھ ساتھ سعد نے بھی اسے گفٹ دیا تھا۔ نانی امی نے تو اسے اس کی پسند کی ڈھیر ساری شاپنگ کروائی تھی جب کہ سعد نے اسے گفٹ میں اسکیٹس دیے تھے۔ وہ اس کے اپنی سالگرہ کا دن یاد رکھنے اور گفٹ دینے پر بہت خوش ہوئی تھی۔

گزشتہ تین چار روز سے وہ سعد سے اسکیٹنگ کرنا سیکھ رہی تھی۔ ابھی وہ پرفیکٹ تو نہیں ہوئی تھی بار' بار گر پڑتی تھی' لیکن اس کا خوف دور ہو گیا تھا۔

"اتنا خراب رزلٹ آیا ہے میرا' اور تم مجھے کھیل کود کی دعوت دے رہے ہو۔" وہ سعد کی بات پر برا مان کر بولی۔

"میں تو تمہارا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ بلاوجہ منہ لٹکا کر بیٹھی ہوئی ہو۔ خیر اگر تمہارا دل نہیں چاہ رہا تو کوئی بات نہیں۔" وہ کندھے اچکا کر لاپروائی سے بولا۔

کچھ دیر وہ دونوں یونہی باتیں کرتے رہے تھے اور پھر وہ دل میں اطمینان لیے واپس گھر آگئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

نئی کلاس میں آکر اس نے سعد کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیا تھا' اب وہ اسکول سے آکر جلدی جلدی نہاتی' کپڑے بدلتی' کھانا کھاتی اور پھر بیگ اٹھا کر سعد کے گھر بھاگتی' نانی امی کو اس کا بغیر ستائے اور آرام کیے آتے ہی بھاگ دوڑ مچانا سخت ناگوار گزرتا تھا۔ لیکن اس سلسلے میں اس نے ان کی ناگواری کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

سعد کی پڑھائی کے اس دور کا آغاز ہو گیا تھا جہاں سے کیریئر بنایا بگڑنا شروع ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کے

ممی ڈیڈی اس کی اسٹڈیز کے حوالے سے بہت کونشس تھے۔ زوہیب کا اپنا شیڈول تھا' کبھی ہوم ورک زیادہ ملا ہوتا یا کوئی بہت ہی اہم ٹیسٹ ہوتا ہوتا تو وہ بھی اسٹڈی میں آجایا کرتا ورنہ وہ وقت اس کے سونے کا ہوتا تھا۔ وہ دونوں ساتھ بیٹھ کر کام کرتے ساتھ ساتھ باتیں بھی ہوتی رہتیں۔ کوئی چیز اسے سمجھ میں نہیں آتی تو سعد سے ہی پوچھ لیا کرتی۔

آہستہ آہستہ اس میں تبدیلی آرہی تھی۔ وہ خود محسوس کررہی تھی کہ اب اسے اسکول کا کام کرنا بوجھ نہیں لگتا۔ بلکہ وہ اس کام کو انجوائے کرنے لگی ہے۔ اسکول میں اسے اتنا مزہ نہیں آتا تھا جتنا سعد کے ساتھ کام کرنے میں آتا تھا۔ اب تو کبھی کبھار وہ خود بھی پڑھتے وقت بعض چیزوں میں سعد کی مدد کردیا کرتی تھی۔

مضمون لکھنے میں وہ شروع ہی سے بہت اچھی تھی۔ سعد کو کسی ٹاپک پر مضمون لکھنے کو ملا ہوتا تو وہ خوب سوچ سوچ کر اسے اس میں لکھنے کے لیے کئی باتیں بتادیا کرتی تھی۔ وہ اس کی جنرل نالج پر شروع شروع میں خاصا حیران ہوا تھا۔

"تم تو چھپی رستم ہو' بلاوجہ خود کو انڈر اسٹیمیٹ کرتی ہو۔" وہ تعریف کرنے میں کبھی کنجوسی نہیں کرتا تھا۔

اس کا روزانہ پابندی سے وہاں آنا اسے سعد کے گھر میں گھر کے فرد کی سی حیثیت دلوا گیا تھا۔ اب صرف سعد ہی نہیں بلکہ اس کی ممی ڈیڈی اور زوہیب بھی اس کی اپنے گھر آمد کے عادی ہوچکے تھے۔ ان دونوں کی دوستی نے دونوں گھرانوں کے درمیان بھی خاصے دوستانہ روابط پیدا کروادیے تھے۔ نانی امی اور سعد کی ممی اکثر ایک دوسرے کے گھر آجایا کرتی تھیں۔

نانا ابا کا البتہ وہی انداز تھا۔ وہ اپنی ذات میں مگن آج بھی اس سے اتنے ہی دور تھے جتنے اول روز نظر آئے تھے۔ یہاں رہتے ہوئے اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی وہ خود کو ان کے اجنبی انداز کا عادی نہیں بنا پائی تھی۔ ان کا اجنبیت لیا ہوا سرد و سپاٹ لہجہ آج بھی اس کا دل دکھایا کرتا تھا۔ اول تو وہ اسے مخاطب ہی بہت کم کرتے تھے۔ بعض دفعہ تو دن بھر میں اس کی سوائے "السلام علیکم" اور "وعلیکم السلام" کے ان سے کوئی بات ہی نہیں ہوتی تھی۔

شروع کی طرح اسے اب بھی ان سے بہت ڈر لگتا تھا۔ حالانکہ انہوں نے اسے کبھی ڈانٹا نہیں تھا لیکن وہ ان کو دیکھتے ہی ادھر ادھر کھسکنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ ان کے سامنے نانی امی تک سے جن سے اب اس کی بہت بے تکلفی تھی' سنبھل سنبھل کر بہت محتاط ہو کر بات کیا کرتی تھی۔

وقت یوں گزر رہا تھا گویا اسے پر لگ گئے ہوں وہ نویں کا امتحان دے کر دسویں کلاس میں آگئی تھی۔ وہ اسکول سے واپس آئی تو لاؤنج میں نانی امی کے ساتھ ایک انجان سی شخصیت بیٹھی نظر آئی۔ ابھی نانی امی نے ان دونوں کا آپس میں تعارف بھی نہیں کروایا تھا کہ وہ خاتون بڑے والہانہ انداز میں اٹھ کر اس کے پاس آگئیں۔ اگلا لمحہ اس کے لیے بڑا حیرت انگیز تھا۔

بغیر کچھ کہے انہوں نے اسے اس طرح گلے لگالیا جیسے پتا نہیں کتنی پرانی شناسائی ہے۔ وہ حیران پریشان محبت اور چاہت کا یہ مظاہرہ دیکھ رہی تھی۔ ان کے گلے لگے لگے اسے محسوس ہوا جیسے وہ رو بھی رہی ہیں۔ نانی امی بھی اٹھ کر ان دونوں کے پاس آگئی تھیں۔ انہوں نے تسلی دینے والے انداز میں ان خاتون کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ انہیں خود بھی شاید اپنی بے خودی اور جذباتی پن کا احساس ہوگیا تھا' اس لیے اسے بڑی آہستگی سے خود سے الگ کرلیا۔

"جاؤ بیٹا! تم فریش ہو کر آجاؤ۔ پھر کھانا کھائیں گے۔" نانی امی کی آواز میں آنسوؤں کی نمی شامل تھی۔ اسے ایسا لگا جیسے وہ اسے دانستہ یہاں سے ہٹا رہی ہوں۔ شاید وہ اس کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھیں۔ وہ حیران پریشان اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

وہ خاتون کون ہیں اور اسے لپٹا لپٹا کر کس خوشی میں رو رہی ہیں وہ سمجھ نہیں پارہی تھی' کچھ دیر بعد جب وہ یونیفارم بدل کر نہا دھو کر ڈائننگ روم میں آئی تو وہ

دونوں ڈائننگ ٹیبل پر اسی کا انتظار کر رہی تھیں۔
"بہت سال بعد دیکھا ہے تمہیں۔ میرے ذہن میں تو وہی چھوٹی سی فری تھی۔" کچھ دیر پہلے کی جذباتی کیفیت کے برعکس اس وقت وہ دونوں نارمل اور خوش باش بیٹھی تھیں۔ نانی امی بھی مسکراتی ہوئی نارمل سے انداز میں بیٹھی تھیں۔ شاید وہ دونوں اس کی وجہ سے خود کو نارمل پوز کر رہی تھیں۔
"ابھی تمہارے اسکول سے آنے سے پہلے آنٹی سے میری بات ہوئی تو پتا چلا فری اب وہ چھوٹی سی بچی نہیں رہی ہے۔ بلکہ دسویں کلاس میں آچکی ہے۔ تو میں سن کر حیران رہ گئی وقت کتنا تیز گزرتا ہے آنٹی کل کی بات لگتی ہے جب میں نے اور ضوفی نے اسکول کو خیرباد کہہ کر ایک ساتھ کالج میں ایڈمیشن لیا تھا اور آج دیکھیں، ہمارے بچے اپنا اسکول کا دور ختم کرنے والے ہیں۔" مسکراتے ہوئے انہوں نے پہلے اسے اور پھر نانی امی کو مخاطب کیا تھا۔

ان کے منہ سے اپنی ماما کا نام سن کر وہ چونک گئی۔ وہ خود بھی شاید اس کا چونکنا سمجھ گئی تھیں، اسی لیے وضاحتی انداز میں بولیں۔
"میں تمہاری ماما کی بچپن کی دوست ہوں، بہت گہری دوستی تھی ہماری۔" وہ نانی امی کے ہاتھ کی بنی اپنی پسندیدہ بریانی کو چھوڑ کر اب پوری طرح ان کی طرف متوجہ تھی۔ یہ گھر جہاں اس کی ماما کا نام لیا جانا گناہ سمجھا جاتا تھا وہاں ان کی کسی دوست کا آجانا اس کے لیے حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی کا باعث بھی تھا۔
"بہت زندہ دل اور ہنس مکھ تھی وہ، شرارتی اتنی کہ میں تمہیں کیا بتاؤں۔ اس کے ساتھ رہ کر میں بھی اس کی طرح ہوگئی تھی حالانکہ میری نیچر نہیں تھی اتنی ہنگامہ پرور لیکن اس کے ساتھ مل کر کیا کیا شرارتیں نہیں کیں میں نے، دادا گیری چلتی تھی ہماری اسکول میں، پھر کالج جا کر بھی یہی حال تھا۔ ہم دونوں پڑھائی میں اتنے اچھے تھے کہ اکثر ٹیچرز اس وجہ سے ہمارے ساتھ رعایت برت جاتے تھے ورنہ ہماری شرارتوں اور ہنگامہ آرائی سے پناہ وہ بھی مانگا کرتے تھے۔" وہ جیسے بولتے بولتے اسی دور میں کھو گئی تھیں۔
"تم کھانا تو صحیح سے کھاؤ ارحمند! یہ بگھارے بینگن میں نے خاص طور پر تمہارے لیے بنائے ہیں۔" نانی امی نے انہیں کھانے سے ہاتھ روک کر باتیں کرتے دیکھ کر ٹوکا۔
فریا کو ان کا ٹوکنا بہت برا لگا۔ وہ اسے ماما کی باتیں بتا رہی تھیں اور نانی امی نے بلاوجہ موضوع تبدیل کروا دیا ارحمند آنٹی بھی دوبارہ سے کھانے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔
"آپ کے ہاتھوں کا یہی ذائقہ تو یاد آتا ہے آنٹی۔" انہوں نے ڈونگا اپنی طرف کرتے ہوئے کہا تھا۔ "اور وہ بادام کا شربت آپ ابھی بھی بناتی ہیں یا نہیں۔ مجھے تو اس کا مزہ آج تک یاد ہے۔"
"اب کس کے لیے بناؤں، وہ فرمائش کر کر کے شربت بنوانے والی ہی نہیں رہی۔" وہ بڑی یاسیت سے بولیں۔
ارحمند آنٹی کی خوش مزاجی بھی لمحہ بھر میں رخصت ہو گئی، وہ ضوفشاں فاروق کی دوست تھیں بچپن کی دوست، ان کا اس گھر میں آنا جانا بھی یقیناً ان ہی کی وجہ سے تھا، اور آج جب وہ پتا نہیں کتنے سالوں بعد یہاں آئی تھیں تو یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ اس ہستی کا ذکر نہ ہو جو ان کے اس گھر میں آنے اور یہاں کے مکینوں سے واقفیت کا باعث تھی۔ باقی وقت سب چپ رہے تھے۔ کھانا کھا کر وہ لوگ واپس لاؤنج میں آگئے تھے۔ ارحمند آنٹی نے اسے اپنے پاس ہی بٹھا لیا تھا۔ انہوں نے تین چار شاپنگ بیگز اس کی طرف بڑھائے۔
"یہ تمہارے لیے ہے۔" اس نے تکلفاً منع کرنا چاہا۔
"لے لو فری!" نانی امی کے کہنے پر اس نے کچھ ہچکچاتے ہوئے وہ چیزیں لیں۔
"آپ کہاں رہتی ہیں ارحمند آنٹی؟" ان کی باتوں سے اتنا اندازہ تو وہ لگا ہی چکی تھی کہ وہ پاکستان سے باہر کہیں رہتی تھیں۔
"میں لندن میں رہتی ہوں۔ اور اب کی بار جب

یہیں اگلی لین (Lane) میں تو میرا گھر ہے۔" وہ بڑی سنجیدگی سے معذرت کر رہا تھا۔ مگر جب وہ اس کے معذرت نامے کے جواب میں بھی کچھ نہیں بولی تو وہ چڑ سا گیا۔

"تم کیا گونگی ہو؟" غالباً" اس سے زیادہ دیر تک وہ ادب و آداب کے دائرے میں رہ نہیں سکتا تھا۔

وہ بغیر اس کی بات کا جواب دیے اندر جانے کے لیے مڑ گئی۔ اس بدتمیز لڑکے اور اس کی معذرت کو وہ کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھی۔ ملازم سے بھی اس نے آئندہ اس لڑکے کو گیٹ سے ہی لوٹا دینے کے لیے کہہ دیا تھا مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ جس سے وہ اپنے گھر پر ملنے سے انکاری ہو چکی ہے' وہ اسے اسکول میں روز ملا کرے گا۔

اپنے اسکول کے پہلے ہی دن وہ اسے وہاں پر دیکھ چکی تھی' خود اس کی نظر فریا پر نہیں پڑی تھی۔ وہ اس کے نہ دیکھنے پر سکون سا محسوس کر کے جلدی سے کلاس میں چلی گئی تھی مگر اسی روز چھٹی کے وقت جب وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ رہی تھی تو وہ بھی ان کے پیچھے والی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور لڑکا بھی تھا۔ جو عمر میں اس سے چھوٹا لگ رہا تھا۔ غالباً" اس کا چھوٹا بھائی تھا' اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے وہ بھی اسے دیکھ چکا تھا۔

نانی امی ڈرائیور کے ساتھ خود اسے لینے آئی تھیں' وہ بڑی تفصیل سے اس سے اسکول کی ایک ایک بات پوچھ رہی تھیں۔

"تھوڑے دن لگیں گے تمہیں سیٹ ہونے میں۔ پھر تم دیکھنا یہاں کا اسکول تمہیں اپنے میڈرڈ والے اسکول سے بھی زیادہ اچھا لگے گا۔" وہ اس کے چہرے پر پھیلی افسردگی دیکھ کر پیار سے سمجھانے لگیں۔

شام میں نانا ابا نے بھی سرسری سے انداز میں اس سے اسکول کے بارے میں پوچھا۔ ان کے مختصر سوالوں کا اس نے بہت مختصر لفظوں میں جواب دیا۔

اس نے کلاس میں کسی سے بھی دوستی کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ دو تین لڑکیوں نے از خود اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا مگر اس کی سرد مہری اور خاموشی دیکھتے ہوئے خود ہی پیچھے ہٹ گئی تھیں۔ اسے نہ تو اسکول سے کوئی دلچسپی تھی نہ دوستی سے اور نہ ہی پڑھائی سے' نانی امی اسے اسکول بھیجتیں اور وہ بیگ لٹکائے اسکول آجاتی۔ حالانکہ پہلے وہ بہت ذہین اور محنتی طالبہ تھی۔ اگر اس کے موجودہ ٹیچرز کو یہ بات بتائی جاتی کہ فریا عبدالرحمٰن 5th گریڈ تک ہر کلاس میں پہلی پوزیشن لیتی رہی ہے اور نہ صرف پڑھائی میں بلکہ دیگر غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی اس نے ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور ہمیشہ ہی انعامات بھی جیت کر لائی ہے تو وہ اس بات پر یقین کرنے سے انکار کر دیتے۔

مارے باندھے ہوم ورک کرنے والی فریا عبدالرحمٰن کلاس کی سب سے ڈل اور ڈفر اسٹوڈنٹ کہلائی جا سکتی تھی۔ سعد سے اس کا اسکول میں کئی مرتبہ آمنا سامنا ہوتا مگر نہ تو اس نے اب اس کے ساتھ کوئی بدتمیزی کی تھی اور نہ ہی اس سے بات کرنے ہی کی کوشش کی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر لاتعلقی سے گزر جاتا تھا ایسے جیسے جانتا ہی نہ ہو۔ وہ اس سے دو کلاس آگے یعنی 8th گریڈ میں تھا۔ اسکول میں بھی اس کی دادا گیری تھی سینئر اسٹوڈنٹس جو اس سے عمر اور قد و قامت میں کافی بڑے تھے' وہ بڑے آرام سے ان سے لڑائیاں مول لیا کرتا تھا۔ اور مزے کی بات یہ تھی کہ ایسے جھگڑوں میں جیتا بھی کرتا تھا۔

اس روز وہ چھٹی کے بعد گیٹ کے پاس بنی سنگی بنچ پر بیٹھی اپنی گاڑی کا انتظار کر رہی تھی' چھٹی ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی اور ڈرائیور ابھی تک نہیں آیا تھا' اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ چھٹی کے وقت ڈرائیور موجود نہ ہو۔ پہلی مرتبہ ایسا ہوا تھا اور وہ اچھی خاصی پریشان ہو گئی تھی۔ کافی سارے بچے جا چکے تھے' گیٹ کی طرف جاتے ہوئے سعد نے اسے رونکھی سی شکل بنائے بنچ پر بیٹھے دیکھا تو خود کو اس کے پاس آنے سے روک نہیں پایا۔

"کیا ہوا' تمہیں کوئی لینے نہیں آیا؟" اس نے سر اٹھا کر اپنے پاس کھڑے سعد کو دیکھا اور بے ساختہ نفی

تمہاری چھٹیاں ہوں تو تم نانا ابا اور نانی امی کے ساتھ میرے پاس لندن آنا علی اور مہوش سے مل کر تمہیں بہت مزہ آئے گا۔ مہوش تو تم سے بڑی ہے۔ لیکن علی تمہارے جتنا ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بچوں کو ساتھ کیوں نہیں لائیں ارحمند!" نانی امی نے اسے پوچھا۔

"بچوں کی پڑھائی کا مسئلہ تھا آنٹی! ہم دونوں میاں بیوی کو تو لازمی آنا تھا خاندان کی اتنی قریبی شادی نہ آتے تو سب ناراض ہو جاتے۔ اگلی بار ان شاءاللہ اس طرح پروگرام بناؤں گی آنے کا جب بچوں کی چھٹیاں ہوں گی۔" وہ اس کے ہاتھ کو محبت سے اپنے ہاتھ میں لیے بیٹھی تھیں۔

وہ اس سے پہلے ان سے کبھی نہیں ملی تھی۔ کبھی ان کا نام تک نہیں سنا تھا لیکن پھر بھی اسے وہ بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ ذرا غور کرنے پر اسے دھیان آیا کہ پرانی البمز میں اس نے ارحمند آنٹی کی تصویریں بھی دیکھی ہیں۔ اس وقت وہ بہت ینگ اور دبلی پتلی سی تھیں۔ اب سے بالکل مختلف۔ آنکھوں پر گلاسز بھی نہیں تھا۔ اور چہرہ بھی بہت کھلا کھلا اور فریش سا تھا۔

"چائے بنواؤں؟" نانی امی کے پوچھنے پر انہوں نے بلا تکلف "ہاں" کہا۔

نانی امی بجائے کسی ملازم کو آواز دینے کے خود اٹھ کر کچن میں چلی گئیں۔ ارحمند آنٹی یقیناً" نانی امی کے لیے بھی بہت خاص مہمان تھیں۔ فریا بڑے غور سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے اسے اتنی محویت سے اپنی طرف دیکھتا پایا تو مسکرائیں۔

"تم تو ضوفی کی بیٹی لگتی ہی نہیں ہو۔ اتنی سی عمر میں اتنی سنجیدہ اور خاموش۔" اس نے بڑی خاموشی سے ان کا اپنے بارے میں بصرہ سنا۔

"ماما آپ کی بیسٹ فرینڈ تھیں ارحمند آنٹی۔" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔ انہوں نے بغیر اسے دیکھے سر ہلا دیا تھا۔

"پھر آپ ان کے مرنے کے اتنے سال بعد کیوں آئیں؟" وہ کہتے کہتے ہچکچا کر چپ ہو گئی تھی۔ انہوں نے حوصلہ دینے والے انداز میں اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔ ایسے جیسے اس سے کہنا چاہ رہی ہوں کہ تم جو دل میں آئے بلا تکلف کہہ سکتی ہو' اور ان کے اسی انداز نے اسے حوصلہ دیا تھا' تب ہی وہ آگے بولی۔

"آپ کو کیا یہ بات معلوم تھی کہ ماما مر چکی ہیں۔" اس کا سوال انہوں نے سکون سے سنا تھا اور پھر سر ہلا دیا تھا۔

"پھر بھی آپ یہاں نہیں آئیں' اتنے سالوں میں کبھی کوئی فون نہیں کیا' کوئی خط نہیں لکھا۔" وہ بے جھجک اپنے دل میں آئی بات بول گئی۔

"کیسے آتی میں یہاں' مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ یہاں آسکتی۔ اس گھر میں جہاں ضوفی کے ساتھ کھیلتے میں نے اپنے بچپن کا سنہرا دور گزارا۔ اس گھر کے کونے کونے میں ہمارے بچپن کی بے شمار یادیں بکھری ہوئی ہیں۔ یہ لاؤنج' وہ کچن' وہ ڈائننگ روم' لان' اسٹڈی' ضوفی کا بیڈ روم' میں ان سب کو ویران کس طرح دیکھ پاتی۔ میں آتی تو وہ مجھ سے تعزیت کرتے' میری دوست کے مرنے پر افسوس کرتے۔ میں تو آج تک خود اپنے آپ سے اس کے مرنے پر افسوس نہیں کر سکی۔ اس عرصے میں کبھی آنٹی سے بھولے بسرے بھی رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں تمہیں کیا بتاؤں فریا! کہ وہ مجھے کتنی پیاری تھی۔ اور آج اتنے برسوں بعد' جب میں بمشکل خود کو اس جگہ پر لائی ہوں تو میرا دل چاہ رہا ہے ان دیواروں سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رووں۔ ان سے کہوں میرا وہ بچپن لوٹا دو' وہ میری پیاری دوست ضوفشاں وہ کہاں ہے۔ اسے کہیں سے لے آؤ۔ ایسا کبھی ہوا ہی نہیں کہ میں اس گھر میں آئی ہوں اور یہاں ضوفی نہ ہو۔ اس کے بغیر یہ گھر مجھے گھر نہیں ایک کھنڈر لگ رہا ہے۔ دل چاہ رہا ہے جلد سے جلد یہاں سے بھاگ جاؤں۔ میں شاید یہاں کبھی نہ آتی لیکن صرف تمہاری وجہ سے آئی ہوں فریا۔ تمہاری شکل اس سے بالکل مختلف ہے۔ لیکن پھر بھی مجھے تم میں اس کا عکس نظر آرہا ہے۔ میں جھوٹ نہیں

بولوں گی اس سے پہلے کئی بار ایسے مواقع آئے جب خاندان کی کسی شادی یا کسی عزیز کے انتقال پر میرا کراچی آنے کا پروگرام بنا، لیکن ہر بار میری ہمت ٹوٹ جاتی تھی ایسا تو ہو نہیں سکتا تھا کہ میں یہاں آؤں اور تم لوگوں سے نہ ملوں اس لیے میں یہاں آنے کو ٹالتی رہی۔ اور اب جب میں یہاں آئی ہوں تو یہ آنا مجھے بہت دنوں تک نڈھال رکھے گا۔" ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی نظر آرہی تھیں۔

"تم سوچ رہی ہوگی کہ آنٹی اتنی بڑی ہو کر بچوں کی طرح رو رہی ہیں۔" وہ قصداً مسکرائیں اور پھر اپنی آنکھیں خشک کرنے لگی تھیں۔ نانی امی چائے لے کر آگئیں۔

"پڑھنے نہیں جاؤ گی فری؟۔" نانی امی نے اسے یاد دلایا تھا اس کی سعد کے گھر جانے والی عادت آج بھی برقرار تھی۔ حالانکہ اب وہ کالج میں آچکا تھا۔ لیکن وہاں جانا اور ساتھ بیٹھ کر پڑھنا اب بھی اس کی روٹین میں شامل تھا۔

"آج میرا موڈ نہیں ہے۔ ارجمند آنٹی آئی ہیں ناں اس خوشی میں چھٹی۔" وہ لاپروائی سے بولی پھر کچھ خیال آنے پر ان سے معذرت کرتی ہوئی اٹھی۔

"میں سعد کو فون کر کے بتادوں، وہ میرا انتظار کر رہا ہوگا۔" سعد سے بات کرنے میں بمشکل دو تین منٹ لگے تھے اور وہ واپس لاؤنج میں آگئی۔

"تم فریا سے ضوفشاں کی شادی اور اپنے انکل کی ناراضی کے بارے میں کچھ مت کہنا۔ بہت کوشش کر کے میں نے اسے ان تمام باتوں سے دور رکھا ہوا ہے۔" نانی امی کی آواز سن کر وہ دوبارہ دروازے کی اوٹ میں ہو گئی۔

"کیوں آنٹی؟ آپ اس سے یہ سب کب تک چھپائیں گی۔ کبھی نہ کبھی اسے کسی نہ کسی سے سب کچھ پتا چل ہی جائے گا۔ بلکہ میں سمجھتی ہوں اسے کچھ کچھ اندازہ تو ہوگا ہی اصل بات کا، اب وہ اتنی چھوٹی بھی نہیں ہے کہ اس سے کوئی بات چھپائی جائے اور وہ اسے جان نہ سکے۔ بجائے اس کے کہ کوئی دوسرا وہ تمام باتیں اسے کسی غلط انداز میں بتائے آپ خود اسے سب کچھ صحیح صحیح بتادیں۔ ہر بچہ اپنے ماں باپ کو سب سے اچھا اور بہترین انسان سمجھتا ہے۔ ایسا ہی یقیناً" وہ بھی سمجھتی ہوگی۔ کسی اور نے اسے کسی غلط طریقے سے وہ تمام باتیں بتائیں تو اس کا ذہن کتنی بری طرح منتشر ہوگا۔ ماں باپ کے آئیڈیل بنائے ہوئے بت ٹوٹیں گے اور وہ خود بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گی۔ میں نے تو اتنی سی دیر میں محسوس کیا ہے کہ فریا عام بچوں سے بہت مختلف اور بڑی حساس لڑکی ہے۔ اگر کل آپ کے کسی رشتہ دار نے یونہی مزہ لینے کے لیے اس کہانی کو کسی مختلف انداز اور پیرائے میں اسے سنایا تو اسے سخت تکلیف ہوگی۔" ارجمند آنٹی کا انداز بہت مدلل اور ٹھوس تھا۔

نانی امی ان کی بات کے جواب میں کچھ بولے بغیر ایک ٹھنڈی سانس لے کر چپ ہو گئیں۔ کچھ دیر بعد وہ واپس لاؤنج میں آگئی۔ اس کے آنے پر وہ دونوں ہنستی مسکراتی کسی دوسرے ٹاپک پر باتیں کرنے لگیں۔

"آپ نے بھی ماما کی طرح جرنلزم پڑھا ہے۔" اس کا دھیان کچھ دیر پہلے والی باتوں سے ہٹا نہیں تھا، لیکن بظاہر وہ بڑی پرسکون تھی۔ وہ اس کا سوال سن کر مسکرادیں۔

"ایڈمیشن تو میں نے اور ضوفی نے ایک ساتھ لیا تھا یونیورسٹی میں لیکن بس اچانک ہی میری شادی طے ہوگئی اور جرنلزم پڑھنے کا خواب شادی کی نذر ہوگیا۔ پھر شادی ہوتے ہی میں لندن چلی گئی۔"

اپنی شادی کے ذکر کے ساتھ ہی انہیں پھر ضوفشاں یاد آگئی۔ کس طرح اس نے ان کی شادی کے تمام فنکشنز میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اور رخصتی کے وقت کس طرح رونا دھونا مچایا تھا۔ ارجمند آنٹی شام تک رکی تھیں اور شام تک اسی طرح گزرے کل کی مختلف باتیں کبھی ہنستے اور کبھی اداس ہوتے دہراتی رہیں۔

"جانے سے پہلے میں ملنے آؤں گی۔" گیٹ پر خدا

جانتا چاہتی ہوں' وہ سب جو نانی امی مجھ سے چھپانا چاہتی ہیں۔" ان کے محبت بھرے انداز نے اسے اتنا حوصلہ دے دیا تھا کہ وہ بے جھجک پر اعتماد طریقے سے ان سے یہ بات کہہ گئی تھی۔

"تین دن تو میں شادی میں بزی ہوں۔ ایسا کرتے ہیں سنڈے کو تمہارے اسکول کی بھی چھٹی ہوتی ہے' میں اس روز تمہارے گھر آجاؤں گی پھر آنٹی سے کہیں گھومنے پھرنے کا کہہ کر ہم دونوں باہر چلیں گے ٹھیک ہے۔" انہوں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سارا پروگرام ترتیب دے لیا۔

اسے ارحمند آنٹی کا یہ انداز بہت اچھا لگا۔ وہ اسے بچہ نہیں سمجھ رہی تھیں۔ اس سے وہ سب باتیں چھپا نہیں رہی تھیں جو جاننا اس کا حق تھا۔ یہ سب جو اس کے ماما پاپا کی کہانی تھی اور جس کا وہ بھی ایک کردار تھی۔ وہ میٹرک اسٹوڈنٹ تھی۔ اور اب اتنی چھوٹی ہرگز نہیں تھی کہ اس سے خود اسی کے ماں باپ کے بارے میں کوئی بات چھپائی جائے۔

♥ ♡ ♡ ♥

ہفتہ کے دن ارحمند آنٹی وعدے کے مطابق آگئی تھیں۔ نانی امی اتنی ناسمجھ نہیں تھیں کہ ان کے اسے ساتھ لے جانے کا مقصد سمجھ نہ سکیں' لیکن وہ انہیں منع نہیں کر سکیں۔ وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں۔ ارحمند آنٹی نے ڈرائیور سے کسی بھی پرسکون سی جگہ پر لے جانے کے لیے کہا۔ راستہ بھر وہ اس کے ساتھ اپنے بچوں کے بارے میں باتیں کرتی رہیں۔ ساحل پر لوگوں کا کوئی خاص رش نہیں تھا۔ وہ دونوں اطمینان سے واک کرتی آتی جاتی لہروں کو بغور دیکھ رہی تھیں۔

"نانا ابا میری ماما سے نفرت کیوں کرتے ہیں اور ارحمند آنٹی! پسند کی شادی کرنا اتنا بڑا جرم تو نہیں۔" ٹہلتے ٹہلتے وہ اچانک ان سے پوچھ بیٹھی۔

"وہ تمہاری ماما سے نفرت نہیں کرتے فری! تم انکل کو مس انڈراسٹینڈ کر رہی ہو۔" وہ اس کا ہاتھ تھامتے دھیمے لہجے میں بولی تھیں۔

"جب ہم کسی سے بہت محبت کرتے ہیں' اس پر

حالانکہ کہتے ہوئے انہوں نے اسے اور نانی امی کو بیک وقت مخاطب کیا۔ ان کے جانے کے بعد وہ بہت کچھ سوچتی اور الجھتی رہی۔

نانی امی نے سرسری انداز میں بھی ارحمند آنٹی کے آنے کا ذکر نانا ابا سے نہیں کیا۔ وہ ان کی اکلوتی بیٹی کی سب سے عزیز دوست تھی۔ اس کے انتقال کے بعد پہلی مرتبہ آئی تھی مگر انہوں نے اس بات کا تذکرہ ان سے کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا حالانکہ خود وہ بہت چپ اور روئی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

نانا ابا نے ان کے روئے ہوئے چہرے کو بغور دیکھا بھی تھا مگر بولے کچھ نہیں تھے۔ ان سے رونے کا سبب بھی نہیں پوچھا تھا۔ پتا نہیں وہ اتنے بے حس کیوں تھے۔ وہ جیسے جیسے بڑی ہو رہی تھی اسے نانا ابا کی بے حسی اور سرد مہری حد سے زیادہ بری لگنے لگی تھی۔ صرف اسی کے ساتھ نہیں بلکہ نانی امی کے ساتھ بھی وہ اتنی مختصر اور روکھی تلی بات کرتے کہ اسے ان سے چڑ ہونے لگتی۔ اسے نانا ابا بہت متکبر اور ظالم انسان لگتے تھے۔ وہ اپنے علاوہ کسی اور کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ دوسروں کے احساسات اور دکھ درد ان کے نزدیک بے کار سی باتیں تھیں جن پر وہ اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ڈرتی تو وہ ان سے ہمیشہ ہی تھی۔ ان سے اجنبیت بھی ہمیشہ محسوس کی تھی۔ مگر اب کچھ عرصہ سے اسے ان سے نفرت سی محسوس ہونے لگی تھی۔ اگر کسی شخص کے بارے میں آپ کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ آپ کے ماں باپ کو ناپسند کرتا ہے' اس حد تک ان کا نام سننا بھی گوارا نہیں کرتا تو ایسے شخص سے نفرت کے علاوہ کیا کیا جا سکتا ہے۔

رات میں اس نے ارحمند آنٹی کو فون کیا وہ اپنے سسرال میں ٹھہری ہوئی تھیں اور نانی امی کو خاص طور پر وہاں کا فون نمبر دے کر گئی تھیں۔ نانی امی عشاء کی نماز پڑھ رہی تھیں اسے یہ وقت ان سے چھپ کر فون کرنے کے لیے آئیڈیل لگا۔

"میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں ارحمند آنٹی! لیکن گھر پر نہیں' میں اپنے ماما پاپا کے بارے میں سب کچھ

اپنا حق سمجھتے ہیں۔ ہمیں مان ہوتا ہے اس پر، یقین ہوتا ہے کہ ہمیں کبھی مایوس نہیں کیا جائے گا۔ اور پھر اگر وہ یقین اور وہ مان ٹوٹ جائے تو دل اسی طرح ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ تم نے وہ سب نہیں دیکھا جو میں نے دیکھا ہے۔ میں نے دیکھی ہے وہ والہانہ محبت جو انکل ضوفی سے کرتے تھے۔ اپنی ساری زندگی میں نے کسی باپ کو بیٹی سے اتنی شدید محبت کرتے نہیں دیکھا۔ ہم سب دوستیں ضوفی پر رشک کرتی تھیں۔ اس کی کوئی فرمائش جو انکل رد کردیں۔ اس کی آنکھ میں ایک آنسو تک انہیں برداشت نہیں تھا۔ وہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ان کی کل کائنات۔ وہ اس کے ساتھ بالکل دوستوں کی طرح رہتے تھے۔ خود وہ بھی انکل کی دیوانی تھی۔ انکل تو جیسے اس کے آئیڈیل تھے۔ بیٹیاں ماؤں کے زیادہ قریب ہوتی ہیں مگر وہ آنٹی کے برخلاف انکل کے بہت نزدیک تھی۔

ایگزیمز ہوتے اور وہ پڑھنے کے لیے رات کو جاگ رہی ہوتی تو وہ خود بھی اس کے ساتھ رات رات بھر جاگا کرتے تھے۔ پھر آفس کی چھٹی کرکے اسے خود چھوڑنے آتے۔ جتنی دیر پیپر ہوتا، وہ باہر گاڑی میں بیٹھے اس کے لیے دعائیں کرتے رہتے تھے۔ ہم لوگ حیران ہوتے کہ انکل تین گھنٹہ اکیلے گاڑی میں بیٹھے بور نہیں ہو جاتے۔ وہ ہماری حیرت پر فخریہ انداز میں مسکرا دیتی تھی۔

میں تو اس کی سب سے خاص دوست تھی اور اسی حوالے سے آنٹی انکل کے لیے بھی بہت خاص تھی۔ بہت زیادہ آنا جانا تھا ہمارا ایک دوسرے کے گھر۔ انکل آفس سے تھکے ہارے گھر لوٹتے اور وہ یونہی سرسری سا ہی ذکر کردیتی کہ "پاپا فلاں جگہ بہت اچھی ایگزیبیشن لگی ہے۔" یا "فلاں نیا ریسٹورنٹ آج کل بڑا مشہور ہو رہا ہے۔" تو وہ فوراً" اس جگہ جانے کے لیے کھڑے ہو جاتے۔

وہ خود ان کی تھکن کا خیال کرکے جانے سے منع کرتی بھی تو وہ کہتے کہ "تمہارے ساتھ جا کر تو میں فریش ہو جاؤں گا۔ میری پیاری بیٹی ساتھ ہو تو میں کبھی تھک ہی نہیں سکتا۔" میں تمہیں کیا کیا بتاؤں فری۔ ایسی محبت نہ کہیں دیکھی نہ سنی، قصے کہانیوں جیسی، وہ خود انکل کی اس محبت کے جواب میں ان سے اتنی ہی شدید محبت کرتی تھی۔

چھٹیوں میں ایک بار وہ آنٹی کے ساتھ اسلام آباد چلی گئی تھی۔ تو دو چار دن میں ہی انکل کو بری طرح مس کرنے لگی۔ اور روتے دھوتے فوراً" واپسی کا پروگرام بنالیا۔ انکل یہ سن کر کہ یہ بغیر گھومے پھرے واپس آرہی ہے۔ اپنے سب کام چھوڑ چھاڑ بیٹی کے پاس پہنچ گئے۔ میں ان سب باتوں کی گواہ ہوں فری۔ میں نے وہ کہانیوں اور داستانوں میں رقم ہونے کے لائق محبت اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ اور بارہا ضوفشاں کے نصیب پر رشک بھی کیا ہے۔

"ضوفی تم بہت خوش قسمت ہو۔ انکل تم سے اتنا پیار کرتے ہیں۔ کاش میرے ڈیڈی بھی یونہی میرا خیال رکھتے۔ میں اکثر اس سے کہا کرتی تھی۔" ارجمند آنٹی بولتے بولتے کہیں کھو گئی تھیں۔

نانی امی نے جب ایک بار اسے ماما اور نانا ابا کی اس والہانہ محبت کا بتایا تھا اور نانا ابا کا رویہ اس نے اس کے قطعاً" برعکس دیکھا تو ان کی باتوں کو جھوٹ قرار دے دیا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ اس سے جھوٹ بولتی ہیں۔ شاید اس کا دھیان اس نفرت سے ہٹانے کے لیے جو نانا ابا اس کی ماما سے کرتے ہیں، لیکن ارجمند آنٹی کی باتیں تو ان تمام باتوں پر مہر تصدیق ثبت کر رہی تھیں۔

"ہم لوگ انٹر میں تھے، جب اس کی منگنی ہو گئی تھی۔ شجاع بھائی کے ساتھ۔ وہ اس کے سگے چچا زاد تھے۔ تمہاری ماما کی فیملی میں خاندان سے باہر شادی کرنے کا کوئی تصور نہیں۔ خاندان کی اس روایت کے برخلاف انکل نے ضوفشاں پر اس حوالے سے کوئی دباؤ نہیں ڈالا تھا۔

وہ خاندان کی ایسی کوئی روایت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے جو ان کی بیٹی کی خواہش کے مطابق نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ جب شجاع بھائی کا پرپوزل آیا تو انہوں نے ضوفی کو فیصلہ کرنے کی پوری پوری آزادی

دی۔ لیکن ضوفی آخر انکار کرتی ہی کیوں؟ شجاع بھائی کو انکل بہت پسند کرتے تھے۔ ان کے بہت سے بھتیجے' بھتیجیوں میں شجاع بھائی کی خاص جگہ اور مقام تھا' انکل انہیں اپنا بیٹا کہا کرتے تھے۔ وہ تھے بھی بہت قابل' ذہین اور سلجھے ہوئے۔ انکل نے فیصلہ مکمل طور پر اس پر چھوڑ دیا تھا اور ضوفی نے وہی فیصلہ کیا تھا جو اس کے پاپا کی بھی خواہش تھا۔

انکل بیٹی کی اس فرماں برداری پر خوشی سے نہال ہوگئے تھے۔ بہت دھوم دھام سے اس کی منگنی ہوئی تھی شجاع بھائی کے ساتھ۔ ضوفی اس رشتے پر بہت خوش تھی۔ اسے شجاع بھائی کی اپنے لیے پسندیدگی کا بھی اندازہ تھا۔ منگنی کے بعد جب اس کی شجاع بھائی سے بات ہوئی تو اسے پتا چلا کہ وہ اسے صرف پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس سے محبت کرتے تھے اور اس رشتے کے بھیجے جانے میں بڑوں کی پسند سے بھی بڑھ کر ان کی پسند اور مرضی شامل تھی۔

یہ سب باتیں جان کر وہ فطری طور پر خوش ہوئی تھی۔ جس شخص اور جس گھرانے سے اس کی زندگی وابستہ کی گئی تھی' وہ لوگ اسے چاہ رہے تھے اس سے بڑھ کر ایک لڑکی اور کیا چاہ سکتی ہے۔ شجاع بھائی کی اعلا تعلیم اور نفیس عادات کی وجہ سے بطور کزن تو اس نے ہمیشہ ہی پسند کیا تھا اب اس رشتے میں بندھ کر انہیں مزید پسند کرنے لگی تھی۔

مگر کاتب تقدیر تو کچھ اور ہی سوچے بیٹھا تھا۔ جو کچھ ہوا اگر وہ نہ ہوتا تو بہت اچھا تھا۔ مگر اس سب کو ہونے سے کون روک سکتا تھا۔ یہ سب تو تقدیر میں لکھا جا چکا تھا' میں شادی کے بعد لندن چلی گئی تھی۔ مگر ہماری دوستی ویسی ہی تھی۔ ہمارا آپس میں مسلسل رابطہ رہتا تھا۔ اس کا ایم اے کا فائنل ایر چل رہا تھا۔ اس کا ڈپارٹمنٹ یونیورسٹی کی طرف سے پاکستان ٹور پر گیا تھا۔ وہ تو تھی ہی سیرو تفریح کی دلدادہ' سو اس کا جانا تو لازمی تھا۔ وہیں تمہارے پاپا سے اس کی پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی تھی۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ پاکستان' انڈیا' چائنا اور نیپال وغیرہ کے پہاڑی سلسلوں کی سیاحت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ان دونوں کی پہلی ملاقات بہت افسانوی انداز میں ہوئی تھی۔ وہ اپنے کلاس فیلوز کے ساتھ شور مچاتی اور حسب عادت شرارتیں کرتی ایک پہاڑ پر چڑھ گئی تھی۔

اکثر لڑکیاں خوف کے مارے نیچے ہی رک گئی تھیں۔ صرف اس کی جیسی دو تین ہی اور تھیں جو لڑکوں کے ساتھ کوہ پیمائی کا شوق پورا کر رہی تھیں۔ ہنستے اور باتیں کرتے وہ لوگ اوپر چڑھ گئے تھے۔ اس پہاڑ کے دوسری طرف بہت گہری جھیل تھی۔ ضوفی باتیں کرتے ہوئے بے دھیانی میں بالکل کنارے پر کھڑی ہوگئی تھی۔ اچانک اس کے پیر کے نیچے سے کوئی پتھر سرکا تھا یا وہ کسی وجہ سے توازن برقرار نہ رکھ سکی تھی۔ جو اس کا پیر سلپ ہوگیا تھا۔ اسے گرتا دیکھ کر سب کے منہ سے چیخیں نکل گئی تھیں۔

سب چیخ چلا رہے تھے۔ مگر اتنی ہمت کسی میں بھی نہیں تھی کہ اتنے اونچے پہاڑ سے اسے بچانے کے لیے ایک انتہائی گہری جھیل میں چھلانگ لگا کر خود موت کو آواز دے۔

"تمہارے پاپا بھی اپنے دوستوں کے ساتھ وہیں موجود تھے۔ اور اسٹوڈنٹس کے اس گروپ کی شرارتوں کو بہت دیر سے انجوائے بھی کر رہے تھے۔ اور ان سب کے درمیان سب سے نمایاں وہ شوخ سی لڑکی پہلی ہی نظر میں ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کروا گئی تھی۔ اس کی شوخی' شرارت اور زندہ دلی انہیں لمحہ بھر میں تسخیر کر گئی تھی۔ اسے گرتا دیکھ کر وہ ایک پل ضائع کیے بغیر پانی میں کود گئے تھے اور پھر بحفاظت اسے وہاں سے نکال لائے تھے۔ اس کے بہت سے دوستوں میں سے کوئی اس کی جان بچانے نہیں آیا تھا اور جو آیا اسے وہ جانتی تک نہیں تھی۔

کون تھا وہ جس نے اس کی خاطر اپنی جان کو خطرے میں ڈالا تھا' اسے تو اس نے اس سے پہلے کبھی دیکھا بھی نہیں تھا۔ ان کی یہ دلیرانہ ادا ہی شاید اس کے دل کو بھا گئی تھی۔ یہ تھا نقطۂ آغاز اس داستان محبت کا جس نے ان دو اجنبی دیس کے باسیوں کو پھر زندگی بھر ایک

دوسرے کے علاوہ کچھ سوچنے ہی نہیں دیا۔ اسپین کا رہنے والا البرٹ فرانس اور پاکستان سے تعلق رکھنے والی ضوفشاں فاروق' البرٹ جو پیشے کے لحاظ سے انجینئر تھا اور جس نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ وہ کسی غیر ملکی لڑکی سے شادی کرنے جتنا بڑا فیصلہ کر ڈالے گا۔ اور ضوفشاں جو منگنی کے بعد اب ایک شخص کے ساتھ خود کو زندگی بھر کے لیے وابستہ کر چکی تھی' اس نے بھی کبھی ایسی طوفانی محبت کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ وہ ایک واقعہ' شکریہ اور تعارف کے مراحل طے کرتا ہوا جلد ہی دوستی اور پھر محبت میں تبدیل ہو گیا تھا۔ یا یوں کہہ لو کہ ابتدائی طور پر ان دونوں نے اس محبت کو اتنی سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ ورنہ سچ تو یہ تھا کہ وہ دونوں پہلی نظر میں ہی ایک دوسرے کے اسیر ہو گئے تھے۔ وہ تفریحی ٹور ان دونوں کی زندگیاں ہی بدل گیا تھا۔ وہ دو الگ الگ جگہوں اور معاشروں سے تعلق رکھنے والے ایک جیسی سوچ' ایک جیسی عادتیں اور ایک جیسی پسند رکھتے تھے۔ اور اب ایک دوسرے کی محبت میں بری طرح مبتلا ہو چکے تھے۔

مجھے یاد ہے ضوفی نے وہاں سے آکر جو تفصیلی خط مجھے لکھا تھا۔ اس میں اس بارے میں کیا لکھا تھا۔

"ارجمند! مجھے حیرت ہوتی ہے البرٹ پر' جو بات ابھی میں سوچ ہی رہی ہوتی ہوں' وہ میرے کہنے سے پہلے اسے سمجھ لیتا ہے۔ پتا نہیں ایسا کس طرح ہو جاتا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے کہے بغیر ایک دوسرے کی ہر بات سمجھ لیتے ہیں۔ کیا یہی محبت ہوتی ہے؟ ایسا میں نے شجاع کے لیے کبھی محسوس نہیں کیا۔ کبھی اس کا فون آنے پر' اس سے ملنے پر میرا دل اس انداز سے نہیں دھڑکتا۔ میں خود کو البرٹ کے پاس جانے سے روکنا چاہتی ہوں۔ مجھے پتا ہے وہ میرا ہم مذہب نہیں۔ اس کا اور میرا کلچر بالکل مختلف ہے اور سب سے بڑی بات کہ میری منگنی ہو چکی ہے لیکن اس معاملے میں' میں خود اپنے آپ کو کچھ سمجھانے سے قاصر ہوں۔"

وہ دونوں بری طرح ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ البرٹ نے ضوفی کے سامنے شادی کا پرپوزل رکھا تھا۔ وہ مذہب کے علاوہ اس کی کسی بات پر معترض نہیں تھی۔ وہ ایک معزز کرسچین فیملی سے تعلق رکھتا تھا' اس کے والد کا اس کے بچپن میں ہی انتقال ہو چکا تھا لیکن اس کی ماما زندہ تھیں اور وہ دونوں ماں بیٹا ساتھ رہتے تھے۔ وہ ضوفی سے شادی کرنے کی خاطر مسلمان ہونے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ ضوفی کہتی تھی اس کی یہ محبت پاگل پن نہیں۔ اس نے ایک بہت اچھے اور محبت کیے جانے کے قابل شخص کے سامنے اپنا دل ہارا ہے۔ اسے یقین تھا کہ یہ شخص اسے زندگی میں کبھی مایوس نہیں کرے گا۔

میں نے سمجھانا چاہا تھا مگر محبت سمجھنا شروع کر دے تو وہ محبت کہلائے ہی کیوں۔ اسے میری کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اسے بس یہ پتا تھا کہ البرٹ اس سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ وہ اس کے لیے اپنا مذہب تک چھوڑنے کے لیے تیار ہو گیا ہے۔ اور اس شخص کے علاوہ وہ کسی اور کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتی۔ بہت جنونی محبت تھی ان دونوں کی۔

آنٹی اور انکل دونوں فرماں بردار بیٹی کی اس انوکھی ضد پر صدمے سے نڈھال ہو گئے تھے۔ شاید انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ ان کی پیاری بیٹی یوں تن تنہا اتنا بڑا فیصلہ بھی کر سکتی ہے۔ ایک ایسا فیصلہ جو ماں باپ کو ذلت کے علاوہ کچھ نہیں دے سکتا تھا۔ سارے خاندان کے سامنے اس کی دھوم دھام سے منگنی کی تھی انہوں نے اور اب جب اس کی شادی کا وقت بالکل نزدیک آچکا تھا تو وہ اس طرح والدین کی عزت کا تماشا بنا رہی تھی۔

ابتدا" تو انکل بالکل خاموش ہو گئے اور آنٹی ضوفی پر خوب چیخی چلائیں۔ اسے برا بھلا کہا۔ پھر انکل نے سوچا' یوں خاموش ہو جانے اور خفگی کا اظہار کرنے سے تو بات نہیں بنے گی۔ وہ ناسمجھ تھی۔ یہ لوگ تو ناسمجھ نہیں تھے۔ انہوں نے پیار' محبت سے اسے سمجھانے اور قائل کرنے کا سوچا۔ ظاہری بات ہے وہ اس رشتے کے لیے کسی طرح بھی راضی نہیں ہو سکتے

تھے۔

وہ کسی بھی صورت کسی غیر ملکی اور غیر مذہب کے شخص کے ہاتھ میں اپنی بیٹی کا ہاتھ کس طرح دے سکتے تھے انہوں نے بہت پیار سے مدبرانہ انداز میں اسے سمجھایا۔ اگرچہ کہ انہیں ضوفی کے اس اقدام پر شدید دکھ ہوا تھا' لیکن انہوں نے بڑے دل کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیٹی کی اس حرکت کو ایک بچکانہ غلطی سمجھ کر نظر انداز کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ضوفی اپنی اس محبت کو غلطی ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھی۔ وہ انکل کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ انہیں اس رشتے کے حق میں قائل کرنے کی کوشش کرنے کے لیے۔ سب باتیں ایک طرف وہ اس بات پر شاکڈ تھے کہ ان کی لاڈلی بیٹی ان کے ساتھ بحث کر رہی ہے۔ ان کے کسی فیصلے سے اختلاف کر رہی ہے۔ ان سے متنفر نظر آ رہی ہے۔ اس کا لہجہ ایسا ہے جیسے وہ باپ کو اپنی خوشیوں کے راستے میں رکاوٹ سمجھ رہی ہے۔

"آپ نہیں چاہیں گے تو میں ضد نہیں کروں گی۔ خاموش ہو جاؤں گی۔ دوبارہ کبھی اس کا نام بھی اپنی زبان پر نہیں لاؤں گی۔ لیکن پھر آپ بھی مجھ سے ایک وعدہ کریں۔ یہ وعدہ کہ زندگی بھر کبھی میری شادی کا نام نہیں لیں گے۔ اگر وہ نہیں تو پھر کوئی بھی نہیں۔ شجاع بھی نہیں۔ میں منافقانہ زندگی نہیں گزار سکتی۔ اسے میں اپنے دل سے نہیں نکال سکتی اور نہ ہی ایسا کر سکتی ہوں کہ دل میں اسے سوچتے زندگی شجاع کے ساتھ گزاروں۔ وہ اس کے منہ سے یہ تمام باتیں سن کر گم صم سے ہو گئے تھے۔

وہ سمجھنے سمجھانے کی حدوں سے بہت آگے جا چکی تھی۔ کبھی ان کی کسی بات سے اختلاف نہ کرنے والی' ان کی ہر بات ماننے والی بیٹی زندگی کے اس مقام پر اتنی ضدی اور ہٹ دھرم ثابت ہوئی تھی کہ وہ اسے قائل کرنے میں مکمل طور پر ناکام ہو گئے تھے۔ پھر انہوں نے ایک بات سوچی۔ انہیں لگا یہ آخری طریقہ ہے اسے اس ضد سے باز رکھنے کا۔ وہ آخری اور انتہائی بات جس کے بعد کوئی بات نہیں بچتی۔ انہیں شاید اس وقت ایسا لگا ہو گا کہ اس بات پر وہ ساری ضد اور اپنا پاگل پن بھول کر ان کے گلے لگ جائے گی اور کہے گی۔

"پاپا! آپ کے بغیر میں کس طرح رہ سکتی ہوں۔ بھلا وہ البرٹ مجھے آپ سے زیادہ عزیز تو نہیں۔" مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔

ان کے یہ کہنے پر کہ "ٹھیک ہے' میں تمہاری اس کے ساتھ شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن پھر تم زندگی بھر ہم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں رکھو گی۔" اس نے بہت سکون سے ان کی بات سنی تھی اور اس بات کے لیے راضی بھی ہو گئی تھی۔

فیصلہ کرنے کی گھڑی میں ایک بیٹی نے باپ کی محبت پر اس شخص کی محبت کو ترجیح دی تھی' جسے اس کی زندگی میں آئے ابھی کچھ ہی عرصہ ہوا تھا۔ وہ برسوں کی محبت' رفاقت' وہ انمول چاہت سب لمحوں میں ختم ہو گئی تھی۔ بیٹی نے باپ کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ وہ دونوں محبتیں جب ترازو میں رکھی گئیں تو باپ کی اتنے سالوں کی والہانہ چاہت اس انجان آدمی کی چاہت کے آگے وزن میں ہلکی پڑ گئی تھی۔

وہ اس لمحہ ٹوٹ گئے تھے فری! انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کی عزیز از جان بیٹی ان کے علاوہ کسی اور کا انتخاب بھی کر سکتی ہے۔ بس پھر انہوں نے اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ ایسے جیسے اب کہنے کو کچھ بچا ہی نہ ہو۔ وہ بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ آنٹی بہت روئی تھیں اس بات پر' لیکن انہوں نے انہیں بھی چپ کروا دیا تھا۔ منگنی ٹوٹنے پر شجاع بھائی اور ان کے والد تو اتنے ناراض نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے اس ساری صورت حال کو بڑے حوصلے سے قبول کر لیا تھا۔ مگر ان کی امی نے اسے اپنی بے عزتی اور ذلت سمجھتے ہوئے ضوفی اور آنٹی انکل کو بہت برا بھلا کہا تھا۔ اور پھر اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے ضوفی کی شادی سے پہلے ہی شجاع بھائی کی شادی کر ڈالی تھی۔ خاندان کے لوگوں کا اس بات پر جو رد عمل ہو سکتا تھا وہی ہوا تھا۔ فاروق احمد کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی ایک کرسچین سے شادی

کرنے جارہی تھی۔ اپنی برسوں پرانی عقلی توڑ کر اور والدین کا سر جھکا کر۔

ایک ایسے شخص کو کوئی مسلمان مانے کے لیے تیار ہی نہیں تھا جو صرف ضوفشاں فاروق سے شادی کرنے کے لیے مسلمان ہوا تھا۔ تمہاری بلا اپنے باپ کے گھر سے ہی رخصت ہوئی تھیں فری۔ تمہارے نانا ابا نے خود اس کی شادی کروائی تھی۔ خاندان کے بہت قریبی لوگوں کو مدعو کر کے ایک مختصر سا فنکشن کیا تھا انہوں نے۔ جس میں ضوفشاں فاروق کا نکاح اور رخصتی ہوئی تھی۔ اگر جو اس کی باقاعدہ دھوم دھام سے شادی ہوتی تو وہ اکلوتی بیٹی کو خوب عالیشان جہیز دیتے۔ ان کے پاس جو کچھ تھا وہ بیٹی ہی کے لیے تھا۔ مگر اب انہوں نے وہ سب چیک کی صورت میں بڑی خاموشی سے اسے دے دیا تھا۔

"تم ہمارے لیے مرگئی ہو ضوفشاں' اب کبھی پلٹ کر یہاں ہرگز مت آنا۔ آج سے اس گھر کے دروازے تم پر ہمیشہ کے لیے بند ہیں' تم اپنی زندگی میں خوش رہو یا ناخوش رہو' ہمارا اب تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ بھول جانا کہ تمہارے کوئی ماں باپ تھے۔ سمجھ لینا ہم مرچکے ہیں۔" رخصت کرتے ہوئے انہوں نے یہ آخری بات اس سے کہی تھی۔ اور یہ واقعی ان دونوں کی آپس میں آخری بات تھی۔

وہ رخصت ہو کر البرٹ جو اب مسلمان ہونے کے بعد عبدالرحمٰن تھا کے ساتھ اسپین چلی گئی تھی۔ خط و کتابت کے ذریعے ہم دونوں ایک دوسرے کے حالات سے واقف رہتے تھے۔ شادی کے چند ماہ بعد وہ دونوں لندن آئے تھے میرے پاس۔ وہ دونوں بہت خوش تھے۔ تمہارے بابا واقعی بہت اچھے تھے۔ ضوفی نے ان کی جو جو تعریفیں کی تھیں وہ سب سچ تھیں۔ ان کی پچھلی زندگی چاہے جیسی بھی رہی ہو' لیکن ضوفشاں کے ساتھ وہ انتہائی حدوں تک مخلص تھے۔

وہ اس کا اس طرح خیال رکھتے جیسے وہ کوئی کانچ کی گڑیا ہے۔ اس کی ذرا سی خاموشی یا اداسی بھی انہیں برداشت نہیں تھی۔

ضوفی اس محبت پر نازاں تھی۔ اس کی جس محبت کو سب پاگل پن اور جذباتی و احمقانہ فیصلہ قرار دے رہے تھے' وہ محبت تو اس کی سوچ کے عین مطابق بہت سچی اور خالص تھی۔ تمہارے بابا بہت کامل مسلمان تو نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے تو صرف ضوفشاں سے شادی کے لیے مسلمان ہونا قبول کیا تھا' لیکن شادی کے بعد ضوفشاں ہی کی خاطر بہت سے ایسے کام کرنے انہوں نے ترک کردیے تھے جو بحیثیت مسلمان انہیں نہیں کرنے چاہیے تھے۔ ان کے گھر میں شراب کا نام لیا جانا بھی ممنوع تھا۔ وہ بہت خوش تھی عبدالرحمٰن کے اپنی خاطر تبدیل ہوجانے پر' اس بات پر کہ اس کی محبت اتنی زور آور ہے کہ وہ شخص اس کے لیے کچھ بھی ترک کرسکتا ہے۔ اس خوشی کا اظہار وہ اپنے خطوں اور فون کالز میں کیا کرتی تھی۔ لیکن پھر بھی پتا نہیں کیوں مجھے وہ خوش نہیں لگتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ خوشی کا صرف اظہار کرتی ہے' لیکن درحقیقت وہ خوش ہے نہیں۔ کئی بار میں نے مختلف طریقوں سے اس سے کرید کرید کر جاننا چاہا کہ کہیں اس کی زندگی میں کوئی ٹینشن تو نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ عبدالرحمٰن کا رویہ اس کے ساتھ بدلنے لگا ہے۔ مگر ایسی کوئی بات میرے علم میں نہیں آسکی جو اسے ناخوش کرنے کا باعث بن رہی تھی۔

آہستہ آہستہ خط و کتابت میں کمی ہوتی گئی۔ میرے چار پانچ خطوں کے جواب میں کئی ماہ گزرنے کے بعد اس کا مختصر سا خط آتا۔ وہ بھی اس طرح لگتا جیسے کوئی رسم نبھائی گئی ہو۔ تب تم پیدا ہوچکی تھیں۔ میری اپنی شادی شدہ زندگی تھی۔ اس کے لیے میں بہت سی تشویش رکھنے کے باوجود میں اس بارے میں کچھ کر نہیں سکتی تھی۔

پھر اتفاق ایسا ہوا کہ مجھے اسپین جانے کا موقع ملا' تم اس وقت دو سال کی تھیں۔ تمہاری دادی کا بھی انتقال ہوچکا تھا۔ وہ دونوں مجھ سے بہت پرتپاک انداز میں ملے تھے۔ بظاہر ان کی زندگی بہت خوشگوار نظر آرہی تھی۔ بہترین گھر تمام تر آسائشوں کے ساتھ' من پسند ساتھی

اور پیاری سی بیٹی۔ ان کی زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی وہ ضوفی کہیں کھو گئی تھی جسے میں بچپن سے جانتی تھی۔ جو بہت زندہ دل اور شرارتی تھی۔

وہ مکمل طور پر ہاؤس وائف تھی۔ تمہارے پاپا کے بہت کہنے پر بھی اس نے اپنا کیریئر بنانے یا کوئی کام کرنے کے بارے میں سوچنے سے انکار کر دیا تھا۔ گھر کی دیکھ بھال کرنا شوہر اور بیٹی کا خیال رکھنا اس کی زندگی کا محور بس یہی تھا وہ اب بھی قہقہے لگا کر ہنستی تھی لیکن اب جب وہ ہنستی تو اس کی آنکھوں میں قندیلیں روشن نہیں ہوتی تھیں۔ وہ اب بھی بے تکان بولتی اور مسکراتی تھی لیکن اب ان میں مصنوعی پن اور بناوٹ نظر آتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ خود کو خوش پوز کرتی ہے۔ وہ سب سے جھوٹ بولنے لگی تھی۔ شاید اپنے آپ سے بھی۔

"تمہاری کبھی ممی پاپا سے بات ہوئی ارجمند؟" ایک رات اس نے مجھ سے پوچھا تھا۔ میں نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"جس کی وجہ سے میرا اس گھر سے تعلق تھا جب وہ ہی وہاں نہیں رہی تھی تو پھر میں اس گھر کے مکینوں سے رابطہ رکھ کر کیا کرتی۔ اگر انکل کے لیے ضوفشاں مر چکی تھی تو اس کی دوست سے ملنا اور بات کرنا بھی وہ یقیناً" پسند نہیں کرتے۔" میرے جواب نے اسے مایوس کر دیا تھا۔

"تم انکل سے معافی مانگ لو ضوفی! وہ تمہیں ضرور معاف کر دیں گے۔" مجھ سے اس کی مایوسی دیکھی نہیں گئی تھی۔

"میں نے ایک بار فون کیا تھا ارجمند! پاپا نے میری آواز سنتے ہی ریسیور رکھ دیا تھا۔ وہ اب مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے، میں اپنے پاپا کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ حالانکہ تب میں نے ان کی کمی کتنی شدت سے محسوس کی تھی۔ فری پیدا ہونے والی تھی ان دنوں، اس وقت میں نے ممی اور پاپا کو ہمیشہ سے زیادہ مس کیا تھا۔ اور اسی لیے انہیں فون بھی کر لیا تھا۔

فری کے پیدا ہونے سے پہلے کا تمام عرصہ میں نے انہیں شدت سے یاد کرتے ہوئے گزارا۔ وہ وقت کتنا سخت ہوتا ہے نا ارجمند! کہتے ہیں اس وقت جو دعا مانگی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے میں نے اس لمحہ بڑی شدت سے اللہ سے یہی دعا مانگی تھی کہ خدایا میرے پاپا مجھے معاف کر دیں۔ میری اولاد کو میرے لیے نجات کا ذریعہ بنا دے۔ اسی کے وسیلے سے مجھے میرے پاپا کی معافی مل جائے۔"

وہ میرے کندھے پر سر رکھ کر بلک بلک کر روئی تھی فری! اس کی آواز میں دکھوں اور ملال کی ایک عجیب کیفیت تھی۔ ایسے جیسے وہ اپنی کیفیت کسی کو بھی سمجھا ہی نہیں پا رہی ہو۔ پتا نہیں اس کے دل میں کیا کیا تھا۔ وہ کیا کیا سوچا کرتی تھی۔

"ایک محبت کے پیچھے میں نے کتنی بہت سی محبتیں گنوا دی ہیں ارجمند۔ کتنے گھاٹے کا سودا کیا ہے میں نے۔ یہ ایک محبت تو مجھے مل گئی ہے لیکن وہ تمام محبتیں، ان کے بغیر میں کیسے جیوں، میں اپنے پچھتاووں کا کسی کے سامنے اظہار تک نہیں کر سکتی۔ جو کچھ میں نے چاہا تھا وہ پا لیا ہے۔ عبدالرحمن میرا محبوب میرا شوہر۔ بہت خوش ہوں میں، اس کے ساتھ، وہ ویسا ہی ہے جیسا میں نے سمجھا تھا۔ میرے ساتھ مخلص ہے میرا خیال رکھتا ہے۔ اگر جو اسے پتا چل جائے کہ اس سب کے باوجود بھی ناخوش ہوں تو وہ مجھ سے متنفر ہو جائے گا۔ یہی کہے گا کہ میں ایک ناشکری عورت ہوں۔ اتنی پرسکون اور آسائشوں بھری زندگی کے باوجود ناخوش ہوں۔ میں کہتی تھی کہ کبھی منافقانہ زندگی نہیں گزاروں گی۔ لیکن منافقانہ زندگی تو میں اب بھی گزار رہی ہوں۔ شروع دن سے گزار رہی ہوں۔ اس دن سے جب رخصت کرتے ہوئے پاپا نے کہا تھا۔ تم ہمارے لیے مر گئی ہو ضوفشاں، کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں واقعی مر چکی ہوں۔ میرا دل مر چکا ہے۔ اب خوش ہونے کی بات پر بھی مجھ سے خوش نہیں ہوا جاتا۔ ممی پاپا کے بغیر زندگی کا ہر رنگ پھیکا ہے ارجمند! میں ہر رات اپنے گھر کو اور ممی پاپا کو یاد

کرتے ہوئے سوتی ہوں۔ صبح آنکھ کھلتی ہے تو مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں اپنے اسی گھر میں ہوں۔ پاپا واک کرکے واپس آنے والے ہوں گے۔ آنکھ کھلنے پر میں خود کو اسی جگہ میں پاتی ہوں جہاں کل رات تھی۔ وہ گھر دوبارہ سے دیکھنا شاید اب میرے نصیب میں ہی نہیں۔ وہ چوکھٹ میں نے اپنی خوشی سے پار کی تھی۔ سب کچھ اپنی خوشی سے چھوڑا تھا۔ یہ دیکھے بغیر کہ پیچھے اس گھر کا وہ دروازہ مجھ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔"

وہ اس رات مجھ سے لپٹ کر بہت روئی تھی۔ اس کا کرب مجھ سے دیکھا نہیں گیا تھا۔

واپس جاتے ہی میں نے کراچی آنٹی انکل کو فون کیا تھا۔ پہلے انکل سے بات کرنے کی کوشش کی، مگر انہوں نے مجھ سے بات کرنے سے انکار کر دیا تو پھر میں نے آنٹی سے ہی ضوفی کی تمام باتیں کیں۔ وہ میری باتیں سنتے ہوئے سارا وقت روتی رہی تھیں۔

"میں انہیں بہت سمجھا چکی ہوں ارحمند! وہ اس موضوع پر میری کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں۔"

ضوفی کے فون آنے پر جب انہوں نے اس سے بات نہیں کی تو میں ان سے لڑ پڑی تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ نہیں ملنا چاہتے نہ ملیں، میں اپنی بیٹی کو نہیں چھوڑ سکتی۔ میں اس سے ضرور ملوں گی۔ تو انہوں نے جواب میں بہت سرد لہجے میں مجھ سے کہا تھا کہ۔

"تم ضوفشاں سے ملنا چاہتی ہو تو مجھے انہیں چھوڑ دینا ہوگا۔ یا شوہر یا بیٹی۔ دونوں میں سے ایک۔ پھر اس بات کے بعد میں آگے کیا کہتی۔ میرے کہنے کو کچھ رہا ہی نہیں تھا۔ کاش ضوفی نے اپنے پاپا سے یوں ضد نہ کی ہوتی، وہ تو ایسا لگتا ہے پتھر کے ہو گئے ہیں۔ خود کو ایک خول میں بند کر لیا ہے۔ نہ ہنستے ہیں نہ بولتے ہیں۔ وہ بالکل بدل گئے ہیں ارحمند! اتنے سخت اور بے لچک مجھے ایسا لگتا ہے میں ساری زندگی بھی اب اس پتھر سے سر ٹکراتی رہوں تو بھی اسے دوبارہ موم نہیں کر پاؤں گی۔"

آنٹی کا رونا مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ ان کی تڑپ اور ان کا دکھ میں سہہ نہیں پا رہی تھی۔ باپ اور بیٹی کے اس جھگڑے میں وہ تو بالکل بے قصور تھیں۔"

وہ ان کو سننے میں اتنی محو تھی کہ خود اپنی آنکھوں سے گرتے آنسوؤں سے انجان تھی۔

"اس واقعہ کے بعد میرا بھی ضوفی سے برائے نام ہی تعلق رہ گیا تھا۔ وہ میرے خطوط کے جواب نہیں دیتی تھی، یوں لگتا تھا وہ اب کسی سے بھی ملنا ہی نہیں چاہتی۔ انکل کی ناراضی نے اسے مایوس کر دیا تھا۔"

ارحمند آنٹی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ ایک ٹک انہیں دیکھے جا رہی تھی۔ انہوں نے کچھ تھکے تھکے سے انداز میں اس کا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف بیٹھ گئیں۔

"تمہاری ماما اپنی شادی شدہ زندگی سے بہت خوش تھیں فری! لیکن اسے دکھ اس بات کا تھا کہ یہ خوشیاں اس نے اپنے بہت پیارے پاپا کو ناراض کر کے حاصل کی ہیں۔ وقت نے اسے مہلت نہیں دی ورنہ ایک نہ ایک دن انکل انہیں معاف کر ہی دیتے۔ والدین اولاد سے کب تک ناراض رہ سکتے ہیں۔ لیکن افسوس وہ عمر اتنی کم لکھوا کر لائی تھی کہ ماں باپ سے اپنے قصور کی معافی نہ مانگ سکی۔ وہ ان کا دل توڑ کر خود بھی ٹوٹ گئی تھی۔ کاش اسے اتنی زندگی مل جاتی کہ وہ اپنے بہت پیارے اور جان سے عزیز پاپا کو منا لیتی۔ اور جو تم یہ سمجھتی ہو نا فری کہ وہ تم سے نفرت کرتے ہیں تو ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اگر تم سے نفرت کرتے تو اپنے ساتھ کراچی لے کر نہ آتے۔ بس شاید ان کا مان ٹوٹ گیا ہے۔ تم ان کے ساتھ اچھی طرح رہو گی۔ ان کا کہنا مانو گی تو وہ رفتہ رفتہ تمہارے ساتھ اپنا رویہ بدل لیں گے۔ تم ان کی بیٹی کی اولاد ہو۔ اور اولاد کی اولاد سے تو اتنی شدید محبت ہو جاتی ہے جتنی خود اولاد سے نہیں ہوتی۔"

وہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھ میں تھامے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بہت پیار سے سمجھانے لگیں۔

♥ ♥

But Once More Alouad'
And Shouted
My Father! Must I Stay?
While O'ER Him
Wreathing Fires Made Way
The
Fast' Through Sail And Shroua'

"ماما! Casabianca جہاز پر سے بھاگا کیوں نہیں تھا؟" وہ بے ساختہ ماما کو ٹوک گئی تھی۔ نظم سناتی ہوئی ماما اس کے سوال پر بے ساختہ مسکرائیں پھر خاموش ہو گئیں۔

"وہ جان بچانے کے لیے بھاگ کیوں نہیں رہا۔ وہ اسی جگہ پر کیوں کھڑا ہوا ہے آخر۔" وہ جھنجھلا گئی تھی اس لڑکے کی بے وقوفی پر، ماما اس کے معصومانہ سوالوں اور سادگی پر ہنس رہی تھیں۔ پتا نہیں کیوں اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے ان کی اس ہنسی کے پیچھے بہت سے آنسو چھپے ہوئے ہیں۔

"وہ وہاں سے کیوں جاتا فری! اس کے پاپا جو اسے وہاں کھڑا کر کے گئے تھے۔ ان کے حکم کے بغیر وہ وہاں سے کیسے ہٹ جاتا۔" ماما اس پل روئی ہوئی کیوں لگ رہی تھیں۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی وہ ان کے بازو پر سر رکھے لیٹی تھی۔

"وہ کیا اپنے پاپا سے بہت محبت کرتا تھا؟" اس نے معصومانہ انداز میں پوچھا تھا۔

"ہاں وہ اپنے پاپا سے بہت محبت کرتا تھا تب ہی تو ان کے حکم کے بغیر وہاں سے ہلا تک نہیں۔ اپنی جگہ سے ایک انچ نہ ہٹا۔ اس نے اپنی جان کی بھی پروا نہ کی۔ وہ خود غرض نہیں تھا نا۔" وہ اتنی آہستہ آواز میں بولی تھیں کہ وہ بہ دقت انہیں سن رہی تھی۔ اس نے دیکھا اس کے پاس لیٹے لیٹے ماما نے بڑی خاموشی سے اس سے چھپا کر اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

"آپ رو رہی ہیں ماما؟ کیا Casabianca کے مرنے پر؟" اس نے اداسی سے پوچھا تھا۔ خود اسے اس کے مرنے پر بہت افسوس ہو رہا تھا۔

"نہیں میں رو نہیں رہی۔ مجھے تو اس کا مرنا اچھا لگا فری۔ اگر وہ جان بچانے کے لیے بھاگ جاتا تو اس میں اور دوسرے لوگوں میں کیا فرق رہ جاتا۔ پھر اس پر نظمیں تو نہ کہی جاتیں۔ پھر کہیں اس کا ذکر نہ ہوتا۔ اس نے تو محبت، قربانی، وفاداری اور فرمانبرداری کی ایک روشن مثال قائم کی۔ ایسے لوگ تو بہت اچھے ہوتے ہیں فری۔ محبت کیے جانے اور ہمیشہ یاد رکھے جانے کے قابل۔"

چھ سال کی عمر میں ماما نے اسے جو بات سمجھانی چاہی تھی وہ آج اس کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ اس رات اس کے برابر میں لیٹی ماما رو کیوں رہی تھیں۔ وہ آج ان کے رونے کی وجہ سے واقف ہوئی تھی۔

"ریڈ رائیڈنگ ہڈ کی ماما نے کیک باسکٹ میں رکھا اور اس سے کہا یہ نانی اماں کے گھر دے آؤ۔" وہ خوشی خوشی باسکٹ لے کر گھر سے نکلنے لگی تو ماما نے اسے سمجھایا کہ نانی اماں کے گھر جانے کے دو راستے ہیں۔ ایک لمبا اور ایک چھوٹا، لمبے راستے سے جانے میں تھکن تو ہوگی لیکن وہ ہے بہت اچھا اور محفوظ۔ وہاں کوئی خطرہ نہیں۔ جبکہ چھوٹے راستے سے جلدی تو پہنچ جائیں گے لیکن وہ بڑا سنسان اور خطرناک ہے۔ وہاں بھیڑیا بھی رہتا ہے۔ اس نے ماما کے سامنے تو سر ہلا کر یہی کہا کہ لمبے راستے سے جائے گی۔ لیکن باہر نکل کر اس کا ارادہ بدل گیا۔ اس نے سوچا ماما تو یونہی کہہ رہی ہیں۔ خوامخواہ لمبے راستے سے جا کر میں تھک جاؤں گی۔ مجھے چھوٹے والے راستے سے ہی جانا چاہیے۔ کتنی بری حرکت کی نا اس نے فری! اس کی ماما کو کتنا دکھ ہوا ہوگا اس بات سے۔ ماما پاپا کی بات تو ہمیشہ ماننی چاہیے وہ اگر کچھ سمجھاتے ہیں تو ہمارے ہی فائدے کے لیے۔ انہیں اس بات سے ڈر لگتا ہے کہیں ان کے بچوں کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ وہ ہم سے اتنی محبت کرتے ہیں جتنی ہم خود اپنے آپ سے نہیں کرتے۔"

وہ ہر کہانی عجیب انداز میں سنایا کرتی تھیں۔ یہی کہانیاں جب خدیجہ آنٹی سناتیں تو سنانے کا انداز

بالکل مختلف ہوا کرتا تھا۔ اسے ماما کی کہانیاں اچھی نہیں لگتی تھیں۔

"پتا نہیں ماما کہانی اتنے بور طریقے سے کیوں سناتی ہیں۔ بھئی یہ بتائیں کہ آگے کیا ہوا؟ اسے راستے میں بھیڑیا ملا کہ نہیں؟" اس کی دلچسپی تو کہانی کے اگلے موڑ پر ہوتی تھی اور ماما کا انداز اتنا بورنگ اور فضول سا تھا۔

مگر یہ سوچ تب کی تھی جب فریا عبدالرحمٰن بہت چھوٹی تھی۔ آج اسے نہ ان کی کوئی کہانی بور لگ رہی تھی اور نہ فضول۔ ارجمند آنٹی اسے گھر چھوڑ گئی تھیں۔ نانی امی نے اسے ڈسٹرب نہیں کیا تھا۔ وہ اکیلی کمرے میں لیٹی گزرے وقتوں کی بہت سی باتیں یاد کیے جا رہی تھی۔ ماما پاپا کے ساتھ گزارے دس سال' وہ بہت سی باتیں جو اسے یاد تو تھیں لیکن اس نے کبھی انہیں اس انداز میں اتنی گہرائی سے نہیں سوچا تھا۔

اس کے ماما پاپا میں بہت محبت تھی' وہ دونوں ایک دوسرے کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ معمولی اختلافات کے علاوہ اس نے کبھی ان کے درمیان کوئی بڑا لڑائی جھگڑا ہوتا نہیں دیکھا۔ بہت سنجیدہ اور کم گو سی اس کی ماما جو اس سے اور پاپا سے بہت پیار کرتی تھیں۔ ان دونوں کی ہر چیز کا دھیان رکھتی تھیں۔ ان دونوں کی پسند کے کھانے پکاتی تھیں۔ ان کے کپڑوں اور دیگر تمام ضروریات کا خیال رکھتی تھیں۔ اسے کبھی اندازہ ہی نہیں ہوا کہ بظاہر پرسکون اور مطمئن سی اس کی ماما اپنے دل میں کتنے غم چھپائے بیٹھی ہیں۔ کتنی باتیں تھیں ماضی کی۔ کتنے واقعات تھے۔ جو اس وقت اس کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ ماما کو اکثر اس نے ایک تصویر کو سینے سے لگا کر روتے دیکھا تھا۔ ایسا وہ اس وقت کرتیں جب پاپا اور خود وہ گھر پر نہ ہوتی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ وہ دوستوں کے ساتھ کھیل کر گھر جلدی واپس آگئی۔ بھاگتی ہوئی ماما کے کمرے میں گئی تو وہ کسی کی تصویر سے باتیں کرتے ہوئے روتی نظر آئیں۔

وہ انہیں روتا دیکھ کر الجھ کر آگے بڑھتی تو وہ جلدی سے کچھ گھبرائے ہوئے انداز میں آنسو صاف کر لیتیں۔ اور فوراً" ہی وہ تصویر دراز میں رکھ کر اس سے جلدی واپس آجانے کے بارے میں پوچھنے لگتیں۔

"آپ کس کی تصویریں دیکھ رہی تھیں؟" اسے تجسس ہوتا۔

"کسی کی بھی نہیں۔" وہ بات بدلنے کی کوشش کرتیں۔

وہ ماما سے دل ہی دل میں ناراض ہو جاتی اور پکا ارادہ کرتی کہ آج ضرور پاپا کو یہ بات بتائے گی۔ لیکن ماما کچھ ہی دیر بعد اسے کسی نہ کسی کھیل یا تفریح میں اس طرح الجھا دیتیں کہ وہ اس بات کو بھول ہی جاتی۔

ان کے گھر میں کتنی ساری تصویریں تھیں اس کے دادی دادا کی۔ پاپا کے بچپن کی اور دادی کی تو اس کی ماما کے ساتھ بھی بہت سی تصویریں تھیں۔ گو اس کے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ جس ملک کی وہ باسی تھی۔ وہاں سگے ماں باپ کوئی اہمیت نہیں رکھتے تو نانا نانی اور دادا دادی کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ لیکن پھر بھی اس روز وہ ماما سے پوچھ بیٹھی تھی۔ ان کے ماں باپ کے بارے میں' ماما کے چہرے پر ایک تاریک سایہ گزر گیا تھا اس کی بات سن کر' پاپا نے ایک نظر ماما پر ڈال کر اسے بڑی رسانیت سے جواب دیا تھا۔

"فریا! تمہاری ماما کے ممی پاپا پاکستان میں رہتے ہیں۔" وہ ان کے جواب پر مزید حیران ہوئی تھی۔

"وہ ہم سے کبھی ملنے کیوں نہیں آتے۔ کیا پاکستان بہت دور ہے؟"

"ہاں پاکستان بہت دور ہے' وہ اتنی دور آ نہیں سکتے۔ کبھی چھٹیوں میں موقع ملا تو ہم لوگ چلیں گے ان سے ملنے۔" پاپا نے اس کے سوال کا بڑی سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

ماما ایک دم وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔ "اوون میں چکن رکھ کر آئی تھی میں۔ باتوں میں یاد ہی نہیں رہا۔" وہ ان دونوں سے کہتی کچن کی طرف بھاگی تھیں۔

پاپا نے ایک نظر انہیں جاتے ہوئے دیکھا اور پھر دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ جو اس وقت ان کے اسکول کے دنوں کی تصویریں دیکھنے میں مگن تھی۔

چھٹی کا دن تھا اور فراغت سے بیٹھے پاپا کے پاس وہ ان کے بچپن کی تصویریں لے آئی تھی۔ پاپا اسے پاس بٹھا کر مختلف تصاویر سے وابستہ بہت سی بچپن کی یادیں سنانے لگے تھے۔ ان کی باتوں اور تصویروں کو انجوائے کرتے کرتے ہی وہ دل میں آئی ایک بات بے دھڑک ماما سے پوچھ بیٹھی تھی۔ آخر ماما کا بھی تو کوئی بچپن ہو گا۔ ان کے ماں باپ' ان کے بچپن کے دوست اسکول کالج اور پھر یونیورسٹی کی یادیں۔ تو پھر ان سے وابستہ کوئی چیز نظر کیوں نہیں آتی۔ ماما کا پاکستان آخر کتنا دور ہے۔ جو نہ وہ لوگ کبھی وہاں گئے نہ وہاں سے کوئی یہاں آیا۔

"تو ماما آپ اپنے پاپا کو ناراض کر کے خود اپنے آپ سے ہی ناراض ہو گئی تھیں۔ نانا ابا آپ سے کیا خفا ہوئے' آپ خود سے ہی خفا ہو گئیں۔" وہ خاموش لیٹی ماما کا تجزیہ کر رہی تھی۔

"آپ کی زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں تھیں لیکن آپ پھر بھی خوش نہیں تھیں۔" اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ اور یہ آنسو اپنی ماما کے لیے تھے' پاپا کے لیے' نانی امی کے لیے تھے۔ نانا ابا کے لیے تھے اور شاید خود اپنے لیے بھی تھے۔

"فری بیٹا! یہ تمہارے نانا ہیں؟" اس کی آنکھوں کے سامنے ماضی کا ایک اور لمحہ گھوما تھا۔

خدیجہ آنٹی اس کے بیڈ کے پاس کھڑی ہوئی ایک بہت ہی رعب دار سی شخصیت کے مالک آدمی کا تعارف کروا رہی تھیں۔ وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھی۔ ماما پاپا کی لاشیں دیکھ کر اس پر دہشت اور خوف طاری ہو گیا تھا۔

وہ سوتے میں چیخ مار کر اٹھ بیٹھتی تھی۔ ماما پاپا کو زور زور سے آوازیں دے کر واپس بلانے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ شاید وہ ان کے انتقال کا آٹھواں دن تھا جب ہاسپٹل میں خدیجہ آنٹی کے ساتھ اس نے انہیں پہلی بار دیکھا تھا۔

وہ پاکستان جو بہت دور تھا وہاں سے اس کے نانا آ ہی گئے تھے۔ مگر کب جب ماما ہی نہیں رہی تھیں۔ وہ ان سے نہ لپٹی تھی نہ ماما پاپا کو یاد کر کے ان کے سامنے آنسو بہائے تھے بلکہ اجنبی نگاہوں سے انہیں دیکھے جا رہی تھی۔ خود انہوں نے بڑے بے تاثر سے انداز میں اس کے پاس آ کر سر پر ہاتھ پھیرا تھا اور پھر اس سے مزید کوئی بات کیے بغیر خدیجہ آنٹی سے اسے اپنے ساتھ لے جانے کے بارے میں بات کرنے لگے تھے۔

"ہاں ضوفشاں نے آخری بات مجھ سے فری ہی کے بارے میں کی تھی۔ وہ اس وقت آخری سانسیں لے رہی تھی جب میں ہاسپٹل پہنچی۔ اس نے یہی کہا تھا کہ فری کو اس کے پاپا کے پاس کراچی بھیج دیا جائے۔ باقی یہاں کے گھر اور فری کے پاپا کے چھوڑے ہوئے تمام بینک بیلنس وغیرہ کا آپ دیکھ لیں۔ کیا کرنا ہے۔ یقیناً" ہے وہ سب فری کی ملکیت ہے۔"

وہ غائب دماغی کے عالم میں بیٹھی۔ خدیجہ آنٹی نے اس کے جانے کی ساری تیاری کروائی تھی۔ جب اسے یہ پتا چلا کہ وہ اپنے گھر سے کہیں انجان جگہ لے جائی جا رہی ہے تو وہ چیخ چیخ کر روئی تھی۔ خدیجہ آنٹی نے بڑی دقتوں سے اسے سمجھایا۔ اور سنبھالا تھا۔

نانا ابا ان کے گھر نہیں رکے تھے۔ وہ شاید کہیں ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک بار بھی بیٹی کے گھر کے اندر قدم نہیں رکھا تھا۔ ائرپورٹ پر وہ خدیجہ آنٹی کے گلے لگ کر خوب مچل مچل کر روئی تھی۔ وہ خاموشی سے کھڑے اسے روتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اسے چپ کرانے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ سفر میں بھی ان کا یہی انداز رہا تھا۔ وہ بالکل خاموش تھے۔ ان کی سرخ آنکھوں میں سرد مہری اور اجنبیت واضح نظر آ رہی تھی۔ تب پہلی مرتبہ اسے ان سے خوف آیا تھا۔

وہ اس سے کوئی بات نہیں کر رہے تھے لیکن سارا راستہ اس کا خیال بھی رکھتے رہے تھے۔ اس نے کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا تو انہوں نے اس کے لیے ایپل جوس منگوایا' اس کی سیٹ کو پیچھے کی طرف کر کے اس کی کمر کے پیچھے دو تین تکیے لگا دیے اور اسے کمبل اوڑھا دیا تاکہ وہ پرسکون ہو کر سو جائے اور ان کے ایسا

کرنے پر وہ سو بھی گئی تھی۔
پھر اس کی آنکھ اس وقت کھلی تھی جب جہاز بہت زور زور سے اوپر نیچے ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ڈر رہی تھی۔ ابھی چند دن پہلے اس نے موت کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

اسے ایسا لگ رہا تھا کہ ان کا پلین کریش ہونے والا ہے۔ وہ بظاہر اس سے لاتعلق سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے کہیں کھوئے ہوئے تھے۔ لیکن اس کے خوفزدہ ہونے کو انہوں نے فوراً" محسوس کر لیا۔
"ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ کبھی کبھی موسم کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے۔" انہوں نے اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ کر اسی اجنبی سے انداز میں تسلی دی۔ وہی خشک اور روڈ سا لہجہ۔ اسے تسلی دے کر انہوں نے اپنا ہاتھ واپس ہٹانا چاہا تو اس نے انہیں ہاتھ ہٹانے نہیں دیا تھا۔ بلکہ اپنے دونوں ہاتھوں میں ان کے ہاتھ کو جکڑ لیا تھا۔ دل بہت تیز تیز دھڑک رہا تھا اس لمحے۔
وہ چپ چاپ اسے دیکھتے رہے۔ تب اسے ان کا ہر انداز عجیب لگا تھا۔ یہاں آکر ابتدائی چند دنوں میں ہی اس کے دل میں یہ بات راسخ ہو گئی تھی کہ نانا ابا اس سے نفرت کرتے ہیں اور آج اس نے کتنی مختلف باتیں سنی تھیں۔ ایک باپ بیٹی کے مرنے کی اطلاع پا کر نواسی کو لینے دوسرے ملک گیا تھا۔ اس بیٹی کی بیٹی کو جس نے اس کا مان توڑا تھا' جس نے باپ کو بہت مایوس کیا تھا۔ جس نے باپ کی تربیت کو شرمندہ کیا تھا۔ جس نے اپنی خوشی سے ماں باپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ وہ بیٹی باپ کو منائے بغیر منوں مٹی تلے جا سوئی تھی۔
"کاش ماما آپ نے وہاں بیٹھ کر رونے اور پچھتاوے کے بجائے کراچی آکر نانا ابا سے معافی مانگ لی ہوتی۔ میں آپ کی جگہ ہوتی تو یہی کرتی۔ ان کے پاؤں پکڑ لیتی اور کہتی "جب تک آپ مجھے معاف نہیں کریں گے' مجھ پر ہر خوشی اور ہر سکھ حرام ہے۔" آپ نے پاپا کے ساتھ بھی انصاف نہیں کیا حالانکہ وہ آپ کے ساتھ مخلص تھے۔ آپ سے بہت پیار کرتے تھے' آپ نے نانا ابا کے ساتھ بھی انصاف نہیں کیا اور آپ نے خود اپنے ساتھ بھی انصاف نہیں کیا۔ زندگی کے اتنے سال پچھتاووں کی آگ میں جلتے گزار دیے۔ خود کو سزا دیتی رہیں۔ مرتے وقت بھی نانا ابا کو دیکھنے اور معافی مانگنے کی حسرت دل میں لیے اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔ کیوں خود کو یہ اذیت دی آپ نے ماما؟ لیکن پیاری ماما! آپ کو بہت سی باتوں کے لیے غلط سمجھنے کے باوجود میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں۔ بہت زیادہ آج بھی۔ مجھے پتا ہے میری ماما بہت اچھی تھیں۔ تب ہی تو اپنی ایک غلطی پر خود اپنے آپ کو ہی کبھی معاف نہ کر سکیں۔" وہ روتے ہوئے ماما کی تصویر سے باتیں کر رہی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

اس نے اپنا بیڈ روم بدل لیا تھا۔ یہ کمرہ اس کی ماما کا کمرہ تھا۔ نانی امی اسے بیڈ روم چینج کرتا دیکھ کر حیران ہوئیں۔
"نانی امی! وہ ماما کا بیڈ روم ہے نا۔ مجھے وہاں رہنا اچھا لگے گا۔" اس نے سنجیدگی سے ان سے کہا۔ نانا ابا کو اس نے اس کمرے میں آتے کبھی نہیں دیکھا تھا' نانی امی البتہ ہفتہ دس دن میں ایک مرتبہ ملازم کے ساتھ خود آکر اس کمرے کی صفائی کروایا کرتی تھیں۔ انہوں نے اسے بتایا تھا کہ اس کمرے کی کوئی چیز انہوں نے تبدیل نہیں کی۔ یہ بیڈ' یہ رائٹنگ ٹیبل' یہ وارڈ روب' یہ پردے' یہ قالین' یہ ڈیکوریشن پیسز' یہ دیوار پر لگی پینٹنگز' یہ وال کلاک' یہ لیمپ' یہ بک شیلف اور اس میں سجی بے شمار کتابیں سب بالکل وہی ہیں' ویسی ہی ہیں' اپنی اسی جگہ پر ہیں' جہاں اس کی ماما نے انہیں ترتیب دیا تھا۔
پہلی رات جب وہ اس بستر پر سونے لیٹی تو آنکھوں سے خود بخود ہی آنسو گرنے لگے۔ اگلے روز اس نے وارڈ روب سے ماما کے تمام کپڑے اور دیگر تمام سامان نکال کر اس میں اپنے کپڑے وغیرہ رکھے تھے۔ اس کے علاوہ سارا سامان اس نے ویسا ہی رہنے دیا تھا۔ بک

شاف میں رکھی کتابیں جو ماما کے باذوق اور مطالعے کے شوقین ہونے کی گواہی دے رہی تھیں وہ بھی رانٹنگ ٹیبل پر رکھی سب چیزیں بھی۔ ان کے نوٹس، لیکچرز، اسائنمنٹس، سب اس نے ویسے ہی رہنے دیے تھے۔ وارڈ روب میں جو ماما نے اپنے بچپن کے کھلونے سنبھال کر رکھے ہوئے تھے اس نے انہیں بھی وہیں رہنے دیا تھا۔ ان کی ڈائریاں اور نانا ابا کے دیے ہوئے کارڈز بھی وہیں رہنے دیے۔ ان کی سالگراہوں پر نانا ابا کے خوبصورت ہینڈ رائٹنگ میں لکھے کارڈز۔ جن کا ہر ہر لفظ شدید محبت کا اظہار کر رہا تھا۔ دیوار پر لگی ماما کی انلارج تصویر بھی اس نے نہیں ہٹائی تھی۔ ہاں اپنے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر ایک تصویر کا اضافہ کر لیا تھا۔ اپنے پاپا کی تصویر کا۔

صبح وہ کمرے سے نکل رہی تھی جب نانا ابا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ رہے تھے۔ انہوں نے اس کمرے سے نکلتے اسے بڑے غور سے دیکھا۔ شاید انہیں اس کے کمرہ بدلنے کا ابھی تک معلوم نہیں ہوا تھا۔ اس کے سلام کا انہوں نے سنجیدگی سے جواب دیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ وہ نیچے آئی تو نانی امی ان ہی کے لیے ناشتہ تیار کر رہی تھیں۔ وہ ناشتہ اپنے کمرے میں کرتے تھے۔ وہ ٹرے تیار کر چکیں تو وہ جلدی سے بولی۔

"میں لے جاؤں ناشتہ؟" ان کے جواب دینے سے پہلے ہی وہ ٹرے اٹھا کر کچن سے نکل گئی۔

دروازے پر دستک دے کر اس نے اجازت کا انتظار کیا۔ اجازت ملنے پر جب وہ اندر داخل ہوئی تو وہ صوفے پر بیٹھے اخبار پڑھتے نظر آئے۔ غیر متوقع طور پر اسے دیکھ کر ان کے چہرے پر جو بھی تاثرات ابھرے، وہ انہیں نظرانداز کرتی ٹیبل پر ٹرے رکھنے لگی۔ ان کی طرف اس نے بالکل بھی نہیں دیکھا، پتا تھا انہیں دیکھ لیا تو ہمیشہ کی طرح ڈر جائے گی۔ ٹرے رکھتے ہی فوراً" باہر آ گئی۔ باہر نکل کر اس نے سکون کا سانس لیا۔ اجنبیت کی یہ دیوار جو انہوں نے اس کے اور اپنے بیچ حائل کی ہوئی ہے، وہ اسے گرا الٹا ہی دم لے گی۔ اس عزم اور اس پختہ ارادے کے باوجود ہر بار ان کا سامنا ہونے پر وہ اپنے ہاتھ پاؤں کانپتے اور سرد ہوتے محسوس کرتی تھی۔ روزانہ اس طرح ڈرتے اور کانپتے وہ ان کے لیے ناشتہ لے جانے لگی تھی۔ پہلے ان کا کوئی فون آتا یا کوئی مہمان تو وہ خود آ کر میسج دینے کے بجائے کسی ملازم کے ہاتھ کہلوایا کرتی تھی، لیکن اب وہ یہ کام خود کرنے لگی تھی۔ یہاں تک کے بعض اوقات جب ان کے کسی دوست کی آمد پر نانی امی کی جگہ وہ خود چائے وغیرہ بنا کر ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ وہ یقیناً" اس کی ان بے تکلفانہ باتوں کو پسند نہیں کر رہے تھے۔ لیکن اب تک انہوں نے اس سے کچھ کہا نہیں تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

"تمہاری ٹیسٹ کی تیاری کیسی ہو رہی ہے؟" کچن ٹیبل پر چڑھ کر بیٹھے ہوئے سعد کو اس نے مخاطب کیا۔

"ہمیں تیاری کی کیا ضرورت ہے۔ جینئس لوگ ایسے چھوٹے موٹے ٹیسٹوں کے لیے ہلکان نہیں ہوا کرتے۔" اس نے فرضی کالر جھاڑے تھے۔ وہ فریج کھول کر کھڑی ہوئی تھی، اس کی میاں مٹھو والی بات پر بے اختیار گردن گھما کر بولی۔

"غرور کا انجام اکثر بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ تم نے وہ خرگوش اور کچھوے والی کہانی تو سنی ہی ہوگی۔"

"محترمہ! یہ غرور نہیں بلکہ اپنی صلاحیتوں سے آگاہی ہے۔ ممی بھی تمہاری طرح بلاوجہ مجھے ہولا رہی تھیں کہ یوں صحیح تیاری نہیں ہوگی۔ کسی انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لے لو۔ میں نے کہا بے فکر رہیں" آئی بی اے کا Aptitude test بہت شاندار طریقے سے آپ کو پاس کر کے دکھاؤں گا۔ بس آپ مجھے بوکھلائیں مت۔"

فریا نے فریج سے فریش کریم نکالی اور ایک پلیٹ میں اسٹرابیریز رکھیں۔ سعد کے لیے یہ دونوں چیزیں نکالنے کے دوران وہ اس کی باتیں خاموشی سے سنتی رہی۔ اس نے سعد کو پلیٹ پکڑائی تو وہ "جزاک اللہ"

[illegible] اسٹرابیریز اور کریم سے [illegible] یہ سعد کا پسندیدہ ریڈی میڈ

بیٹھا تھا۔
وہ اس وقت کچن میں رات کے کھانے کے لیے سلاد بنانے میں مصروف تھی۔ نانا ابا کو اس نے ہمیشہ کھانے کی میز پر سلاد بڑے اہتمام اور شوق سے کھاتے دیکھا اور ان کی یہی پسند اس وقت اسے کچن میں لے آئی تھی۔ کل ٹی وی پر ایک کوکنگ سے متعلق پروگرام آرہا تھا اور اس میں اس نے یہ ترکیب دیکھی تھی۔ ترکیب کیونکہ بالکل سادہ اور آسان تھی اس لیے وہ فوراً" اسے تیار کرنے کا پروگرام بنا بیٹھی تھی۔

"یار خوامخواہ لوگ آئی بی اے کے ٹیسٹ کو ہوا سمجھتے ہیں۔ اگر آپ کی جنرل نالج اچھی ہے۔ میتھس اور انگلش میں آپ اچھے ہیں پلس یہ کہ آپ کسی بھی پوچھی گئی بات کو فوراً" سمجھ کر نہایت تیز رفتاری سے بغیر گھبرائے اس کا جواب دے سکتے ہیں تو گھبرانے اور نروس ہونے کی بات ہی کیا ہے۔ وہاں اصل امتحان ہی بندے کے اعصاب کا ہوتا ہے۔ یہ کہ کون کتنا انڈر پریشر آجائے گا اور کون لوگ ہیں جو کسی دباؤ میں نہیں آئیں گے۔" اسٹرابیری منہ میں ڈالتے ہوئے اس نے فریا کو تفصیلی جواب دیا پھر کچھ دھیان آنے پر اس نے موضوع بدلا۔

"ویسے یہ آج کچن کو رونق کس خوشی میں بخشی گئی ہے۔" اس نے چولہے پر آلو ابلنے کے لیے رکھے ہوئے تھے' اس وقت چھری سے یہی چیک کر رہی تھی کہ ہو چکے ہیں یا ابھی کسر ہے۔

"میں نے سوچا کچھ پکایا جائے۔ فارغ بور بھی ہو رہی تھی۔ نانا ابا کے لیے سلاد بنا رہی ہوں۔ بڑی اچھی ترکیب ہے۔ میں نے کل ہی سیکھی ہے۔"

وہ چولہا بند کرتے ہوئے اس کی طرف گھومی۔ وہ اس کی بات سن کر ہنس پڑا۔

"قربِ قیامت کے آثار ہیں' اب فریا عبدالرحمان سوچنے بھی لگی ہیں۔ ویسے نانا ابا سے مجھے ابھی سے ہمدردی ہو رہی ہے۔" وہ اس کے مذاق اڑانے پر چڑ گئی اس کا پھولا ہوا منہ دیکھ کر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

اسی وقت نانی امی کچن میں داخل ہوئی تھیں۔ انہیں آتا دیکھ کر وہ جلدی سے میز پر سے اتر گیا تھا اور بڑی شرافت سے سیدھے کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" وہ اسے دیکھ کر پیار سے بولیں۔

"کل میں نے پائے پکائے تھے۔ تب سے ہی مجھے تم بہت یاد آرہے تھے۔ میں یہی سوچ رہی تھی کہ سعد کی پسند کی ڈش بنی ہے۔ آجاتا تو کھا لیتا۔" وہ ان کی بات سن کر فوراً" بولا۔

"کوئی بات نہیں آپ مجھے اب پائے کھلا دیں۔ مجھے واپسی کی کوئی جلدی نہیں ہے۔" وہ اس کی بے تکلفی پر مسکراتی ہوئی فرج کی طرف بڑھیں۔

"فری کو تو پائے زیادہ پسند نہیں۔ تھوڑا سا چکھا تھا اس نے۔ کہتی ہے ہاتھ چپکتے ہیں' مجھے الجھن ہوتی ہے۔" وہ فریج سے پائے نکالتے ہوئے بولیں۔

"اس موقع پر اردو زبان میں ایک محاورہ بولا جاتا ہے۔ محاورہ مجھے کچھ صحیح سے یاد نہیں آرہا۔ ویسے اس میں کچھ بندر اور ادرک کا ذکر ہوتا ہے۔" وہ فریا کی طرف شرارت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہوا نانی امی سے بولا۔ اس سے پہلے کہ کوئی جوابی کارروائی ہوتی وہ ان سے بولا۔

"آپ پائے گرم کریں میں تندوری نان لے کر آتا ہوں۔ گھر کی روٹی کے ساتھ مزہ نہیں آئے گا۔" ان کے سر ہلانے پر وہ کچن سے نکل گیا تھا۔

پھر سعد تو پائے کھانے کے بعد کچھ ہی دیر رکا۔ اس کے جانے کے بعد وہ دوبارہ سے اپنی نامکمل سلاد کی طرف متوجہ ہو گئی۔ بڑی احتیاط اور محنت سے اس نے اسے تیار کیا تھا۔ کھانے کی میز پر حسبِ معمول نانا ابا نے باقی تمام ڈشز پر سلاد کو ترجیح دی۔ وہ انہیں اپنی بنائی ہوئی سلاد کھاتا دیکھ کر دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہی تھی۔

"کیسی لگی آپ کو سلاد۔ فری نے بنائی ہے۔" وہ تو خاموش ہی رہتی لیکن نانی امی نے انہیں یہ بات بتا دی۔ ان کے ہاتھ میں موجود فوک منہ کی طرف جاتے

جاتے رک گیا۔ انہوں نے ایک نظر بڑے غور سے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا۔ اسے ڈر لگا کہ شاید ابھی وہ کانٹا واپس پلیٹ میں رکھ کر پلیٹ بھی خود سے دور ہٹادیں گے۔ لیکن انہوں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔

"مزے کی ہے۔" ان کا جواب مختصر تھا اور اس مختصر جواب کے بعد وہ دوبارہ اس سلاد کو کھانے لگے تھے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ ان کے تاثرات اور انداز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اس کے دل میں جو ڈر تھا وہ یک دم دور ہو گیا۔ اسے لگ رہا تھا وہ اس کے ہاتھ کی بنی کوئی چیز کبھی بھی کھانا پسند نہیں کریں گے۔

فریا کی کالج لائف شروع ہو چکی تھی۔ حالانکہ نانی امی نے اس سے ایسا کچھ نہیں کہا تھا لیکن اس نے خود ہی ٹراؤزرز اور ٹی شرٹس کی جگہ شلوار قمیص اور دوپٹہ پہننا شروع کر دیا تھا۔ پہلے وہ کہیں آنے جانے میں تو شلوار قمیص پہن بھی لیا کرتی تھی لیکن گھر میں کبھی نہیں پہنتی تھی۔ اب ان کے کہے بغیر اس نے خود ہی اپنے لباس میں یہ تبدیلی پیدا کی تو انہیں بہت خوشی ہوئی تھی۔ اب اگر وہ دیکھنے والوں کو اپنے نقوش سے اٹالین یا اسپینش دکھائی دیتی تو لباس اور بول چال سے سو فیصد پاکستانی اور مشرقی لڑکی نظر آتی۔ سعد نے پہلی مرتبہ اسے شلوار قمیص میں دیکھا تو بے ساختہ بولا تھا۔

"اوہو باربی پاکستانی ڈریس میں۔" وہ اب بچپن کی طرح اس نام پر چڑا نہیں کرتی تھی۔ بہت قریبی دوستوں کو اتنا حق تو ہوتا ہی ہے کہ وہ آپ کو جس نام سے چاہے پکاریں۔ وہ کبھی اسے فری کہتا، کبھی فیری، کبھی باربی۔ بہت سے نک نیمز تھے جن سے وہ اسے پکارا کرتا۔ فریا تو وہ صرف اس وقت کہی جاتی تھی، جب وہ اس سے ناراض ہوتا یا اس کی کسی بات پر اسے غصہ آیا ہوا ہوتا۔ اب روزانہ ساتھ بیٹھ کر پڑھنا تو نہیں ہو پاتا تھا لیکن وہ ایک دوسرے سے روز ملتے اور اگر مل نہ پاتے تو فون پر بات تو ہو ہی جایا کرتی تھی۔ آئی بی اے جا کر بھی اس کی شرارتوں اور لاابالی پن میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ وہ آج بھی اتنا ہی شوخ اور زندہ دل تھا جتنا بچپن میں ہوا کرتا تھا۔ اس کے دوست بنانے کی رفتار بھی وہی تھی۔ کبھی کبھی اس کے دوستوں کی طویل فہرست سے فریا کو بلاوجہ چڑ ہونے لگتی۔

♥ ♡ ♡ ♥

وہ بہت گہری نیند سو رہی تھی۔ جب اسے ایسا لگا جیسے کوئی اسے آواز دے رہا ہے۔ کچھ سوتی جاگتی کیفیت میں اس نے آنکھیں ذرا سی کھولیں تو نانی امی کو خود پر جھکا ہوا پایا۔

"اٹھو فری! تمہارے نانا ابا کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ میں انہیں ہاسپٹل لے جا رہی ہوں۔" ان کی یہ بات اسے حواس باختہ کرنے کے لیے کافی تھی۔ نانی امی بہت پریشان نظر آ رہی تھیں۔ ان کے پیچھے نانا ابا کے کمرے میں آتے ہوئے اس کا دل انجانے وسوسوں میں مبتلا ہوتا، اندر ہی اندر ڈوب رہا تھا۔ ڈرائیور اور اسلم کی مدد سے انہیں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹاتے ہوئے وہ اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"پریشان مت ہونا، تمہیں میں نے اس لیے اٹھا دیا کہ کہیں ہمارے جانے کے بعد تمہاری آنکھ کھل جاتی تو تم ہم سب کو غیر موجود پا کر پریشان ہوتیں۔" اسے تسلی دیتی وہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں۔

"میں بھی چلوں گی نانی امی۔" وہ ڈرائیور کو کہاں چلنا ہے یہ بتا کر گاڑی اسٹارٹ کرنے کا کہہ رہی تھیں جب وہ بول اٹھی۔

"تم گھر پر دعا کرو بیٹا! گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔" انہوں نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے اسے تسلی دی تھی اور پھر فوراً ہی گاڑی اسٹارٹ ہو گئی۔ اس نے تو یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ وہ ہوش میں ہیں یا نہیں۔ اس لمحہ اسے پتا چلا کہ وہ آج بھی وہی فریا عبدالرحمان ہے۔ وہی جو موت کو قریب سے دیکھ کر سہم گئی تھی۔ وہیں پورچ میں کھڑے کھڑے اسے لگا ان کے گیٹ پر ایک ایمبولینس آ کر رکی اور پھر اس میں سے۔۔۔ اس سے آگے سوچنے سے پہلے اس نے اپنی آنکھیں کس کر بند کر لی تھیں۔

"انہیں کچھ بھی نہ ہو اللہ میاں۔ میرے نانا ابا کو بچا لیجیے۔ میری زندگی بھی انہیں دے دیجیے۔ میری زندگی کا ایک ایک پل اور ایک ایک لمحہ انہیں مل جائے۔ مجھ سے سب کچھ لے لیجیے لیکن انہیں زندگی دے دیں۔"

وہ رات کے اس آخری پہر پورچ میں کھڑی بے آواز دعائیں مانگ رہی تھی۔ پتا نہیں کیسا انکشاف ہو رہا تھا اس پر اس لمحہ۔ اسے بس یہ پتا چل رہا تھا کہ وہ نانا ابا سے بہت محبت کرتی ہے۔ اپنی زندگی سے بھی بڑھ کر۔ وہ اچانک پورچ سے بھاگتی ہوئی اندر لاؤنج میں آئی تھی اور بغیر کچھ سوچے سمجھے سعد کا موبائل نمبر ملایا تھا۔ بہت بیلوں کے بعد اس کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

"سعد! نانا ابا کو پتا نہیں کیا ہوا ہے۔ ان کی طبیعت بہت خراب ہے۔ تم جلدی سے آؤ۔" وہ روتے ہوئے فوراً بولی۔

"تم رو ؤ مت فری! میں آرہا ہوں۔"

دس منٹ بعد سعد اور آنٹی ان کے گھر میں تھے۔ آنٹی اسے تسلی دیتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ صبح ہونے پر وہ اسے ہاسپٹل لے جائیں گی، لیکن اس کی جیسے ایک ہی ضد تھی۔ مجھے ہاسپٹل جانا ہے۔ مسلسل روتی اور بلکتی وہ ان سے سنبھالی نہیں جارہی تھی۔

"اسے لے چلتے ہیں ممی۔" وہ ہار ماننے والے انداز میں بے بسی سے بولا۔ کچھ دیر بعد وہ ان دونوں کے ساتھ ہاسپٹل جارہی تھی۔ انہیں فوری طور پر ٹریٹمنٹ دیا جارہا تھا۔ بہت شدید دل کا دورہ تھا۔ نانی امی خاموشی سے آنسو بہاتی تسبیح کے دانے گرائے جارہی تھیں۔ آنٹی ان کے پاس بیٹھ کر انہیں تسلی دینے لگیں۔ وہ سعد کے ساتھ بیٹھی اب بالکل خاموش تھی۔ یہاں تک کہ رو بھی نہیں رہی تھی۔ ہاں اس کا رواں رواں ان کے لیے دعا گو ضرور تھا۔ آج سے پہلے اسے خود معلوم نہیں تھا کہ وہ نانا ابا سے اتنی والہانہ محبت کرتی ہے اور آج جب اسے یہ بات معلوم ہوئی تھی وہ اسے ڈرا رہے تھے۔ جدائیوں کے اندیشے میں مبتلا کر رہے تھے۔

"آپ سے محبت میرے خون میں شامل ہے۔ میں نے ماں سے جینز (Genes) میں آپ کی محبت لی ہے۔ جس وقت میں پیدا ہوئی میری ماں نے بڑی شدت سے آپ کو پکارا تھا۔ میرے کانوں نے دنیا میں آتے ہی جو پہلا لفظ سنا وہ "پاپا" تھا۔ ایک بیٹی نے بڑی شدت سے باپ کو یاد کیا تھا اس لمحہ جب خود اس نے ایک بیٹی کو جنم دیا تھا۔ آپ کے ساتھ میرا روح کا رشتہ ہے۔ صرف خونی رشتہ نہیں ہے ہمارا اور یہ رشتہ اتنی آسانی سے آپ کیسے توڑ کر جاسکتے ہیں۔ میں آپ کو یہ رشتہ توڑنے نہیں دوں گی۔ ابھی تو مجھے یہ بات آپ کو بتانی ہے کہ میں فریا عبدالرحمان ساری دنیا میں سب سے زیادہ آپ سے پیار کرتی ہوں۔ اتنی کہ آپ میری جان مانگیں، میں وہ بھی دے دوں گی۔"

♥ ♡ ♡ ♥

نانا ابا کی حالت اب خطرے سے باہر تھی۔ بڑا رحم کیا تھا اللہ نے ان پر۔ ورنہ ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ اٹیک بہت شدید تھا۔ ان کی عیادت کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھ گیا تھا۔ نانی امی اسے زیادہ وقت ہاسپٹل میں نہیں رہنے دیتی تھیں۔ وہ تھوڑی سی دیر کے لیے ڈرائیور یا سعد کے ساتھ آتی اور پھر نانی امی اسے ان ہی کے ساتھ گھر بھجوا دیا کرتیں۔ جتنی دیر وہ وہاں رہتی تب بھی نانا ابا کو سلام کر کے سامنے پڑے صوفے پر بیٹھ کر خاموشی سے انہیں دیکھتی رہتی۔ وہ اس کے سلام کا جواب دے کر اس کی خیریت پوچھتے وہ جواب میں "ٹھیک ہوں" کہہ دیتی اور پھر وہ اپنی عیادت کے لیے آئے دیگر اشخاص کی طرف متوجہ ہو جاتے۔

اس روز بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ ڈرائیور کے ساتھ شام میں انہیں دیکھنے آئی تھی۔ نانا ابا کی کوئی رشتے کی بھانجی اپنے بیٹے کے ساتھ آئی بیٹھی تھیں۔ وہ حسب معمول سلام کرتی خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ کتنا دل چاہتا تھا اس کا وہ انہیں بتائے کہ "آپ کی بیماری نے مجھے بہت زیادہ پریشان کر دیا ہے۔ میں ابھی

تک شاک کی کیفیت میں ہوں اور کیا آپ کو پتا ہے میں نے آپ کے لیے کتنی ساری دعائیں مانگی ہیں۔ نانی امی کہتی ہیں صدقہ اور خیرات سب بلاؤں کو ٹال دیتے ہیں' میں نے یہی بات سوچ کر اپنے پاس جمع سارے پیسے خیرات کردیے۔"

لیکن وہ یہ سب سوچ سکتی تھی۔ ان سے سلام سے اگلی بات کرنے کی اس کی جرأت ہی نہیں ہوتی تھی۔ اس سے تو اور لوگوں کی طرح ریمی سے انداز میں ان کی خیریت تک نہیں پوچھی جاتی تھی۔ شاید دل میں کہیں یہ خوف بیٹھا تھا کہ اگر انہوں نے میری باتوں کا اچھی طرح جواب نہ دیا تو میں ہرٹ ہوں گی۔ آج بھی ہر روز ہی کی طرح ہو رہا تھا۔ وہ خاتون تھیں بھی بہت باتونی۔ نانا ابا ان کی اکثر باتوں کے جواب میں ہوں ہاں سے کام چلا رہے تھے۔ اسے اندازہ نہیں ہوا تھا کہ نانا ابا اسے بڑے غور سے دیکھ رہے ہیں۔ خدا خدا کر کے انہوں نے جانے کا نام لیا تو اس کے ساتھ یقیناً" نانا ابا نے بھی سکون کا سانس لیا ہو گا۔

"یہاں آؤ فری۔" ان کے نکلتے ہی نانا ابا نے اسے اپنے پاس بلایا تھا۔ اس نے بڑی بے ساختگی میں سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

"فری" کتنا پیارا لگا تھا اپنا پیار کا یہ نام ان کے منہ سے۔ وہ تو اسے فریا کہا کرتے تھے۔ پھر آج یہ بدلا ہوا طرز تخاطب۔۔۔ وہ حیرت زدہ سی کچھ ہچکچاتے ہوئے ان کے پاس آگئی۔ نانی امی بیڈ کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھی تھیں۔ وہ ان کے پاس آکر کھڑی ہوئی تو نانا ابا نے بیڈ پر ذرا سا کھسکتے ہوئے اس کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی۔

"یہاں بیٹھو۔" وہ حیران پریشان ان کے پاس بیٹھ گئی۔ وہ لیٹے ہوئے بڑے بغور سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"تم نے کپڑے کیوں نہیں بدلے۔" انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "کل بھی یہی کپڑے پہنے ہوئے تھے اور شاید پرسوں بھی۔ اور مجھے تو بال بھی ایسا لگ رہا تھا برش نہیں کیے گئے۔"

وہ بلاوجہ کی خوش فہمی میں مبتلا ہو رہی تھی۔ یہاں ان کے کتنے ملنے والے آتے ہیں اور ایسے میں ان کی نواسی کا یہ سڑا ہوا حلیہ انہیں اپنے ملنے والوں کے سامنے ضرور شرمندہ کرواتا ہو گا۔ ان کی یہ بات بہت بری طرح اس کے دل پر جا کر لگی تھی۔ اتنے دنوں بعد وہ اس سے بات بھی کر رہے ہیں تو کیا۔ "آپ کو محبت نظر کیوں نہیں آتی۔" وہ سر جھکا کر اپنے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں اب بالکل ٹھیک ہوں بیٹا! تم بلاوجہ خود کو پریشان مت کرو۔ ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں دو تین دن میں' میں ڈسچارج بھی ہو جاؤں گا۔ اب کل جب مجھ سے ملنے آؤ تو اچھی طرح ڈریس اپ ہو کر ہنستی مسکراتی ہوئی آنا۔ یہ روتی بسورتی فری تو مجھے بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی۔"

انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے جس لہجے میں یہ بات کہی۔ اسے سن کر وہ بے ہوش ہو جاتی تو بھی کم تھا۔ وہ منہ پھاڑے تحیر سے ان کی سمت دیکھ رہی تھی۔ اتنی محبت اور ایسی فکرمندی۔ وہ بھی اس کے لیے۔ وہ اس کی حیرت پر مبہم سا مسکرائے۔ ایسے جیسے اس کی ہر سوچ وہ بڑے آرام سے پڑھ رہے تھے۔

"اور کھانا کھانا بھی لگتا ہے۔ آج کل بالکل چھوڑا ہوا ہے۔" وہ مزید گویا ہوئے تھے۔ پتا نہیں ایک دم اس کو کیا ہوا تھا۔ ان کے بازو پر سر ٹکا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں نانا ابا! مجھے آپ کے بغیر کچھ اچھا نہیں لگتا۔ نہ کھانا کھانا' نہ تیار ہونا نہ کسی سے ملنا۔" انہوں نے اسے خود سے مزید قریب کر لیا۔ ان کے ساتھ لگی وہ زاروقطار رو رہی تھی۔ نانی امی اسے چپ کرانے اور ان کے پاس سے ہٹانے کے لیے اٹھنے لگیں تو انہوں نے سر کے اشارے سے ایسا کرنے سے روکا۔

"فری! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ دیکھو مجھے کچھ بھی تو نہیں ہوا ہے۔" وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے کہنے لگے۔

چند سیکنڈز تک کمرے میں صرف اس کی سسکیاں

گونجتی رہیں۔ اپنی بے اختیاری کیفیت کا احساس ہوا تو وہ ایک دم ان کی بانہوں کے حلقے سے نکل کر سیدھی ہو گئی۔ وہ اپنے ہاتھ سے اس کے آنسو صاف کرنے لگے تھے جبکہ وہ اب کچھ جھینپی اور شرمائی ہوئی سی بیٹھی تھی۔

"بالکل پکا پرامس کرو میرے ساتھ کہ گھر جاکر کھانا کھاؤ گی بالکل ٹھیک طرح۔ جیسے روٹین میں کھاتی ہو اور بغیر روئے اور پریشان ہوئے آرام سے لیٹ کر سو جاؤ گی۔"

اس نے اسی ۔جھینپے ـــــ سے انداز میں سر ہلا کر گویا وعدہ کیا۔ نانی امی حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ نانا نواسی کی محبت کا یہ مظاہرہ دیکھ رہی تھیں۔ یہ پھانس تو انہیں ہر لمحہ چبھتی تھی کہ فریا ان سے بدگمان رہتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ شاید نانا ابا اس سے نفرت کرتے ہیں۔ حالانکہ سچائی یہ تو نہیں تھی لیکن وہ جانتے ہوئے بھی اس کی یہ غلط فہمی دور نہیں کر پاتی تھیں۔ اور آج جب ان کے بیچ سے اجنبیت کی یہ دیوار ہٹی تو نانی امی نے خود کو بڑا پرسکون اور مطمئن محسوس کیا تھا۔

گھر آکر وہ سیدھی نہانے گھس گئی۔ نہانے کے بعد نماز پڑھی اور پھر بڑی خوشی خوشی کھانا کھانے بیٹھ گئی۔ حالانکہ وہ کھانے کی میز پر بالکل تنہا تھی لیکن پھر بھی اس نے بہت اچھی طرح پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ اگلے روز جب وہ ہاسپٹل آئی تو سرخ رنگ کا کاٹن کا سوٹ پہنے ہوئے تھی۔ پلین سوٹ جس کے چاکوں، گلے اور آستینوں پر سرخ رنگ کی ہی خوبصورت اور نازک سی لیس لگی ہوئی تھی۔ بالوں کی اونچی سی پونی بنائے وہ بہت تروتازہ اور نکھری نکھری سی نظر آرہی تھی۔ نانا ابا اسے دیکھتے ہی بڑے بھرپور انداز میں مسکرائے۔ اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے اسے اپنے پاس بلایا۔ وہ ان کے پاس آئی تو انہوں نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔

"ہاں اپنے تیار ہونے کو کہہ رہا تھا میں تمہیں۔ کل والی بجھی بجھی سی فریا سے آج والی ہنی سنوری فریا کہیں خوب صورت لگ رہی ہے اور یہ ریڈ کلر تو تم پر بہت ہی اچھا لگ رہا ہے۔"

انہوں نے سنجیدگی سے اس کی تعریف کی۔ وہ نانا ابا کے پاس بیٹھے متین انکل کی وجہ سے اپنی تعریف پر بہت بری طرح جھینپ گئی جبکہ وہ دونوں اس کے شرمانے پر با آواز بلند ہنس پڑے۔

♥ ♡ ♡ ♥

نانا ابا ہاسپٹل سے گھر آگئے تو وہ نانی امی کے ساتھ مل کر بڑی سنجیدگی، لگن اور مستقل مزاجی کے ساتھ ان کی تیمارداری میں مصروف ہو گئی۔ کھانا یا جوس وغیرہ لے کر آتی تو وہ اسے اپنے پاس بٹھا لیا کرتے تھے۔ پھر کھانے کے دوران وہ اس سے مختلف موضوعات پر باتیں کرنے لگتے۔ ان سے بہت زیادہ بے تکلف تو وہ اب بھی نہیں ہو پائی تھی لیکن ان کا اس طرح باتیں کرنا اور پاس بٹھانا آہستہ آہستہ اس کی جھجک ختم کرنے میں معاون ضرور ثابت ہو رہا تھا۔

وہ ان کی باتیں بڑے غور سے سنتی تھی۔ اسے فخر ہوتا تھا اس بات پر کہ اس کے نانا ابا اسے قابل اور انٹلیکچوئل قسم کے انسان ہیں۔ ان کے علم، ذہانت اور وسیع مطالعے کی وہ دیگر لوگوں سے جس طرح تعریفیں سنا کرتی تھی اب خود بھی ان کی معترف ہو رہی تھی۔ ان کی ہینڈ رائٹنگ تو اسے اتنی خوب صورت لگتی تھی کہ وہ اکثر نقل کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ اس روز جب اس نے باتیں کرتے کرتے انہیں یہ بات بتائی تو وہ خوب ہنسے۔

"اچھا تو تم "D" اور "H" میرا جیسا بنانے کی کوشش کرتی ہو۔" وہ اس کے معصومانہ سے اعتراف کو خوب انجوائے کر رہے تھے۔

"ہاں جب میں اسکول میں تھی تب سے ہی آپ کے جیسا "D" اور "H" بنانے کی کوشش کرتی ہوں۔ اب بھی آپ جیسا تو نہیں لیکن آپ سے ملتا جلتا ضرور بنا لیتی ہوں۔" وہ پاس رکھا رائٹنگ پیڈ اٹھا کر انہیں بنا کر دکھانے لگی تھی۔

"تمہیں نقل کی کیا ضرورت ہے۔ تمہاری اپنی

رائٹنگ بہت خوبصورت ہے۔ میں نے کل اسٹڈی میں تمہارے کچھ پیپرز رکھے دیکھے تھے۔ شاید تمہارا کوئی اسائنمنٹ تھا۔ بہت صاف ستھری اور پختہ لکھائی ہے تمہاری۔" وہ رائٹنگ پیڈ کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

ان کے لہجے میں ستائش پاکر وہ بہت خوش ہوئی۔

"آپ کو اچھی لگی تھی میری رائٹنگ۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے سرہلایا۔

"وہ میرا پاکستان اسٹڈیز کا اسائنمنٹ ہے۔ کل رات ہی میں نے مکمل کیا ہے۔ بڑی محنت کی ہے میں نے اس پر۔ آپ پڑھیں گے؟" اس نے بڑے شوق اور امید سے پوچھا۔ انہوں نے پڑھنے کی حامی بھری تو وہ فوراً" بھاگتی ہوئی اسٹڈی سے اپنا اسائنمنٹ اٹھا کر لے آئی۔

"کل جمع کروانا ہے۔ ابھی میں نے فئنر نہیں کیا۔" اس نے اسائنمنٹ ان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بتایا تھا۔ انہوں نے سائیڈ ٹیبل سے اپنے گلاسز اٹھا کر لگائے اور پھر ایک نظر عنوان پر ڈالتے ہوئے اس کا لکھا پڑھنے لگے۔ وہ ان کے برابر بیٹھی کبھی اپنے لکھے لفظوں پر نظریں دوڑانے لگتی کبھی ان کے چہرے کے تاثرات پر۔ مضمون پورا پڑھ کر انہوں نے بڑی حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"یہ پورا تم نے خود لکھا ہے۔ کسی سے مدد لیے بغیر۔" ان کے لہجے میں استعجاب تھا۔ اس نے فخریہ انداز میں گردن ہلائی۔

"بہت اچھا لکھا ہے تم نے۔ میں حیران ہو رہا ہوں تمہاری اپروچ اور تمہارے میچیور انداز پر۔ یہ تمہارے لیول سے بہت اونچے درجے کا مضمون ہے۔ بالکل ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی ایم اے کے اسٹوڈنٹ کا لکھا ہوا مضمون ہے۔" ان کی یہ تعریف اس کا سیروں خون بڑھا گئی۔ "خلافت موومنٹ" پر بہت جامع اور موثر انداز میں لکھا ہے تم نے۔"

"کالج میں میری انگلش کی ٹیچر ہیں نا میڈم سعدیہ۔ فرسٹ ایئر میں انہوں نے ہمیں پوئٹری پڑھائی تھی اب سیکنڈ ایئر میں بھی پڑھا رہی ہیں وہ بھی یہی کہتی ہیں۔ بلکہ وہ تو مجھ سے یہ کہہ رہی تھیں کہ فرید آپ آگے ماس کمیونیکیشن پڑھیے گا۔ آپ میں لکھنے کی زبردست صلاحیت ہے۔"

ان کی تعریفوں پر بے تحاشا خوش ہوتے ہوئے اس نے اپنی ٹیچر کی کہی بات دہرائی۔ مسکراتے مسکراتے وہ ایک دم کچھ سنجیدہ ہو گئے۔ پتا نہیں کیا بات انہیں یاد آگئی تھی۔ شاید بہت سال پہلے ضوفشاں فاروق نے بھی اس سے ملتے جلتے الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے اپنے لیے جرنلزم کو منتخب کیا ہوگا۔

♥ ♡ ♡ ♥

آخری پیریڈ فری تھا اور وہ اپنی دوستوں کے ساتھ لائبریری میں بیٹھی مختلف میگزینز دیکھ رہی تھی۔ وہ جولیا رابرٹس کی تصاویر اور اس کے بارے میں شائع ہونے والی خبر کو غور سے پڑھنے لگی۔

"پسند ہے تمہیں جولیا رابرٹس۔" زہرہ اس کے ساتھ ہی میگزین دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے سوال کے جواب میں فوراً" بولی۔

"مجھے تو بس ٹھیک ہی لگتی ہے۔ وہ سعد ہے نا۔ اسے جولیا رابرٹس بہت پسند ہے۔ وہ تو اپنے کمپیوٹر میں ڈیسک ٹاپ پر بھی اسی کی تصویر رکھتا ہے۔" زہرہ اس کی بات بڑی توجہ سے سن رہی تھی جبکہ مناہل کے سعد کا نام سنتے ہی منہ کے زاویے بگڑنے لگے تھے۔

"یہ غلام رسول پھر بیچ میں آگیا؟" ہر بات میں ہیر پھیر کر جس طرح وہ سعد کا ذکر لے آتی تھی اس سے سب سے زیادہ مناہل کو چڑ تھی۔

"تمہارے سعد منیر صاحب کا آج سے میں نے یہی نام تجویز کیا ہے۔ کوئی بات ہو رہی ہو چاہے کسی بھی موضوع پر ہو سعد کا ذکر آنا وہاں لازمی ہے۔ میں تو بلاوجہ چڑنے لگی ہوں اس بندے سے۔" سعد کے بارے میں مناہل کے اتنے فضول کمنٹس پر اس کا منہ بن گیا۔

"اتنا بھی میں اس کا ہر وقت ذکر نہیں کرتی اور ویسے بھی وہ میرا بچپن کا دوست ہے۔ تم لوگوں سے تو کالج

میں آکر دوستی ہوئی ہے۔ میرا سب سے پرانا دوست تو وہی ہے۔"

"ویسے یہ تمہارا بہترین دوست سعد منیر صرف بہترین دوست ہی ہے نا۔" نمرہ کا انداز چھیڑنے والا تھا۔

"تم لوگوں کا ذہن ان خرافات سے آگے جاتا بھی ہے یا نہیں۔" وہ اس کا مطلب سمجھ کر بگڑی۔

"بھئی ایسی کوئی ناممکن بات بھی نہیں ہے یہ۔ کیا پتا کسی دن وہ جولیا رابرٹس کو ہٹا کر ڈیسک ٹاپ پر تمہیں لے آئے۔ آفٹر آل امید پر دنیا قائم ہے۔" مناہل بھی نمرہ کے ساتھ مل گئی۔

"بہت اچھی دوستی ہے ہماری ان تمام بے ہودگیوں اور خرافات سے پاک۔ تم لوگ نہیں سمجھ سکتیں اس بات کو۔" اس نے میگزین بند کرتے ہوئے گویا گفتگو تمام کی، پھر رسٹ واچ پر نظر ڈال کر ان لوگوں سے بولی۔

"چھٹی کا ٹائم ہو گیا ہے۔ گھر نہیں چلنا۔" اس کی بات سنتے ہی ان سب کو بھی وقت کا خیال آیا۔

"ڈرائیور چھٹی پر ہے۔ آج پبلک بس سے جانا ہے مجھے۔" مین گیٹ کی طرف جاتے ہوئے اس نے کہا تو مناہل فوراً بولی۔

"بھائی آئے ہوئے ہوں گے مجھے لینے۔ تم میرے ساتھ چلو میں تمہیں ڈراپ کر دوں گی۔"

"نہیں یار تھینک یو۔ میرا گھر تمہارے راستے میں آتا یا کہیں آس پاس ہی ہوتا تو میں تمہاری آفر قبول کر لیتی لیکن اب صرف میری وجہ سے اتنا آؤٹ دا وے جانا۔ یہ بات بالکل مناسب نہیں ہے۔"

اس نے جواب دیا تھا۔ اس دوران چلتے ہوئے وہ لوگ گیٹ تک پہنچ گئی تھیں۔ مناہل جو اس سے مزید اصرار کرنے کا ارادہ رکھتی تھی اسے گیٹ کے پاس رکتے اور چونکتے دیکھ کر خود بھی رک گئی تھی۔

"سعد یہاں کیسے؟" وہ گیٹ کے سامنے کھڑی سعد کی گاڑی کو دیکھ کر حیران ہوئی۔ سعد نے ہارن بجا کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس کی نگاہوں کے تعاقب میں ان سب نے بھی سعد کی طرف دیکھا۔

"سعد آگیا ہے مجھے لینے۔" اس نے دوستوں کو مطلع کیا تھا جو آج پہلی مرتبہ اس کے "دیدار" سے فیض یاب ہو رہی تھیں۔

"تم نے منع کیا تھا سعد کا ذکر کرنے سے لیکن میں کیا کروں کہ جیسے ہی میں نے کالج کے گیٹ سے باہر دیکھا، تو سامنے ہی گاڑی میں میرا بہترین دوست سعد منیر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا گھر میرے گھر سے بہت قریب ہے، اس کے گھر میں اس کے ممی ڈیڈی اور ایک چھوٹا بھائی رہتے ہیں۔ اس کے ڈیڈی۔"

اس کی بات ان سب کے مشترکہ اور بے ساختہ قہقہے کی وجہ سے ادھوری رہ گئی۔ خود وہ بھی اپنی ہی کہی بات پر اب ہنس رہی تھی۔ لائبریری سے نکل کر گیٹ تک آنے تک نمرہ ان لوگوں کو مستنصر حسین تارڑ کی کتاب میں ذکر ہوئے غلام رسول کے بارے میں بتا چکی تھی۔ دوستوں کو ہنستا ہوا چھوڑ کر وہ انہیں خدا حافظ کہتی گاڑی کے پاس آگئی۔

"جلدی بیٹھو۔ ایک تو یہ تم لڑکیوں کی باتیں کرنے کی عادت۔ اتنے گھنٹے کالج میں ساتھ گزار کر دل نہیں بھرتا جو گیٹ پر کھڑے ہو کر حسرتیں پوری کی جاتی ہیں۔" اس کے بیٹھنے تک وہ بڑبڑاتا رہا۔ اس کی بڑبڑاہٹ کا برا مانے بغیر وہ اس کے آنے پر حیران ہونے لگی۔

"تم کیسے آگئے۔ کیا نانی امی نے تمہیں فون کر کے مجھے لانے کے لیے کہا تھا؟" وہ اس کی بات سنی ان سنی کرتا ڈرائیو کرتے ہوئے اپنی پسند کا کوئی انگلش نمبر لگانے میں مصروف تھا۔

"ڈرائیور چھٹی پر ہے۔ اب نانا ابا کو تو ڈاکٹر نے ڈرائیونگ کرنے سے منع کر رکھا ہے۔ صبح وہ مجھے ٹیکسی میں کالج چھوڑ کر گئے تھے۔ مجھے تو بہت بری لگی یہ بات۔ اپنی وجہ سے انہیں ستاؤں۔ کلاسز آف ہونے والی ہیں۔ آخری دنوں میں چھٹی بھی نہیں کرنی چاہیے ورنہ میں تو چھٹی ہی کر لیتی۔ دونوں میری واپسی کی وجہ سے پریشان ہو رہے تھے۔ میں نے نانی امی سے

کہا اب آپ مجھے بڑا ہونے دیں۔ ساری دنیا کی لڑکیاں بسوں اور ویگنوں میں سفر کرتی ہیں۔ ایک دن اگر میں بس سے آگئی تو کوئی قیامت تو نہیں آجائے گی۔ ویسے بھی انسان کو ہر طرح کے حالات میں ایڈجسٹ کرنا آنا چاہیے۔"

وہ اتنے یقین سے بول رہی تھی گویا یہ بات طے تھی کہ سعد کو نانی امی نے ہی اسے لانے کے لیے کہا تھا۔

"تم میری وجہ سے اپنا کوئی پیریڈ تو نہیں چھوڑ آئے۔" وہ فورتھ گیئر میں گاڑی دوڑاتا فاسٹ میوزک انجوائے کرتا اس کی باتوں کو بڑی لاپروائی سے سن رہا تھا۔

"کیا آج نہ بولنے کی قسم کھا کر آئے ہو۔" اس کی مسلسل چپ سے آخر کار وہ چڑ گئی۔

"فضول باتوں کے جواب میں کیا بولوں۔ جب تمہاری کوئی بات اس قابل لگی کہ اس پر بولا جائے تو ضرور بولوں گا۔" اس نے بڑے پرسکون انداز میں اسے چڑایا۔ وہ اس بات کے جواب میں کچھ بھی نہیں بولی۔ چند سیکنڈز کی خاموشی کے بعد سعد نے ونڈاسکرین سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا تو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ کھڑکی سے باہر نظریں دوڑاتی وہ بہت ناراض ناراض سی بیٹھی ہوئی تھی۔

پھر سارا راستہ وہ اس سے خفگی کا اظہار کرتی بالکل خاموش رہی تھی یہاں تک کہ سعد نے گاڑی گھر پر لاکر روک دی۔ وہ اسے خدا حافظ کہے بغیر گیٹ میں گھس گئی۔ اپنی یہ حرکت اسے بالکل جائز لگ رہی تھی۔ ذرا سا لینے کیا آگیا فضول میں اکڑ رہا ہے۔

"آپ نے سعد سے کیوں کہا تھا مجھے کالج سے لانے کے لیے۔" سلام کے بعد اس نے اگلی یہی بات کہی تھی نانی امی سے۔

"تم سعد کے ساتھ آئی ہو؟" وہ الٹا حیران ہو کر پوچھ رہی تھیں۔

"آپ نے اس سے نہیں کہا تھا۔" اس نے جیسے تصدیق چاہی۔

"میں کیوں کہتی۔ خود ہی تو صبح اتنے فالتو بہانے کر گئی تھیں کہ میں بڑی ہو چکی ہوں۔ مجھے انگلی پکڑ کر مت چلائیں۔ دنیا کو قیس کرنے دیں وغیرہ وغیرہ۔" انہوں نے برا مانتے ہوئے اس کے کہے جملے دہرائے۔

وہ ایک دم چپ ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ اچانک اسے کل کی بات یاد آگئی تھی۔ کل سعد سے ایک کتاب لینے وہ اس کے گھر گئی تھی۔ وہ اسٹڈی میں اس کی مطلوبہ کتاب ڈھونڈ رہا تھا۔ اس کام میں شاید پانچ سات منٹ لگے ہوں گے۔ اس دوران باتوں باتوں میں اس نے یونہی سرسری سا اس بات کا ذکر کیا تھا کہ ڈرائیور دو دن کی چھٹی پر جا رہا ہے۔ اس وقت تو ایسا لگا تھا کہ کتاب ڈھونڈتے ہوئے سعد نے اس کی بات اتنی توجہ سے سنی بھی نہیں تھی۔ اس وقت جب کل کی بات یاد آئی تو پتا چلا کہ اس نے بات صرف سنی ہی نہیں تھی بلکہ اسے یاد بھی رکھا تھا۔ وہ یونیورسٹی میں اپنے پیریڈز اور شاید دوسری بہت سے مصروفیات چھوڑ کر اس کی وجہ سے آیا تھا اور اپنے خاص طور پر اس کے لیے آنے کو جتانا بھی نہیں چاہتا تھا۔

"تمہاری یہ عادت کبھی نہیں بدل سکتی سعد۔" ہمیشہ کی طرح اس نے سعد کی دوستی پر فخر محسوس کیا پھر وہ فوراً" ہی اس کے گھر فون کرنے بیٹھ گئی۔

"سعد تو آج دیر سے آنے کا کہہ کر گیا ہے۔ کہہ رہا تھا شام ہو جائے گی۔" فون آنٹی نے اٹینڈ کیا تھا اور اس کے سعد سے متعلق استفسار کے جواب میں یہ بات بولی تھیں۔

"کوئی ضروری کام ہے تو تم اسے موبائل پر کال کر لو۔" آنٹی نے اسے مشورہ دیا تھا۔ آنٹی سے گفتگو ختم کر کے اس نے سعد کا موبائل نمبر ملایا تھا۔

"دور ہو گئی ناراضی۔" کسی قسم کے سلام آداب اور ہیلو میں الجھے بغیر وہ چھوٹتے ہی یہ جملہ بولا۔

"تم نے بتایا کیوں نہیں تھا کہ تم خود سے آئے ہو۔" اس نے شکوہ کیا۔

"میں کیوں بتاتا اور تمہارے خیال سے تو میں تمہاری فکر اسی وقت کرتا ہوں جب نانی امی یا کوئی اور مجھ سے کہتا ہے۔" جواباً" اس نے بھی شکوہ کیا تھا۔

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ)

ملاقات ہوتی ہے' جو ضوفشاں کو جھیل میں ڈوبنے سے بچانے کے لیے چھلانگ لگادیتا ہے۔ اس دلیری پر وہ اس سے متاثر ہوجاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ دونوں شادی کا فیصلہ کرلیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس شادی کی پُرزور مخالفت ہوتی ہے۔ مگر ضوفشاں کسی طور اپنے والد کی بات ماننے کو تیار نہیں ہوتی۔ اگرچہ البرٹ مسلمان ہوچکا ہوتا ہے۔ اور عبدالرحمٰن اس کا اسلامی نام ہوتا ہے۔ بہرحال ضد کے نتیجے میں ان دونوں کی شادی کردی جاتی ہے۔ مگر اس کے والد اپنی بیٹی سے ہمیشہ کے لیے جدا ہونے کا فیصلہ کرکے اسے رخصت کردیتے ہیں۔ آٹھ سال بعد ضوفشاں اور عبدالرحمٰن حادثے میں ہلاک ہوجاتے ہیں۔

فریا کو اپنے والدین کے بارے میں تمام حقائق جان کر اطمینان ہوجاتا ہے۔ ایک رات اس کے نانا ابا کو زبردست ہارٹ اٹیک ہوتا ہے اس دوران وہ ان کی اتنی خدمت کرتی ہے کہ اس کے نانا ابا کے منجمد احساسات پگھلنے لگتے ہیں۔

کہانی اس موڑ پر آچکی ہے کہ فریا اور سعد منیر جوانی کی دہلیز پر کھڑے ہیں' سعد ایم۔بی۔اے کی لیے کوالیفائی کرچکا ہے جب کہ فریا کالج اسٹوڈنٹ ہے۔

دوسری اور آخری قسط

"آئی ایم سوری سعد۔" اس نے معذرت کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

"انگریزی زبان کا سب سے کثیر الاستعمال لفظ ہے یہ سوری۔ کسی کو بڑی سے بڑی بات بول دو اور پھر بعد میں ایک سوری کہا اور مسئلہ حل۔ اور دوستوں کے خلوص پر شک کرنے کی تمہاری آج کی عادت تھوڑی ہے جو میں اسے محسوس کروں گا۔" سعد نے آنے کا وعدہ کیا ہے لیکن وہ کبھی بھی نہیں آئے گا۔ یہ وقت تو اس کا کھیلنے کا ہوتا ہے۔ وہ میری خاطر اپنا پروگرام کیوں خراب کرے گا۔"

"سعد کو میری سالگرہ یاد نہیں رہے گی۔ اگر گفٹ دینا تو دور کی بات وہ مجھے وش کرنا بھول جائے گا۔ اس کے اتنے بے شمار دوست ہیں۔ اگر ایک ایک کی سالگرہ یاد رکھنے لگا تو ہوگیا کام۔" یہ سب تو سننے کا میں عادی ہوں میڈم اور ہمیشہ کی طرح بغیر برا مانے یہ وضاحت بھی کرنے کا کہ میرے بہت سارے دوست ہیں لیکن ان بہت سے دوستوں میں تم سب سے خاص اور سب سے اہم دوست ہو۔ حالانکہ کتنا انسلٹنگ لگتا ہے گھڑی گھڑی کسی کو اپنے خلوص کا یقین دلانا۔"

اس نے بڑے تپے ہوئے انداز میں فریا کی ٹھیک ٹھاک کھنچائی کی تھی۔

"اچھا اب فون بند کرو۔ مجھے اپنے اسائنمنٹ کے لیے کچھ سروے کرنا ہے اور اس وقت میں اس سلسلے میں ایک فارما سوٹیکل کمپنی جارہا ہوں۔" اس سے بات کرتے ہوئے اسے پہلے ہی اندازہ ہوچکا تھا کہ وہ ڈرائیو کرتے ہوئے بات کررہا ہے اور اب یقیناً وہ اپنی منزل پر پہنچ گیا تھا۔ سعد کی بات سنتے ہی اس نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کردیا تھا۔

☆.....☆☆.....☆

یونیورسٹی میں ایڈمیشن کے لیے اپلائی کرنے سے پہلے اس نے نانا ابا سے پوچھا تھا کہ اسے آنرز کے لیے کس مضمون کا انتخاب کرنا چاہیے۔ "تم ماس کمیونی کیشن (جرنلزم) کہہ رہی تھیں نا۔ وہی ٹھیک ہے۔" نانا ابا نے جواباً کہا تھا۔

"وہ تو میری ٹیچر نے کہا تھا۔ آپ بتائیں۔ مجھے کہاں ایڈمیشن لینا چاہیے۔ جہاں آپ کہیں گے، میں وہیں ایڈمیشن لوں گی۔"

"ماس کمیونی کیشن ہی ٹھیک رہے گا۔ میرا خیال ہے تمہارا رجحان بھی اس طرف ہے۔" نانا ابا نے متانت سے جواب دیا۔

پھر نانا ابا کے مشورے کو سامنے رکھتے ہوئے اس نے ایڈمیشن کے لیے اپلائی کردیا۔ اس کا اپنے مطلوبہ

ڈپارٹمنٹ میں ایڈمیشن ہو گیا تو اس خوشی کو اس سے بھی بڑھ کر نانا ابا اور نانی امی نے منایا تھا۔

"ایسا تو میں نے کوئی کارنامہ نہیں کیا۔" وہ نانا ابا اور نانی امی کے ساتھ شاپنگ سینٹر آئی تھی۔ نانا ابا اسے اس کی پسند کی شاپنگ کروا رہے تھے۔

"ہمارے لیے تو بہت بڑی بات ہے۔ ہماری فریا یونیورسٹی تک پہنچ گئی۔"

اسے ڈھیر ساری شاپنگ کرانے کے بعد انہوں نے ڈنر بھی باہر کیا تھا۔ نانا ابا کے ساتھ اس قسم کی کسی تفریح کا مزہ وہ پہلی مرتبہ لے رہی تھی۔ ان لوگوں کی ایج اب اس قسم کی تفریحات کی نہیں تھی لیکن پھر بھی اس کی خاطر اکثر نانی امی کہیں نہ کہیں باہر کھانے کا پروگرام بنا لیا کرتی تھیں۔ نانا ابا البتہ ان پروگرامز میں کبھی شرکت نہیں کرتے تھے۔ آج جب انہوں نے خود ہی یہ پروگرام ترتیب دیا تو وہ اس بات پر خوش بھی ہوئی تھی اور حیران بھی ہوئی تھی۔

☆.....☆☆.....☆

پہلے روز وہ یونیورسٹی آئی تو دل بہت تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ وہ بہت زیادہ ایکسائیٹڈ تھی۔ یہیں اس یونیورسٹی میں اس کی ماما نے پڑھا تھا۔ ان راہداریوں اور ان درودیوار نے اس کی ماما کو دیکھ رکھا تھا۔ پہلے دن صرف دو تعارفی کلاسز ہوئی تھیں۔ اس کے بعد وہ لوگ فارغ تھے۔

وہ مناہل کو ساتھ لے کر پوری آرٹس فیکلٹی گھومی تھی۔ "بڑی مشہور ہوں میں اپنے ڈپارٹمنٹ میں۔ بلکہ پوری آرٹس فیکلٹی میں۔"

"آپ کسی سے بھی میرا نام لے کر دیکھ لیں۔ وہ فوراً پہچان جائے گا۔"

"پتا نہیں ان درودیوار اور ان لوگوں نے ماما کو یاد رکھا بھی ہے یا نہیں۔" اس نے اپنی آنکھوں کی سطح گیلی ہوتی محسوس کی تھی۔ اپنے ڈپارٹمنٹ واپس آئیں تو اچانک ہی مناہل نے چاٹ کھانے کا پروگرام بنا لیا۔

"کیمسٹری ڈپارٹمنٹ کی چاٹ بہت مشہور ہے۔ چلو کھا کر دیکھتے ہیں۔"

وہ بغیر اختلاف کیے جانے کے لیے تیار ہو گئی لیکن اسی وقت سامنے سے سعد آتا نظر آ گیا اور اسے دیکھ کر وہ فوراً رک گئی تھی۔

"میں نے سوچا تمہارا یونیورسٹی میں پہلا دن ہے۔ تمہیں ویلکم تو کہہ دوں۔" ان دونوں سے ہائے ہیلو کرتا وہ فریا سے مخاطب ہوا تھا۔

"میں چلتی ہوں فریا۔" مناہل کی بات پر سعد نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ اس نے سر ہلا کر اسے خدا حافظ کہہ دیا۔

"تمہاری دوست میری شکل دیکھتے ہی ایسے بھاگی ہے جیسے اس نے مجھ سے قرض لے رکھا ہے اور اب اس سے پہلے کہ میں رقم کا تقاضا کر تا وہ جلدی سے چلی گئی۔" وہ سعد کے چڑنے پر ہنس پڑی۔

"کوئی لڑکی اگر اگنور کر دے تو تم لڑکوں کو تکلیف کتنی ہوتی ہے۔" وہ اس بات پر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہ مزید بولی "مناہل اصل میں میری ہی وجہ سے تم سے چڑنے لگی ہے۔" پھر اس کے بعد وہ اسے غلام رسول والی بات بتانے لگی تھی۔ ساری بات سن کر سعد بھی ہنسنے لگا۔

"یعنی جب میں نہیں ہوتا تب بھی میرا ذکر تو ہوتا ہی ہے۔ تب ہی میں کہوں، مجھے اکثر بیٹھے بیٹھے ہچکیاں کیوں آنے لگتی ہیں۔" کوریڈور میں اس کے ساتھ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا وہ شوخی سے بولا۔

"اچھا لگ رہا ہے نا فری۔ اسکول کے بعد اب پھر ہم لوگ ایک ہی جگہ آ گئے ہیں۔" سعد کی بات پر اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

"کیسا لگا تمہیں اپنا ڈپارٹمنٹ؟"

"آج تو پہلا دن ہے۔ ابھی تو ہر چیز نئی نئی اور اجنبی سی لگ رہی ہے۔ کلاس فیلوز کے نام تک ڈھنگ سے یاد نہیں ہوئے ہیں۔ آہستہ آہستہ ایڈجسٹمنٹ ہو گی۔" سعد کے سوال کا اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"گو نامون اور اجنبیت کی بھی تم نے خوب کہی۔

تمہارے ڈپارٹمنٹ کے بعض لوگوں سے تو میری اچھی خاصی واقفیت ہے۔ جیسے یہ سامنے کھڑے اسٹوڈنٹس کا جو گروپ ہے۔ ان میں جو بلیو کپڑوں میں لڑکی ہے یہ ایم اے فائنل ایڈورٹائزنگ کی حیا اقبال ہے۔ اب اگر تمہارا اس کے نام پر حیران ہونے کا دل چاہ رہا ہے تو شوق سے حیران ہوتی رہو ورنہ سچ یہی ہے کہ یہ "حیا" ہے۔" سعد کی بات سننے کے دوران وہ اس لڑکی کو بغور دیکھتی رہی تھی جو بے حد خنک والے کپڑے پہنے ہوئی تھی۔ شانے پر ایک طرف لاپروائی سے دوپٹہ ڈالا ہوا تھا لیکن اس کا سب سے بڑا مصرف فرش پر جھاڑو دینا تھا اور وہ اپنا مقصد پورا بھی کر رہا تھا۔ ناپسندیدگی سے اس لڑکی کو دیکھنے کے بعد وہ دوبارہ سعد کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"ماں باپ بھی بچوں کے نام بغیر سوچے سمجھے رکھ دیتے ہیں۔" وہ جیسے ابھی تک حیا نام کو انجوائے کر رہا تھا۔

"تمہیں بڑی اس کے بارے میں معلومات ہیں۔ میں بلاوجہ خوش ہو رہی تھی کہ تم مجھ سے ملنے آئے ہو۔ اب پتا چلا یہاں آنا جانا بہت پرانا ہے۔" وہ اس کی دوسرے ڈپارٹمنٹس کی لڑکیوں کے بارے میں انفارمیشن پر طنزیہ انداز میں بولی۔

"میں کیوں خاص طور پر انفارمیشن رکھوں گا۔ اب کوئی بندہ اپنی کسی کوالٹی کی بدولت خود بخود ہی مقبول ہو جائے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ ابھی تو جنوری ہے۔ ذرا گرمیاں آنے دو پھر دیکھنا۔ یہاں پر دوسرے ڈپارٹمنٹس کے لڑکوں کا رش لگے گا۔ اس کے سمر ڈریسز (Summer dresses) کی تو پوری یونیورسٹی میں دھوم ہے۔" سعد کی کمینگی پر غصے کے ساتھ ساتھ اسے بے اختیار ہنسی بھی آگئی۔

"تم لڑکے کتنے خبیث ہوتے ہو سعد! دوسروں کو چھوڑو تم خود ہی تھوڑی شرم کر لو۔"

"اچھا اب شرماؤں بھی میں۔ اور وہ حیا۔۔۔ نام کی رتی برابر بھی لاج نہ رکھے۔۔۔ یعنی سیدھی بات ہے یہ کیٹ واک اور سمر ڈریسز ہم لڑکوں ہی کے لیے ہوتے ہیں اور یہ تو زیادتی ہے کہ اتنا اہتمام ہمارے لیے ہو اور ہم اسے دیکھیں بھی نہیں۔"

"اور کن کن ڈیپارٹمنٹس کی "حیاؤں" سے آپ کی واقفیت ہے سعد منیر۔ لگتا ہے یونیورسٹی میں سارا وقت اسی مصروفیت کی نذر ہو جاتا ہے۔" وہ بڑے طنز سے پوچھ رہی تھی۔

"ارے ابھی تمہیں آئی بی اے کے لڑکوں کی مارکیٹ ویلیو کا پتا نہیں ہے اس لیے یہ بات بول رہی ہو۔ لڑکیاں ہم آئی بی اے کے لڑکوں کی دیوانی ہیں اور اس میں بھی بات اگر میرے جیسے بندے کی ہو، تو سعد منیر جیسے ہینڈسم بندے کو کسی کے پیچھے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے پیچھے لڑکیوں کی لائن ہے۔ یہ تو میں تمہاری وجہ سے یہاں آگیا ہوں۔" وہ اس کے ہینڈسم کہنے پر جھٹ بولی۔

"آئینہ کتنے دنوں سے نہیں دیکھا؟"

"روز دیکھتا ہوں اور وہ ہر روز مجھ سے کہتا ہے "سعد یو آر دا بیسٹ" اور یہ بھی کہتا ہے کہ اگر میری بات کا یقین نہیں تو جا کر فریا عبدالرحمان سے پوچھ لو، وہ بھی یہی کہے گی۔" وہ بڑے پر یقین انداز میں بولا۔ وہ اس کے پر یقین اور اعتماد سے بھرپور انداز پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

پھر جب تک ڈرائیور کے آنے کا ٹائم نہیں ہو گیا وہ دونوں ساتھ رہے تھے۔ گھر پہنچی تو حسب معمول نانی امی گیٹ پر اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ کھانے کے بعد ان کے ساتھ باتیں کرتے کرتے وہ ان کے کمرے ہی میں سو گئی تھی۔

"کیسا رہا تمہارا یونیورسٹی میں پہلا دن؟" ناشتا کی ٹیبل پر ملاقات ہوئی۔ "بہت اچھا۔ میں تو بس سارا وقت یہی سوچتی رہی کہ یہیں میری ملاقات بھی پڑھا ہے۔ بس صرف یہ فرق ہے کہ اس وقت یہ جز نلزم کا ڈپارٹمنٹ کہلاتا تھا اور اب۔"

وہ بے ساختگی میں سوچے سمجھے بغیر بول گئی تھی

اور جیسے ہی اپنی اس بے وقوفی کا احساس ہوا، وہ ایک دم بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئی تھی۔ بہت خوف زدہ نگاہوں سے اس نے ان کی طرف دیکھا۔ اتنی جرات تو کبھی نانی امی کو بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ ان سے بیٹی اور داماد کے بارے میں کوئی بات کر سکیں۔ اس کی تو حیثیت ہی کیا تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلا خوف اور گھبراہٹ نانی امی سے مخفی نہیں تھا۔ انہوں نے فوری طور پر اس کشیدہ صورت حال کو قابو میں کرنے کی کوشش کی۔

"پلاؤ کے لیے یخنی میں نے تیار کر کے رکھی ہوئی ہے۔ چاول تم بگھار لینا۔ اسلم تو چاولوں کا حلوہ بنا دیتا ہے۔ وہ جاپانی لوگ جس طرح کے چپکے ہوئے چاول کھاتے ہیں کچھ کچھ وہی شکل بنا دیتا ہے۔"

مسکراتے ہوئے وہ اس طرح بولیں گویا لمحہ بھر پہلے یہاں کوئی تناؤ پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ نانا لاخاموشی سے چائے پی رہے تھے۔ ان کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

"میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔" نانی امی سے کہتے ہوئے وہ گیٹ کی طرف بڑھ گئے۔ وہ بہت مایوسی اور دل گرفتی کے عالم میں انہیں جاتا ہوا دیکھتی رہی تھی۔

"اب تو آپ انہیں معاف کر دیں نانا لا! میری ماما آپ کی بیٹی تھی تو ہیں۔ اتنے ظالم اور کٹھور مت بنیں۔ پلیز انہیں معاف کر دیں۔ پتا نہیں میں اپنی زندگی میں کبھی آپ کے منہ سے ان کا نام سن بھی پاؤں گی یا نہیں۔ آپ کے لبوں سے جب وہ نام ادا ہو گا تو کتنا خوبصورت لگے گا۔ ضو فشاں۔ آپ کی معافی کے بغیر ان کی روح تک بے چین ہے۔ پتا نہیں یہ میری حد سے بڑھی ہوئی حساس سوچ ہے یا کیا ہے لیکن میں نے ماما کو خواب میں بھی کبھی خوش نہیں دیکھا۔ مجھے ایسا لگتا ہے مرنے کے بعد ان کی روح بے قرار ہے۔ جس روز آپ انہیں معاف کر دیں گے شاید اسی روز ان کی روح قرار پائے گی۔"

لوان ہونے تک وہ لان میں اکیلی بیٹھی رہی۔ لوان کی آواز پر وہ چونکی تو اسے احساس ہوا کہ اتنی دیر سے بیٹھی وہ بے آواز آنسو بہا رہی ہے۔ نانی امی تو نانا لا کے جاتے ہی اندر چلی گئی تھیں۔ دوپٹے سے چہرہ صاف کرتی وہ جلدی سے اٹھ گئی تھی۔

نماز کے بعد وہ دانستہ کچن میں گھسی رہی۔ اسے نانا لا کا سامنا کرتے خوف آ رہا تھا لیکن کھانے کی میز پر تو ان سے سامنا لازمی تھا۔ وہ رائتے کا پیالہ ہاتھ میں لیے ٹیبل پر آئی تو نانا لا کھانے کے انتظار میں بیٹھے نظر آئے۔

"تمہاری نانی امی کہاں رہ گئیں۔ سخت بھوک لگ رہی ہے مجھے۔" ان کا انداز معمول کے مطابق تھا۔

"وہ آ رہی ہیں۔ شاید کسی کا فون آ گیا ہے۔" رائتہ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے اپنی کرسی سنبھالی۔ وہ بڑے غور سے اس کے چہرے پر پتا نہیں کیا چیز دیکھ رہے تھے۔

"کھانے کے بعد واک کرنے چلیں گے۔ پھر واپسی میں آئس کریم کھاتے ہوئے آئیں گے۔" وہ اس کے اندیشوں کو غلط ثابت کرتے بڑے خوشگوار موڈ میں مخاطب تھے۔ اسے کچھ شک سا ہوا کہ شاید انہوں نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر یہ بات پالی ہے کہ وہ روئی تھی۔

"لیکن آپ کو تو میٹھا منع ہے۔" اپنی نظریں ٹیبل پر مرکوز کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"مجھے منع ہے تمہیں تو نہیں۔ تم کھانا، میں تمہیں کھاتے دیکھ کر ہی آئس کریم کا مزہ لے لوں گا۔"

نانی امی ڈائننگ روم میں داخل ہوئیں تو وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ "کس کا فون آ گیا تھا۔ ہم دونوں کی بھوک سے بری حالت ہو رہی ہے۔"

کھانے کے فوراً بعد وہ اسے اپنے ساتھ واک کرنے لے آئے تھے۔ واک کے دوران وہ اسے اپنی یونیورسٹی کے زمانے کی باتیں سناتے رہے تھے۔ وہ ان کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی۔ اسی دوران انہوں نے اسے سپر اسٹور سے بہت ساری آئس کریم بھی دلوائی تھی۔

"اتنی ساری نہیں کھاؤں گی میں نانا ابا۔" کون کھاتے ہوئے اس نے انہیں مزید خریدنے سے روکا۔

"کوئی بات نہیں رکھ رکھ کر کھانا۔" اس کے انکار کو اہمیت دیے بغیر انہوں نے دو تین فلیور کے لیٹر پیکس خرید لیے تھے۔

"آپ میرا وزن بڑھوانے کا پورا پورا بندوبست کر رہے ہیں۔" وہ اس کی بات سن کر مسکرانے لگے۔

"نہیں بڑھے گا وزن۔ یونیورسٹی میں جو خوب چلنا چلانا ہوگا تو خود بخود ہی کیلوریز برن ہو جایا کریں گی۔" ان کے اطمینان دلانے پر وہ بھی ہنس پڑی تھی۔

"کیا نانا ابا کو میرے رونے کا پتا چل گیا تھا۔ اس لیے وہ مجھے بہلانے کی کوشش کر رہے تھے۔" وہ سونے کے لیے اپنے کمرے میں آئی تو ان کے کچھ دیر پہلے کے رویے پر غور کرنے لگی۔ انہوں نے ایسا کچھ کہا نہیں تھا لیکن پھر بھی اسے ایسا لگا جیسے جتنی دیر وہ اسے ساتھ لیے گھومتے رہے ان کی آنکھیں اس سے مسلسل یہی کہتی رہی تھیں۔

"فری! تم رویا مت کرو۔ جب تم روتی ہو تو میرے دل کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔"

☆.....☆☆.....☆

یونیورسٹی میں اس کا زیادہ وقت مناہل کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ وہ بہت دلچسپی اور سنجیدگی سے اپنی اسٹڈیز میں مصروف تھی۔ اپنے ڈپارٹمنٹ کے بعض سینئر پروفیسرز کے بارے میں اسے یقین تھا کہ انہوں نے اس کی ماما کو بھی ضرور پڑھایا ہوگا۔ اگر وہ واقعی اتنی آؤٹ اسٹینڈنگ اسٹوڈنٹ تھیں تو اپنے اساتذہ کو ضرور یاد ہوں گی۔ اچھے طالب علموں کو اساتذہ بھی نہیں بھولتے لیکن وہ ابھی اپنی ماما کے حوالے سے کسی سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔ پہلے وہ خود اتنی اچھی اور آؤٹ اسٹینڈنگ اسٹوڈنٹ بن کر تو دکھائے کہ پروفیسرز فوراً یقین کر لیں کہ ہاں یہ ذہین ترین لڑکی شہوفشاں فاروق ہی کی بیٹی ہو سکتی ہے۔ اسی دھن میں وہ بے تحاشا محنت کر رہی تھی۔ اسی محنت کی

ٹیسٹ یا عام سے اسائنمنٹ کو بھی وہ بڑی سنجیدگی سے لیتی تھی۔ کمرے میں موجود ماما کی ڈھیر ساری کتابیں، ان کے لیکچرز، نوٹس اور اسائنمنٹس کا بھی اکثر وہ فارغ اوقات میں مطالعہ کیا کرتی تھی۔

اسے پڑھائی میں اتنا زیادہ سنجیدہ دیکھ کر سعدیہ اکثر چھیڑنے والے انداز میں کہا کرتا۔ "لگتا ہے ساری محنت گولڈ میڈل اور اخباروں میں تصویر شائع کروانے کے لیے ہو رہی ہے اور سردار علی صابری گولڈ میڈل، تو لازمی ملے گا تمہیں۔"

☆.....☆☆.....☆

فرسٹ سمسٹر کا امتحان دے کر وہ لوگ سیکنڈ سمسٹر میں آچکے تھے۔ اس روز وہ یونیورسٹی سے گھر واپس آئی تو لاؤنج میں نانا ابا اور نانی امی کے ساتھ شجاع انکل اور ایک انجان صورت لڑکا بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے سلام کا سب سے زیادہ گرم جوشی سے جواب شجاع انکل نے دیا تھا۔

"میرا خیال ہے۔ تین چار سال بعد دیکھ رہا ہوں میں تمہیں۔ لاسٹ ٹائم تمہاری آنٹی کے ساتھ کراچی آیا تھا تب دیکھا تھا تمہیں۔" اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"ڈیڈی! اب آپ وہ روایتی جملہ مت بولیے گا کہ تب تم تو اتنی چھوٹی سی تھیں اب اتنی بڑی ہو گئی ہو۔"

ان کے برابر میں خاموشی سے بیٹھا وہ لڑکا یک دم بول اٹھا۔ نانا ابا اور نانی کے لبوں پر اس کی بات سن کر مسکراہٹ دوڑ گئی جبکہ شجاع انکل تو باقاعدہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔

"اچھا ہوا تم نے ٹوک دیا حمزہ! ورنہ میں واقعی یہی بات کہنے والا تھا۔"

انکل کے حمزہ کہنے پر وہ اسے پہچانی تھی اور بے اختیار اس کے لبوں پر بھی انکل کی طرح "حمزہ تم اتنے بڑے ہو گئے" والی بات آتے آتے رہ گئی۔ حمزہ کو اس نے بچپن کے بعد دوبارہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ شجاع انکل اور نازیہ آنٹی سے البتہ اس دوران کئی دفعہ ملنا ہوا تھا۔

تب کے حمزہ لور اب کے حمزہ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اگر وہ شجاع انکل کے ساتھ نہ بیٹھا ہوتا لور وہ اسے حمزہ کہہ کر نہ مخاطب کرتے تو وہ اسے کبھی بھی پہچان ہی نہیں سکتی تھی۔ اس وقت کا دبلا پتا سا بچہ اب ایک ہینڈسم لور اسمارٹ سے لڑکے میں تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ اسے اپنی طرف غور سے دیکھتا پا کر مسکرایا تھا۔

"ہیلو فریا!۔" اس کے ہیلو کے جواب میں اس نے بھی مسکراتے ہوئے ہیلو کہہ دیا۔ وہ لوگ یقیناً لنچ پر اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ کیونکہ نانی امی نے فوراً ہی سب سے کھانے کے لیے کہا تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر وہ بھی ڈائننگ روم میں آگئی۔ شجاع انکل کی نانا لور نانی امی سے باتیں ہو رہی تھیں جبکہ حمزہ بھی اسی کی طرح خاموشی سے کھانا کھاتے ہوئے ان لوگوں کی باتیں سن رہا تھا۔ ان کی باتوں ہی سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ شجاع انکل فیملی کی ایک بہت ہی قریبی شادی میں شرکت کی غرض سے کراچی آئے تھے۔ آنٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لور فرحین اپنے ایگزیمز میں مصروف تھی اسی لیے وہ زبردستی حمزہ کو اپنے ساتھ گھسیٹ لائے تھے جو اپنی گوناگوں مصروفیات کے سبب آنے کے لیے قطعاً تیار نہیں تھا لیکن خاندان کی اتنی قریبی شادی میں تنہا شرکت کر کے وہ رشتہ داروں کی ناراضی مول نہیں لینا چاہتے تھے اسی لیے اس دو روزہ قیام کے لیے اسے بھی ساتھ لے آئے تھے۔

"لور بھئی سنا ہے ماس کمیونی کیشن میں آنرز ہو رہا ہے۔" سوئٹ ڈش کھاتے ہوئے شجاع انکل ایک مرتبہ پھر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اس کے "جی" کہنے پر انہوں نے اس موضوع میں مزید دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"آگے کیا ارادے ہیں۔" ان کا سوال سن کر اس نے ایک پل کے لیے کچھ سوچا۔ پھر سنجیدگی سے بولی۔

"اس کے بعد اسی سبجیکٹ میں ماسٹرز کروں گی۔ ایم اے فائنل میں اسپیشلائزیشن کے لیے پرنٹ میڈیا لوں گی لور انٹرن شپ آپ ہی کے اخبار میں کروں گی۔"

خواتین ڈائجسٹ پبلی کیشنز کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت تحفہ

میری جنت

نور بانو مجبوب

شائع ہو گیا ہے

خوبصورت سرورق مضبوط جلد

آفسٹ چھپائی آفسٹ پیپر

قیمت =/250 روپے

ڈاک خرچ =/25 روپے

کتاب منگوانے کا پتا

مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار

کراچی فون: 2216361

وہ اس کے بے تکلفانہ انداز پر محظوظ ہوتے ہوئے قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

"صرف انٹرن شپ کیوں۔ تم جاب بھی وہیں کرنا۔" میز پر موجود باقی تمام افراد بھی اس گفتگو کو انجوائے کر رہے تھے۔

شجاع انکل آئے تو نجی کام سے تھے لیکن اس دو دن کے مختصر ترین پروگرام میں بھی وہ اپنے بہت ہی خاص اور قریبی صحافی دوستوں سے بھی مل رہے تھے۔ یوں وہ گھر پر بہت ہی کم وقت رکے تھے، حمزہ بھی اکثر جگہوں پر ان کے ساتھ چلا جاتا تھا۔

اسے حمزہ کے اس طرح ہر جگہ انکل کے ساتھ جانے پر کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ اس سے تھوڑی بہت گفتگو کے بعد ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جرنلزم صرف پڑھ ہی نہیں رہا بلکہ بڑی سنجیدگی سے اس میں کیریر بنانے کا بھی ارادہ رکھتا ہے۔ شجاع انکل کی طرح جرنلزم اس کا شوق، عشق اور جنون سب کچھ تھا۔ جس فیلڈ میں اپنا کیریر بنانے کا وہ سوچ چکا تھا۔ اس سے متعلق تجربہ اور پیشہ ورانہ مہارت دوران تعلیم ہی حاصل کرنے کے لیے وہ شجاع انکل کے ساتھ ساتھ رہا کرتا تھا۔ اس سے پہلے تو اس نے اخبار میں حمزہ شجاع احمد کے نام سے چھپا کوئی آرٹیکل، فیچر یا سروے پڑھنے کی زحمت نہیں کی تھی لیکن اب اس سے ملنے کے بعد وہ اس کے نام سے چھپنے والی تحریروں کو خاص طور پر پڑھنے لگی تھی۔

نانی امی کے بہت ناراض ہونے اور یہ کہنے پر کہ صرف شکل دکھانے کے لیے آنے کی ضرورت ہی کیا تھی، شجاع انکل نے ایک روز مزید قیام کر لیا تھا۔

☆.....☆☆.....☆

حمزہ اکیلا بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا، وہ اسے کمپنی دینے کے لیے لاؤنج میں آ گئی۔ نانا ابا اور شجاع انکل لان میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے جبکہ نانی امی جلدی جلدی رات کے کھانے کا اہتمام کرنے میں مصروف تھیں۔ حمزہ نے اسے آتا دیکھ کر ٹی وی کی آواز ذرا کم کر دی تھی۔

"پڑھائی کے علاوہ کیا مصروفیات ہیں تمہاری، میرا مطلب ہے تمہاری ہابیز کیا ہیں۔" وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"کچھ خاص نہیں ہیں۔ فارغ وقت میں ٹی وی دیکھ لیتی ہوں۔ کبھی کوئی بک پڑھ لی یا انٹرنیٹ پر سرچنگ۔ بس جیسا موڈ ہوتا ہے وہی کام کر لیتی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"آپ تو میرا خیال ہے فارغ وقت میں بھی خبروں اور رپورٹنگ وغیرہ کے بارے میں سوچتے رہتے ہوں گے یا پھر انکل سے اپنے کسی فیچر یا آرٹیکل کے لیے درکار معلومات حاصل کرتے رہتے ہوں گے۔"

ان دو دنوں میں اس نے حمزہ کے بارے میں جو اندازہ لگایا تھا وہ جھٹ بیان کر دیا تھا۔ اس وقت فارغ بیٹھا ہوا بھی وہ بی بی سی پر خبریں دیکھنے میں مگن تھا۔ ایسے میں وہ یہی سوچ سکتی تھی کہ حمزہ خبروں اور اخباروں کے علاوہ کچھ سوچتا ہی نہیں۔ وہ اس کے کمنٹس پر بھرپور انداز میں مسکرایا۔

"اتنا بھی بور نہیں ہوں میں۔ اصل میں ایک دم سے بے تکلف ہونے کی میری نیچر نہیں ہے۔ جو لوگ مجھے زیادہ قریب سے نہیں جانتے۔ وہ مجھے بہت خود پرست اور شاید مغرور بھی سمجھتے ہیں۔ میں ہر ایک سے دوستی نہیں کرتا لیکن جس سے دوستی ہو جائے پھر اس کے ساتھ میں بہت خوش مزاج، زندہ دل اور ہر ٹاپک پر بے تکان بولنے والا شخص بن جاتا ہوں۔" وہ اس کے جملوں پر مسکرائی۔

"اس کا مطلب ہے یہ Communication Ethics اور مختلف ریسرچ رپورٹس پر عالمانہ گفتگو صرف لوگوں کو خود سے دور رکھنے کے لیے ہوتی ہے۔" سعد کی صحبت کا اور کوئی فائدہ ہوا تھا یا نہیں لیکن وہ حاضر جواب اور صاف گو ضرور ہو گئی تھی۔

اس بار وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ "تم بہت چینج ہو گئی ہو۔ مجھے تو تمہارا وہی اسٹائل یاد تھا جب تم اسلام آباد ہمارے گھر آئی تھیں۔ کس طرح ڈری سہمی سارا وقت بڑی امی کے پیچھے چھپی رہتی تھیں۔ ہم لوگ کھیلنے کے لیے بلاتے تو آنے سے منع کر دیتی تھیں۔ مجھے تو

یقین نہیں آرہا یہ آوٹ اسپوکن لڑکی وہی ڈری سہمی سی فریا ہے۔"
حمزہ کے یاد دلانے پر وہ اس وقت کو یاد کر کے مسکرادی۔
"تم اس کے بعد کبھی آئیں کیوں نہیں؟۔"
"آپ لوگ بھی تو کبھی نہیں آئے۔" حمزہ کی بات کا اس نے برجستہ جواب دیا۔
"یہ آپ کیا ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے میں تم سے اتنا بڑا تو ہرگز نہیں ہوں کہ تمہیں میرا احترام کرنا پڑے۔" حمزہ نے اسے فوراٹوکا۔
"دراصل میری بھی کچھ کچھ آپ کی جیسی عادت ہے۔ ایک دم سے بے تکلف ہو جانا مجھے بھی اچھا نہیں لگتا۔ آپ کے تو پتا نہیں دوستوں کی تعداد کتنی ہے لیکن میرے دوستوں کی تعداد بہت کم ہے۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولی۔
"تو پھر ایسا کرو، مجھے بھی دوستوں کی اس مختصر سی فہرست میں شامل کرلو اور اب یہ آپ وغیرہ بالکل مت کہنا۔"
حمزہ کے دوستانہ انداز پر اس نے سر ہلادیا۔
لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر آتے سعد کو دیکھ کر وہ خوش ہو گئی۔ یقیناً ان میں اس کی نانا ابا سے دعا سلام ہو چکی تھی اور انہوں نے ہی اسے فریا کی لاؤنج میں موجودگی کے بارے میں بتایا تھا۔ "یہ سعد ہے۔ ابھی ہم دوستوں کی بات کر رہے تھے نا۔ بس یہ سمجھ لیں کہ سعد میرا سب سے پرانا اور سب سے اچھا دوست ہے۔" اس کے تعارف کرانے پر حمزہ نے کھڑے ہو کر بڑی خوش دلی سے سعد سے ہاتھ ملایا تھا۔
"میں حمزہ ہوں۔ آپ کی دوست کا کزن اور آج سے دوست بھی ہوں۔ یوں سمجھ لیں فریا کی دوستوں کی کتاب میں تازہ ترین اضافہ ہوں۔"
جواب میں سعد نے بھی خوشگوار انداز میں مسکراتے ہوئے اس سے ہائے ہیلو کی اور پھر سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔ "آج ایک بہت ہی مشکل Presentation سے جان چھٹی ہے۔ میں نے سوچا فراغت کی خوشی میں تھوڑا سا تمہارا بھیجہ کھایا جائے۔" اس نے فریا سے کہا۔
"کیا پڑھ رہے ہیں آپ؟"
"میرا ایم بی اے آنرز اختتام کے قریب ہے۔ بس ایگزیمز ہونے ہی والے ہیں۔" حمزہ کے استفسار پر سعد نے اپنی پڑھائی کے متعلق بتایا تھا۔
"پتا ہے سعد، حمزہ فیوچر کا بہت بڑا جرنلسٹ ہے۔ یہ نانا ابا کی پیشن گوئی ہے اور تمہیں تو پتا ہی ہے وہ جس کسی کے بھی بارے میں جو رائے دیتے ہیں وہ ہمیشہ درست ثابت ہوتی ہے۔" اس نے نانا ابا کی کہی بات سعد کو بتائی۔
"پھر تو ہم لوگوں کو ان سے ڈرنا چاہیے۔ اگلے وقتوں میں شریف لوگ پولیس، تھانہ، عدالت کے نام سے ڈرا کرتے تھے اب صحافیوں سے بھی ڈرنا پڑتا ہے۔ بڑی پاورز ہوتی ہیں بھئی ان لوگوں کے پاس۔ پوری حکومتی مشینری کو ہلا کر رکھ سکتے ہیں۔ ویسے اب ذکر چھڑا ہی ہے تو ذرا اس بارے میں تو بتائیں کہ یہ آج کل جو یلو جرنلزم اور پاپارازیوں کا ایشو بہت زبردست طریقے سے اچھالا جاتا ہے اس سب کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟۔"
حمزہ، سعد کی بات کے جواب میں بڑی روانی سے بولنا شروع ہو گیا۔ فریا، حمزہ کی بات دلچسپی سے سن رہی تھی لیکن نانی امی نے اسے کچن میں بلا لیا تو وہ اس گفتگو سے محروم کچن کی طرف چلی گئی تھی۔ نانی امی کی مدد کرانے کے ساتھ ساتھ اس نے ان دونوں کے لیے چائے بھی تیار کرلی تھی۔ چائے لے کر آئی تو وہ دونوں شعیب اختر کے بولنگ ایکشن پر باتیں کر رہے تھے۔
"کیا زبردست اسپیڈ ہے آپ لوگوں کی۔ اتنی جلدی کھیلوں کی خبروں تک پہنچ گئے۔" سینٹر ٹیبل پر ٹرے رکھتے ہوئے اس نے کہا۔ حمزہ اس کی بات سن کر ہنسنے لگا جبکہ سعد ٹرے میں سے کپ اٹھا کر جلدی جلدی چائے پینے لگا۔ حمزہ نے اس کی بے تکلفی کو دلچسپی سے دیکھا۔ فریا نے کپ اٹھا کر حمزہ کو پکڑا لیا تھا۔ اس نے شکریہ کے ساتھ کپ لے لیا تھا۔ جب تک

اس نے پہلا گھونٹ لیا سعد کپ خالی کر چکا تھا۔
"چلتا ہوں میں فری! تم تو کچن میں بزی ہو۔ میں ذرا آج جم کے فرینڈز سے مل آؤں۔ بڑے دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔"
وہ فوراً ہی اٹھ گیا تھا۔
رخصت ہوتے وقت شجاع انکل نے اسے بڑے پیار سے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خوب ساری دعاؤں کے ساتھ خدا حافظ کہا۔ ان سے وہ جب بھی ملی اس نے ان کے انداز میں شفقت اور محبت کے علاوہ کوئی تیسری چیز نہیں پائی تھی۔ حالانکہ اصولاً انہیں اس سے نفرت ہونی چاہیے تھی۔ شاید وہ بہت اعلا ظرف تھے یا پھر وہ ضوفشاں کی محبت آج بھی ان کے دل میں کہیں چھپی بیٹھی تھی اور یہی محبت اس کی بیٹی سے اچھے سلوک اور محبت و شفقت کے لیے مجبور کرتی تھی۔ اگرچہ وہ ایک شادی کی تقریب میں شرکت کے لیے آئے تھے لیکن پھر بھی اس کے لیے تحائف لانے نہیں بھولے تھے۔
"محبت شاید اسی بے اختیاری کیفیت کا نام ہے۔ جس میں انسان کوئی بھی نفع نقصان سوچے بغیر مبتلا ہو جاتا ہے ورنہ آپ میں ایسی کوئی کمی نہیں کہ ماما آپ کو چھوڑ دیتیں۔"
ان کے جانے کے بعد وہ کافی دیر تک انہیں کے بارے میں سوچتی رہی۔

☆.....☆☆.....☆

سعد کی فیملی نے امریکہ میں مستقل رہائش اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ یہ بات سنتے ہی پریشان ہو گئی تھی۔ ان کے لیے وہاں سیٹل ہونا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ آنٹی اور انکل دونوں کے بہن بھائی سالہا سال سے وہیں مختلف ریاستوں میں مقیم تھے۔ خود سعد اور زوہیب کی پیدائش بھی امریکہ کی تھی۔ سعد اور زوہیب کی ابتدائی تعلیم بھی وہیں ہوئی تھی۔ سعد آٹھ سال کا تھا جب آنٹی انکل پاکستان آ گئے تھے اور اب ایک مرتبہ پھر انہوں نے واپس وہیں چلے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
شروع شروع میں جب اس کے کانوں میں اس بات کی بھنک پڑی تو اس نے زیادہ نوٹس نہیں لیا۔ پچھلے دو تین سالوں میں وہ دو تین مرتبہ یہ ایشو اٹھتا اور پھر ختم ہوتا دیکھ چکی تھی لیکن حواس باختہ تو وہ تب ہوئی جب لب کی بار اس نے اس ایشو کو وہ رخ بجائے عملی جامہ پہنتے دیکھا۔ اگرچہ سعد نے آنٹی انکل کے ساتھ جانے کے لیے منع کر دیا تھا لیکن اپنی فیملی کے بغیر اکیلا یہاں پر کب تک رہ سکتا تھا۔ اس کا ایم بی اے مکمل ہو جائے گا تو پھر وہ بھی وہیں جانے کی کرے گا۔ سعد نے اس کے شکوک و شبہات کے جواب میں سنجیدگی سے کہا تھا۔
"فی الحال تو میں کہیں نہیں جا رہا ہوں۔ جب جانے لگوں گا تب تم رونا دھونا مچا لینا۔" اس نے یہ یقین ہرگز نہیں دلایا تھا کہ وہ ہمیشہ یہیں رہے گا لیکن وہ ابھی سے اس آنے والے وقت تو سوچ کر رو رہی تھی جب سعد آنٹی انکل کے پاس امریکہ چلا جائے گا۔ زوہیب جانے پر بہت خوش تھا۔ وہاں جا کر کسی اچھی یونیورسٹی میں بہترین تعلیم اور کوئی اعلا ترین ڈگری حاصل کرنے کا سوچ کر ہی وہ مسرور تھا۔ آنٹی سعد کے ساتھ نہ جانے پر بہت ناراض تھیں۔
"اگر سعد ساتھ چل رہا ہوتا تو ہمارا ارادہ تھا کہ گھر کرائے پر دے دیں گے۔ وطن سے رابطہ تو قائم رہنا چاہیے۔ سگے بہن بھائی، ہم دونوں میاں بیوی کے یہاں نہیں ہیں۔ لیکن پھر بھی کبھی وطن کی کشش کھینچے گی تو آئیں گے تو سہی۔ یہی سوچ کر گھر فروخت نہ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ دیکھیں سعد شاید ایم بی اے کر کے وہیں ہمارے پاس آ جائے پھر گھر کرائے پر دے دیں گے۔ ابھی تو سب کچھ یونہی چھوڑ کر جا رہے ہیں۔"
آنٹی، انکل جانے سے پہلے ان لوگوں کے گھر بیٹا اور نانی امی سے ملنے آئے تھے۔ تب آنٹی نے یہ بات نانی امی سے کہی تھی۔
ان لوگوں کے جانے کے بعد اسے ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا کہ کسی روز سعد اچانک اسے اپنے لاس

اینجلس جانے کی اطلاع دے گا اور وہ خاموش کھڑی روتے ہوئے اسے جاتا دیکھتی رہ جائے گی۔

گھر والوں کے جانے کے بعد اسے بوریت زیادہ ہی تنگ کرتی تو وہ ان لوگوں کے گھر آجایا کرتا۔ نانی امی کا تو وہ شروع سے فیورٹ تھا اب وہ اس کے کھانے پینے کا زیادہ ہی دھیان رکھنے لگی تھیں۔ جب بھی کوئی خاص ڈش بنتی فوراً فریا کو حکم دیا جاتا کہ سعد کو بھی فون کر کے بلالو۔ یونیورسٹی جانے کے لیے صبح اٹھانے کی ڈیوٹی اس نے فریا کے سپرد کی تھی۔

"ممی کی ڈانٹوں کے بغیر اٹھنے کی عادت ہی نہیں ہے۔ وہ سر پر کھڑی ہو کر چیخ چیخ کر اٹھاتی تھیں تب ہی اٹھتا تھا۔ الارم تو مجھ پر کوئی اثر کرتا ہی نہیں ہے۔ فخرو سے کہہ کر بھی دیکھ لیا کہ بھائی صبح جگا دیا کرو لیکن وہ موصوف خود ممی کے جانے کے بعد آزادی کے مزے لے رہے ہیں۔ اب انہیں تو کسی یونیورسٹی، کالج جانا نہیں ہوتا لہٰذا عیش ہیں ان کے۔ مصیبت تو میری ہے۔ روز انسٹی ٹیوٹ لیٹ پہنچ رہا ہوں۔ تم پلیز فون کر دیا کرو اور بیل ہونے دیا کرو اس وقت تک جب تک کہ میں تنگ آکر فون اٹھا نہ لوں۔"

اسے صبح اٹھنے میں کبھی کوئی مشکل نہیں ہوتی تھی۔ نانا ابا اور نانی امی سے اس نے صبح خیزی سیکھی تھی۔ اسی لیے اس نے بڑے اطمینان سے یہ ذمہ داری قبول کر لی تھی اس کے ڈھیٹ پن کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ ایک ہی وقت میں اس کے موبائل اور گھر کے فون پر نمبر ملایا کرتی تھی۔ ایک ہاتھ میں موبائل اور دوسرے میں کارڈلیس لیے وہ اس کی ڈھٹائی کو کوستی فون اٹھائے جانے کا انتظار کرتی پھر جیسے ہی وہ نیند میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہتا۔

"اٹھ گیا ہوں میں۔ گھڑی بھی دیکھ لی ہے۔ پاکستان اسٹینڈرڈ ٹائم صبح کے ساڑھے سات بج رہے ہیں۔"

تو وہ اسے یہ نصیحت کر کے کہ "اب دوبارہ سو مت جانا"۔ فون بند کر دیا کرتی۔ اس کی بدولت اب وہ جلدی تیار ہونے اور اپنے انسٹی ٹیوٹ پہنچنے لگا تھا۔ اس میں اس کے پاس اتنا ٹائم نکلنے لگا تھا کہ وہ اسے لینے کے لیے آجاتا۔ اکثر اب وہ یونیورسٹی سعد ہی کے ساتھ جاتی تھی۔ کسی دن وہ لینے کے لیے جلدی پہنچ جاتا اور وہ ابھی تیار نہ ہوئی ہوتی تو وہ اندر آجاتا۔ نانی امی اسے زبردستی ناشتے کی میز پر بٹھا لیتیں۔

"میں ناشتہ کر کے آیا ہوں نانی امی۔" وہ انہیں یقین دلاتا۔

"ارے ماں یہاں نہیں ہے۔ نوکروں نے کیا ناشتہ کرلیا ہوگا۔ یہ سوجی میدے کے پراٹھے بنائے ہیں میں نے۔ ذرا سا چکھ لو۔" ان کے محبت بھرے اصرار پر وہ چکھنے کے بجائے پورا پراٹھا ہی کھانے بیٹھ جاتا۔

"آپ بلاوجہ اس کی فکر کر رہی ہیں، ناشتہ تو اس نے کبھی زندگی میں کیا ہی نہیں ہے۔ ہر روز آنٹی سے اس بات پر ڈانٹ کھا کر اسکول، کالج اور پھر یونیورسٹی جاتا تھا کہ تھوڑا جلدی اٹھ جاتے تو یہ بھاگ دوڑ تو نہ مچتی۔ کم از کم سکون سے ناشتہ تو کر لیتے۔ یہ تو میری بدولت اسے ناشتہ کرنے، ڈھنگ سے تیار ہونے اور صبح کے سہانے منظر کو انجوائے کرنے کا موقع ملنے لگا ہے۔"

وہ اپنا بیگ اور فائل، ٹیبل پر سے اٹھاتے ہوئے کہتی۔ سعد جواباً اسے غصے سے گھورتا۔ کبھی کبھار اندر آجانے اور ناشتے کے لیے بیٹھ جانے پر سعد کی نانا ابا کے ساتھ اخبار کی کسی خاص خبر یا کسی اہم واقعہ کے بارے میں گفتگو بھی ہو جایا کرتی تھی۔

نانی امی کے برخلاف اس کی نانا ابا سے بالکل بھی بے تکلفی نہیں تھی اور بہت سے لوگوں کی طرح وہ بھی ان سے کچھ خائف رہا کرتا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی مؤدب ہو کر سنبھل سنبھل کر بات کرنے لگتا تھا۔ فریا اور نانی امی اس کے شریفانہ انداز اور محتاط طرز گفتگو پر زیر لب مسکرایا کرتیں۔ نانی امی سے تو وہ اس درجہ بے تکلف تھا کہ بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی سے انہیں کے سامنے فریا کو یہ بات بتائی تھی کہ آج کل اس کے کمپیوٹر کے ڈسک ٹاپ پر جو لیاریا لٹس کی جگہ اینا کورنیکوا نے لے

لی ہے۔
جیسے ہی سعد امتحانوں سے فارغ ہوا اس نے آنٹی انکل کے پاس بھاگنے کی کی۔ وہ خاموشی سے اس کے جانے کی تیاریاں دیکھ رہی تھی۔ اس کا ایم بی اے مکمل ہو چکا تھا۔ اب یہاں رہنے کا جواز ہی کیا تھا۔ اگر وہ رہنے کے ارادے سے جا نہیں بھی رہا تھا لیکن وہاں جا کر اس کا ارادہ بدل بھی تو سکتا تھا۔ حالانکہ جب وہ خدا حافظ کہنے گیا تو نانا کے استفسار کے جواب میں اس نے یہی کہا تھا کہ ایک دو ماہ میں وہ واپس آجائے گا۔ اس کا پاکستان چھوڑ کر کہیں اور سیٹل ہونے کا ارادہ نہیں۔ واپس آکر وہ یہیں کسی جگہ جاب کے لیے اپلائی کرے گا لیکن جب اس کے پاس وہاں کی شہریت تھی، اس کے ماں باپ اور بھائی بھی وہیں تھے تو اسے یہاں واپس آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

"میں واپس آؤں گا فری۔" وہ گیٹ تک اسے چھوڑنے آئی تو گیٹ کے پاس رک کر براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے یہ بات کہی۔ وہ اس کی بات پر گڑبڑا گئی۔ وہ اس کی جس عادت سے چڑتا تھا۔ وہ ہر بار اسی کا ارتکاب کر لی اس کے ہاتھوں پکڑی جاتی تھی۔

"مجھے پتا ہے کہ تم واپس آؤ گے۔" اس نے اسے جھٹلانے کے لیے مصنوعی اعتماد کا سہارا لیا تھا۔

"پتا تو ہے تمہیں لیکن یقین نہیں ہے اور یہ یقین میں کیسے دلاؤں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا۔ یار! میں یہاں سے کیوں جاؤں گا۔ مجھے یہاں کیا تکلیف ہے۔ ٹھیک ہے بہت زیادہ محب وطن میں نہیں ہوں لیکن اگر اپنے ہی ملک میں انسان صحیح سے سیٹ ہو۔ جاب وغیرہ بھی ٹھیک ہو تو پھر کسی دوسرے ملک میں رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس معاملے میں تم مجھے قناعت پسند کہہ لو۔ میں پاکستان سے کہیں نہیں جانے والا۔"

وہ بڑی بردباری سے اسے اپنی واپسی کا یقین دلا رہا تھا۔ اس سے پہلے بھی کتنی مرتبہ وہ چھٹیوں میں امریکہ جاتا تھا تب کبھی دل کو یہ دھڑکا نہیں لگا تھا کہ وہ واپس نہیں آئے گا۔ اس بار یہ خوف بڑی شدت سے دل میں جاگا تھا۔ لیکن جب اس نے اتنے مستحکم دوٹوک انداز میں واپس آنے کا کہا تو اس نے یقین کر لیا تھا اور اس کا یہ یقین غلط بھی نہیں ثابت ہوا تھا۔ وہ واقعی چھٹیاں گزار کر واپس آگیا تھا۔

اس نے جاب کے لیے اپلائی کیا اور یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے بہت بہترین جاب وہ بھی اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر مل گئی تھی۔ بہت مشکل تحریری امتحان اور انتہائی سخت قسم کے انٹرویو کے مراحل سے گزرنے کے بعد اسے اپنی من پسند جاب ملی تھی۔ اس کی جاب پر فریا اس سے زیادہ خوش تھی۔ اس نے سعد کی کامیابی کے لیے بہت ساری دعائیں مانگی تھیں۔ اس کی ذہانت اور اس کی صلاحیتوں پر تو اسے کوئی شبہ نہیں تھا لیکن یہ بھی معلوم تھا کہ یہاں اکثر ذہانت، صلاحیت اور اہلیت رکھنے والوں کو پیچھے دھکیل کر نااہل اور ناکارہ لوگوں کو آگے کر دیا جاتا ہے۔ وہ اس بات سے ڈر رہی تھی لیکن شکر تھا کہ سعد کے معاملے میں ایسا کچھ نہیں ہوا۔

☆.....☆☆.....☆

وہ لاؤنج میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔ جب فون کی بیل بجی تھی۔ دوسری طرف سے آتی حمزہ کی آواز وہ فوری طور پر پہچان نہیں پائی تھی اس کے تعارف کروانے پر ہی وہ پہچانی تھی۔

"بہت لمبی عمر ہے تمہاری۔ میں ابھی تمہارا آرٹیکل پڑھتے ہوئے تمہارے ہی بارے میں سوچ رہی تھی۔" اس نے بے ساختہ کہا۔

"کیا سوچ رہی تھیں؟" اس نے لمبی عمر اور آرٹیکل کی بات چھوڑ کر سوچنے کے بارے میں پوچھا۔

"بس یہی کہ تم بہت اچھا لکھتے ہو۔ پتا نہیں کون سا وقت ہوگا جب میں تمہاری طرح لکھ سکوں گی۔ اتنا اپ ٹو ڈیٹ اور اس قدر مکمل معلومات۔ تمہارا لکھا کچھ بھی پڑھوں تو یہی احساس ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے بہت سی محنت اور ڈھیر ساری ریسرچ کارفرما ہے۔" وہ اس کے تبصرے پر مسکرایا۔

"تعریف کا بہت بہت شکریہ۔ ویسے تمہاری یہ

رہا تھا۔ حمزہ اس کے فارمل انداز اور اخلاقیات کے اس مظاہرے پر دھیمی سی ہنسی ہنسا۔

"میں اتنا بڑا لارڈ تو نہیں کہ میرے آنے پر لوگ اپنے اپنے کاروبار زندگی چھوڑ کر گھر بیٹھ جائیں۔ نہ ہی میں کوئی مہمان ہوں۔ تم آرام سے یونیورسٹی جاؤ۔ اس وقت تو میں خود بھی اپنے آفیشل کام سے آیا ہوا ہوں۔ تھوڑی دیر میں، میں بھی گھر سے چلا جاؤں گا۔ لیکن اگر صرف گھومنے پھرنے یا چھٹیاں انجوائے کرنے آیا ہوتا تب بھی اس چیز کو پسند نہ کرتا کہ تم میری وجہ سے اپنا روٹین چینج کرو۔"

نانا ابا اور نانی امی ان دونوں کی گفتگو کے دوران خاموشی سے چائے پیتے رہے تھے۔ وہ سر ہلاتی سب کو خدا حافظ کہتی باہر نکل گئی۔

حمزہ سے پھر اس کی ملاقات رات کے کھانے پر ہوئی تھی۔ نانی امی نے بتایا تھا کہ وہ صبح گیارہ بجے کا گھر سے نکلا ہوا تھا اور یہ بات کہہ کر گیا تھا کہ اس کی واپسی کا کوئی فکس ٹائم نہیں ہے لہٰذا کھانے پر اس کا ہرگز انتظار نہ کیا جائے۔ وہ لوگ کھانا شروع کر چکے تھے جب حمزہ آیا تھا۔

"صحیح وقت پر آگیا میں۔" وہ جلدی سے ہاتھ دھو کر ان لوگوں کے ساتھ شریک طعام ہو گیا۔

"میں نے کچھ خاص اہتمام بھی نہیں کیا۔ تمہارا اپکا پتا ہی نہیں تھا کہ کھانا گھر پر کھاؤ گے کہ نہیں۔ فری کہنے لگی۔ فضول میں کیوں محنت کر رہی ہیں۔ جس روز حمزہ کا کنچ یا ڈنر گھر پر کرنے کا کنفرم ہو اس روز اہتمام کر لیجیے گا۔" نانی امی نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"میں بڑا سیدھا سادا سا بندہ ہوں بڑی امی! اور کھانے پینے کا زیادہ شوقین بھی نہیں ہوں۔ یقین کریں اس وقت میز پر جو جو ڈشز موجود ہیں میرے حساب سے تو یہ بھی بہت زیادہ ہیں اور اس عمر میں آپ سے پکوا کر کھاؤں، آپ میری خاطر یں کریں۔ مجھے تو یہ بات بالکل اچھی نہیں لگے گی۔"

اس نے بڑی متانت سے ان کا افسوس دور کرنے کی کوشش کی۔ پھر کچھ سوچ کر وہ مسکرایا اور ایک نظر خاموشی سے کھانا کھاتی فریا پر ڈال کر ان سے بولا۔

"ہاں، اگر آپ فریا سے میرے لیے اچھے اچھے دعوتی کھانے پکوائیں تو پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ پھر اگر آپ روزانہ بھی میرے لیے خاص اہتمام کروائیں گی تو میں برا نہیں مانوں گا۔"

نانا ابا، حمزہ کے شرارتی انداز پر بے ساختہ ہنس پڑے۔ نانی امی کے لبوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔ وہ اس کی شرارت کے جواب میں فوراً بولی۔

"اہتمام تو مہمانوں کے لیے کیا جاتا ہے اور تم خود صبح اپنے آپ کو مہمانوں کی لسٹ سے نکلوا چکے ہو۔ دعوتی کھانے پکانے تو مجھے یوں بھی نہیں آتے۔ سیدھے سادے بندے کو سیدھی سادی پاکستانی ڈشز کھلا سکتی ہوں۔ مثلاً اس وقت میز پر موجود ماش کی پھریری دال میں نے ہی پکائی ہے۔ کوفتے البتہ نانی امی نے بنائے ہیں اور اس کے بعد سوئٹ ڈش میں جو پڈنگ کھانے کو ملے گی وہ بھی میں نے ہی بنائی ہے۔"

حمزہ اس کے سیدھے سادے بندے کہنے پر کھل کر ہنسا تھا۔ کھانے کے بعد وہ سب لاؤنج میں بیٹھ گئے۔ فریا سب کے لیے کافی بنا کر لائی تھی۔

"تمہاری پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟" اس کے ہاتھ سے کپ لیتے ہوئے حمزہ نے پوچھا۔

"پڑھائی بالکل ٹھیک چل رہی ہے۔" وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"صرف ٹھیک نہیں بلکہ انتہائی بہترین۔" نانا ابا نے اس کا جواب سنتے ہی حمزہ سے کہا۔ "آنرز کا آخری سمسٹر ہے اس کا اور پچھلے تمام سمسٹرز میں نہایت شاندار مارکس لیے ہیں اس نے۔"

نواسی صاحبہ کسر نفسی سے کام لینے کے موڈ میں تھیں لیکن نانا ابا نے اس کی اس کوشش پر پانی پھیر دیا۔ وہ ان کی تعریف پر بجائے فخر سے سر اونچا کرنے کے سر جھکا کر کافی پینے لگی۔

"ہر سمسٹر میں اپنی کلاس میں فرسٹ پوزیشن لی ہے فری نے۔" نانا ابا تعریفوں کے پل باندھنے میں مصروف تھے۔ حمزہ ان کی تعریفوں سے زیادہ اس کے

ایکسپریشنز کو انجوائے کر رہا تھا۔ وہ اس طرح لاپروائی سے سر جھکائے کافی پینے میں مصروف تھی جیسے یہ کسی اور کے بارے میں بات ہو رہی ہو اور اس بات سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

لوگ بغیر کوئی قابل ذکر کارنامہ سرانجام دیے میاں مٹھو بنے پھرتے ہیں اور وہ اپنی بالکل جائز تعریف پر بھی شرمندہ سی بیٹھی ہوئی تھی۔ حمزہ کو اس کا یہ انداز بہت اچھا لگا تھا۔

☆.....☆☆.....☆

حمزہ کو آئے چار دن ہو گئے تھے اور اس دوران اس کی حمزہ سے بہت کم ملاقات ہو پائی تھی۔ صبح وہ یونیورسٹی جاتی تو وہ سویا ہوا ہوتا اور رات گئے جب وہ واپس آتا تو وہ سو چکی ہوتی۔ اس کی اپنے کام کے ساتھ جس قسم کی کمٹمنٹ تھی ایسے میں ان تینوں میں سے کوئی بھی اس کے اس شیڈول اور روٹین کا برا نہیں مان رہا تھا۔ وہ یہاں کام سے آیا تھا اور کام بھی ایسا جو بہت محنت طلب اور پوری توجہ کا متقاضی تھا۔ نانی امی کو بھی اس نے اپنے لیے جاگنے اور انتظار کرنے سے منع کر دیا تھا۔ یہ اور بات کہ جب تک وہ آ نا جاتا نانا لالا اور نانی امی اپنے کمرے میں اس کی واپسی کا انتظار کرتے رہتے تھے۔

اس روز شام میں وہ اور نانی امی لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں جب حمزہ گھر آیا تھا۔

"میں سوچ رہا تھا اس طرح تو میرے جانے کا وقت آجائے گا۔ فریا سے تو بالکل ملاقات ہی نہیں ہو پا رہی۔ اسی لیے آج جلدی واپس آگیا۔ بڑے لالا اور بڑی امی سے تو روزانہ صبح میں تفصیلی ملاقات ہو جاتی ہے۔ گیارہ بارہ بجے تک تو میں گھر پر ہی ہوتا ہوں۔"

سلام دعا کے فوراً بعد اس نے کسی استفسار کے بغیر خود ہی اپنی جلدی واپسی کا سبب بتا دیا۔

"پھر تو مجھے شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ آپ نے میرے لیے اپنی اتنی بے شمار مصروفیات میں سے وقت نکالا ہے۔" اس نے احسان مندی کا مصنوعی قسم کا مظاہرہ کیا۔

"تمہارے لیے نہیں، تم سے ملنے کے لیے۔" حمزہ نے تصحیح کرنی ضروری سمجھی۔

"کیا فرق پڑتا ہے بات تو ایک ہی ہے۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔ حمزہ جواباً مسکراتے ہوئے خاموش ہو گیا تھا لیکن اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ان دونوں باتوں میں بہت فرق سمجھتا ہے۔ نانی امی نے اس سے حمزہ کے لیے چائے لانے کو کہا تو اس نے چائے کے لیے منع کر دیا۔

"چائے کا میرا کچھ خاص موڈ نہیں۔ البتہ کہیں باہر جانے کے موڈ میں ضرور ہوں۔ تم نے تو مجھے کراچی میں کوئی بھی جگہ نہیں دکھائی۔ بڑی بے مروت ہو۔ کبھی ہمارے ہاں آنا پھر دیکھنا ہم تمہیں کس طرح پورے شہر کی سیر کروائیں گے۔"

وہ فریا سے مخاطب تھا۔ وہ اس کے شکوہ کے جواب میں اسے اس کی عدیم الفرصتی کے حوالے سے کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن وہ اس سے پہلے ہی دوبارہ بول پڑا۔

"ہاں روزانہ میں خود بھی گھر پر نہیں ہوتا ہوں لیکن آج گھر پر بھی ہوں اور فارغ بھی ہوں۔"

اسے جواب دے کر وہ نانی امی سے اجازت لینے لگا۔ "کیوں بڑی امی ہم لوگ کہیں باہر جا سکتے ہیں؟"

انہوں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ دونوں پورچ میں آئے تو گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے وہ حمزہ سے بولی۔

"چار دن سے تم سارا سارا دن شہر کی خاک چھان رہے ہو۔ ابھی بھی کراچی گھومنے کا شوق پورا نہیں ہوا۔"

"تمہارے اس سوال کا جواب میں ابھی دیتا ہوں لیکن پہلے ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں۔" وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے دوسری طرف کا دروازہ کھول چکی تھی۔ اس بات پر اس نے سوالیہ نظروں سے حمزہ کو دیکھا تھا۔

"اگرچہ کہ یہاں میزبان تم اور مہمان میں ہوں۔ مجھے یہاں کے راستوں کا بھی تم سے بہتر علم نہیں ہو سکتا۔ لیکن پھر بھی اگر تم مائنڈ نہ کرو تو گاڑی مجھے ڈرائیو

نے دو۔ اس بات پر تم چاہے مجھے بہت روایتی قسم کا تنگ نظر مرد ہی کیوں نہ سمجھو لیکن میری موجودگی میں اگر تم نے ڈرائیو کیا تو میری مردلنہ انا بہت ہرٹ ہو گی۔ یار! بہت پڑھ لکھ کر بھی ہم بعض معاملات میں عورتوں کو خود سے پیچھے دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ نام نہاد مردلنہ حاکمیت اور کچھ کچھ انا کا مسئلہ ہے۔"

وہ ڈرائیونگ سیٹ کے پاس کھڑا اپنی تنگ نظری اور محدود ذہنیت کا اتنے مزے سے اعتراف کر رہا تھا کہ وہ ایک پل کے لیے حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔ وہ اتنی لمبی تقریر کے بغیر بھی اگر صرف یہی کہہ دیتا کہ گاڑی مجھے ڈرائیو کرنے دو تب بھی بات تو اس کی سمجھ میں آ ہی جاتی لیکن وہ اپنی روایتی سوچ کا اپنے منہ سے اعتراف کر کے اسے ہنسنے پر مجبور کر گیا تھا۔ بغیر کچھ کہے وہ ہنستے ہوئے گاڑی سے اتر گئی۔ اس کے اترتے ہی وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ برابر والی سیٹ پر بیٹھی تو اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"ہاں اب تمہارے سوال کا جواب۔" گاڑی ریورس کرتا ہوا وہ بولا۔ "کام سے باہر جانے میں بہت فرق ہے۔ اس وقت میرا ذہن بالکل فارغ اور تفریح کے موڈ میں ہے۔ اس وقت میں ہر چیز کو انجوائے کروں گا جبکہ کام سے مختلف جگہوں پر جانے کے دوران میرا ذہن مصروف ہوتا ہے۔"

وہ اس کی طرف گردن موڑے اس کا جواب سن رہی تھی۔ گاڑی ٹرن کرتے ہی سعد اپنی گاڑی میں نظر آیا۔

"یہ سعد تھا نا۔" وہ حمزہ کی اتنی اچھی یادداشت پر حیران ہوئی۔ صرف ایک دفعہ اس سے مل کر اسے وہ نام کے ساتھ یاد تھا۔ سعد نے بھی ان لوگوں کو دیکھ لیا تھا۔ اس کے "ہاں" کہنے پر حمزہ نے گاڑی سائڈ میں روک لی تھی۔ اسے گاڑی روکتے دیکھ کر سعد نے بھی گاڑی روکی اور پھر ریورس کر کے ان لوگوں کی طرف آگیا تو حمزہ گاڑی سے فوراً اتر گیا تھا۔ اسے سعد کے ساتھ اس قسم کے میٹر زبر تنے کی قطعاً ضرورت نہ تھی اس لیے بیٹھے بیٹھے ہاتھ ہلا دیا تھا اور اب اطمینان سے ان لوگوں کی رسمی گفتگو سننے لگی تھی۔

حمزہ نے اسے اپنی کراچی آمد کی وجہ مختصر الفاظ میں بتائی اور جواب میں سعد نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی۔ سعد کی گفتگو کا انداز بہت رسمی سا تھا، اتنا زیادہ فارمل طریقے سے بات کرنا اس کا اسٹائل نہیں تھا۔ وہ اس کے پوز کرنے پر دل ہی دل میں ہنسی تھی۔

وہ یقیناً آفس سے واپس آ رہا تھا۔ بلیک پینٹ، بلو شرٹ اور بلو ٹائی میں وہ بہت زبردست لگ رہا تھا۔ برابر والی سیٹ پر رکھا بلیک کوٹ بھی اسے صاف نظر آ رہا تھا۔ لباس کے معاملے میں وہ سدا کا لاپروا تھا۔ جینز اور ٹی شرٹ کے علاوہ اس نے اسے کبھی کسی اور لباس میں نہ دیکھا تھا۔ ایسے میں یہ مہذبانہ اور بڑی توجہ سے کی گئی تیاری، اسے بہت مختلف اور سوبر سا ظاہر کر رہی تھی۔

"اس کی کولیگز تو ضرور اس پر فدا ہوتی ہوں گی۔ انہیں تو یہ خوب ہی ہینڈسم لگتا ہوگا۔" وہ دل میں یہ سوچتی کہ سعد سے اکیلے میں بات ہو گی تو ضرور پوچھے گی کہ آفس میں کتنی لڑکیاں اس ڈریسنگ اور اس اسٹائل پر فدا ہوتی ہیں۔ ان لوگوں کو آپس میں ہاتھ ملاتے اور خدا حافظ کہتے دیکھتی رہی۔ حمزہ واپس گاڑی میں بیٹھا تو وہ اپنی سوچوں سے باہر نکلی۔ کچھ دیر وہ اس سے سعد کی جاب کے بارے میں بات کرتا رہا۔

"کسی قابل بندے کو اس کی قابلیت کے حساب سے درست جگہ پر دیکھو تو بہت خوشی ہوتی ہے۔ اور ہمارے ہاں اس قسم کی خوشی کے مواقع بڑے کم میسر آتے ہیں۔"

وہ اپنے خیالات کا بڑی سنجیدگی سے اظہار کر رہا تھا۔ موسم بہت خوشگوار تھا ایسے موسم میں سی ویو آنا مزید اچھا لگ رہا تھا۔

"میں نے تمہارا آرٹیکل پڑھا تھا۔ اچھا لکھا ہے تم نے۔" وہ تیز ہوا میں چہرے پر آئی لٹوں کو ہاتھ سے پیچھے کر رہی تھی۔ جب اس کے ساتھ چلتے ہوئے حمزہ نے یہ بات کہی۔

اس سے اپنے آرٹیکل کا ذکر سن کر وہ خوش ہوئی تھی۔ جس اخبار میں اپنا لکھا ہوا چھپوانے کا اسے کافی

عرصے سے شوق تھا، اس میں اپنا آرٹیکل چھپ جانے پر وہ بے حد خوش تھی۔ اس سے پہلے اس کے تین چار آرٹیکلز، چھوٹے موٹے میگزینز اور نسبتاً کم سرکولیشن والے اخباروں میں چھپ چکے تھے لیکن اس کی شدید خواہش کسی لیڈنگ نیوز پیپر میں چھپنے کی تھی۔ اور اس کی یہ خواہش آخر پوری ہو ہی گئی تھی۔ اس اخبار کا نوجوانوں کے لیے جو ویکلی میگزین شائع ہوتا تھا اس میں اس کا آرٹیکل چھپا تھا۔

"ویسے تو کوئی نہ بھی بتاتا تب بھی تمہارا آرٹیکل میری نظروں سے ضرور گزرتا۔ لیکن کل میرے اخبار دیکھنے سے پہلے ہی بڑے ابا نے مجھے تمہارے آرٹیکل کے بارے میں بتایا۔ پھر تو میں نے سارا اخبار ایک طرف رکھ کر تمہارا آرٹیکل پڑھا تھا۔" اس کے ساتھ ٹہلتے ہوئے وہ گویا ہوا۔

"بہت شوق تھا مجھے اپنی کوئی تحریر یہاں چھپوانے کا۔ میرا بہت دل چاہتا تھا کہ جو اخبار بچپن سے میں اپنے گھر آتے دیکھ رہی ہوں۔ اور اس میں لکھنے والے تمام لوگ مجھے بڑے جانے پہچانے سے لگتے ہیں ان کے درمیان میں اپنا نام بھی شائع ہوتا دیکھوں لیکن یہ بڑے اخباروں کے نخرے بھی بڑے ہوتے ہیں۔ ہم جیسے نوآموز صحافت کے طالب علموں کو یہ لوگ ذرا کم ہی لفٹ کرواتے ہیں۔ میرے کتنے کلاس فیلوز تو اپنے آرٹیکلز بھیجنے کے بعد مہینوں سے چھپنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں تو پھر بھی خوش قسمت ہوں کہ پہلی مرتبہ کچھ بھیجا اور وہ پبلش بھی ہو گیا۔ حالانکہ میں اتنا ڈر رہی تھی۔"

حمزہ اس کی بات بہت توجہ سے سن رہا تھا۔

"ویسے تم اپنے کنفیوژن دو، میرے انداز تحریر کے بارے میں۔ بے شک تنقید کرو، میں ہرگز برا نہیں مانوں گی۔ ایسی تنقید جو اصلاح کے لیے کی جائے اسے میں بالکل برا نہیں سمجھتی۔" وہ اب اپنے مضمون کی خوبیاں اور خامیاں جاننا چاہ رہی تھی۔ حمزہ کی ذہانت قابلیت اور پیشہ ورانہ مہارت سے تو وہ ازحد متاثر تھی اس لیے اس کی رائے وہ ضرور جاننا چاہتی تھی۔

"سوچ لو، تم خود مجھے تنقید کی دعوت دے رہی ہو اور میری کی جانے والی تنقید سے ابھی تم واقف نہیں ہو۔ اگر میں نے اپنے مخصوص بے لاگ انداز میں تبصرہ اور تنقید کی تو تم ضرور ناراض ہو جاؤ گی۔" وہ تنقید کی دعوت ملنے پر مسکراتے ہوئے بولا۔

"کہہ تو رہی ہوں، میں ناراض نہیں ہوں گی۔" اب تو وہ اس کا تبصرہ سننے پر اور بھی زیادہ مصر تھی۔ نانا ابا اور دوستوں نے تو اس کے لکھے کی بہت تعریف کی تھی۔ لیکن حمزہ اس طرح کہہ رہا ہے تو اس کا مطلب ہے اس میں بہت سی چیزیں قابل تنقید ہیں۔ وہ دل میں سوچ رہی تھی۔ وہ اس کے چہرے پر پھیلے تجسس اور تھوڑی سی اس بات کی ٹینشن کہ ابھی اس پر نہایت کڑی تنقید کی جانے والی ہے کو دیکھ کر زیر لب مسکرا دیا۔

"اگر یہ سوچ کر تمہارے آرٹیکل کو جج کروں کہ یہ تمہاری ابتدا ہے تو پھر مجھے اس میں کوئی بات تنقید کے قابل نظر نہیں آ رہی پھر میں اسے اے پلس دوں گا۔ اور اگر اس بات کو ذہن سے نکال کر تمہاری تحریر کا تجزیہ کروں تو بعض باتوں پر مجھے شدید اختلاف ہے۔ بعض جگہ ایک ہی بات دو تین بار کہی گئی ہوتی محسوس ہوئی ہے۔ کہیں کہیں تم اپنے موضوع سے ہٹ بھی گئی ہو۔ لیکن اوورآل اگر میں تبصرہ کروں تو یہی کہوں گا کہ تم نے بہت اچھا لکھا ہے۔ اس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ آگے تم کیا کیا کر گزرنے والی ہو۔" کوئی کڑی تنقید نہ ہونے پر اس نے ایک گہری طمانیت بھری سانس لی۔

"ایک چیز اور نوٹ کی ہے میں نے تمہاری۔" وہ مزید گویا ہوا تو وہ سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔ "تم دل سے سوچتی ہو فریا!" وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ وہ خاموشی سے اس کے مزید بولنے کی منتظر تھی۔

"ہر دہشت گرد مسلمان ہی کیوں ہوتا ہے۔" تم نے اس موضوع پر بڑی حساسیت اور اپنی تمام تر سوچوں کو دل کے تابع کر کے لکھا ہے۔"

"کیا اس موضوع پر حساس ہونا اور دل سے سوچنا

ناجائز ہے۔" وہ اس کی بات سن کر بحث کرنے والے انداز میں پوچھنے لگی۔

"میں نے یہ نہیں کہا کہ یہ غلط ہے۔ دراصل لوگوں کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں۔ ایک وہ جو دماغ کو اوّلیت دیتے ہیں ہر کام عقل و شعور کی بنیاد پر کرنا پسند کرتے ہیں اور دوسرے تمہاری طرح کے جن کا دماغ اور تمام سوچیں دل کے تابع ہوتی ہیں۔ وہ سوچنے کا کام بھی دل سے ہی لیتے ہیں۔ ایسے لوگ بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ یعنی ذرا نادر و نایاب قسم کے۔ اور تم لوگوں کی اس نایاب بلکہ کمیاب کیٹیگری سے تعلق رکھتی ہو۔ تم زندگی میں ہر وہ کام کرو گی جو تم سے تمہارا دل کرنے کو کہے گا اور دل کے اس کہے کے آگے تم اپنا کوئی نفع نقصان اور کسی عقل و دانش کو قبول نہیں کرو گی۔"

صرف ایک آرٹیکل پڑھ کر وہ اس کی پوری شخصیت کا تجزیہ کرنے لگا تھا۔ اپنے بارے میں یہ بات اسے خود نہیں معلوم تھی، اس لیے اس نے اس بارے میں مزید بحث یا اختلاف نہیں کیا۔ لیکن ایک بات اس نے حمزہ سے ضرور پوچھی۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہو سکتا ہے یہ سچ ہو کہ میں دل سے سوچتی ہوں لیکن حمزہ! کیا دل سے سوچنا بری بات ہے۔ جو لوگ دل کی مانتے ہیں کیا وہ کم عقل اور بے وقوف ہوتے ہیں۔ ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں؟" اس کی بے حد سنجیدگی سے پوچھی گئی بات کے جواب میں وہ بڑے مضبوط لہجے میں فوراً بولا۔

"لوروں کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن تمہارے بارے میں یہ بات ہنڈرڈ پرسنٹ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تمہارا دل تمہیں کبھی کوئی غلط مشورہ نہیں دے گا۔ مجھے یقین ہے کہ دل سے سوچنے کے باوجود بھی تم کبھی نقصان نہیں اٹھاؤ گی۔"

"صرف ایک آرٹیکل پڑھ کر تم نے میرے بارے میں اتنے سارے اندازے لگا لیے۔ میں حیران ہوں۔" وہ متحیر سی بولی۔

"یہ صرف ایک آرٹیکل پڑھ کر لگائے جانے والے اندازے نہیں ہیں۔ پہلے بھی تمہارے بارے میں میری یہی رائے تھی اب تو اس رائے پر میں مزید کنفرم ہوا ہوں۔"

"تم نے میرے اس سے پہلے والے آرٹیکلز بھی پڑھے ہیں لیکن وہ کسی خاص اخبار میں تو نہیں چھپے تھے۔"

وہ اس کی بات کا یہی مطلب سمجھی تھی کہ وہ اس کے پچھلے آرٹیکلز کا حوالہ دے رہا ہے۔ وہ اس کا سوال سن کر مسکرا لیا لیکن جواب میں بولا کچھ نہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ وضاحت چاہنے کے لیے مزید سوال کرتی وہ جلدی سے بولا۔

"بھوک لگ رہی ہے۔ چلو چل کر کچھ کھاتے ہیں۔"

وہ اس موضوع کو کسی اگلی نشست کے لیے اٹھا رکھنے کا سوچتے ہوئے اس کی کھانے والی بات کا جواب دینے لگی تھی۔ کچھ دیر بعد جب وہ دونوں ایک ریسٹورنٹ میں داخل ہو رہے تھے تو وہ بہت سنجیدگی اور بردباری سے حمزہ کو مخاطب کر کے بولی۔

"اگرچہ کہ یہاں میزبان میں اور مہمان تم ہو۔ لیکن چونکہ میرے بل پے کرنے سے تمہاری مردانہ انا کو سخت تکلیف پہنچنے کا شدید خطرہ ہے اس لیے میں از خود تمہیں یہ موقع دے رہی ہوں کہ بل تم پے کرو۔ ہر وہ جگہ جہاں خرچا بچنے کا امکان ہو میں موقع محل کے حساب سے میزبان اور مہمان دونوں بن جاتی ہوں۔ اس معاملے میں میرے ساتھ انا وغیرہ کا کوئی مسئلہ نہیں۔"

وہ اس کی برجستگی کو انجوائے کرتا ہوا ہنسنے لگا۔ وہ واقعی اپنی کہی بات کے عین مطابق بڑی شان بے نیازی سے ایک میز منتخب کرتی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ جبکہ حمزہ کاؤنٹر پر کھڑا ان دونوں کی ٹرے تیار کروا رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ بھی تمام مطلوبہ اشیاء لے کر میز پر آگیا۔

"ایک تو یہ برگر ہی میرا فیوریٹ ہے۔ اس پر سے یہ کہ اس کا بل بھی میری جیب سے ادا نہیں ہوا، اس لیے ہمیشہ سے بھی زیادہ مزے کا لگ رہا ہے۔"

وہ بڑے مزے سے کھاتے ہوئے بولی۔ برگر کے لیے اس کی پسندیدگی کا سن کر حمزہ نے ایک اور برگر لانے کا پوچھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ایسی خوش خوراک بھی نہیں ہوں میں۔"

بہت خوشگوار ماحول میں کھانا کھا کر وہ دونوں گھر واپس آ گئے تھے۔

☆.....☆☆.....☆

"نیوز تو ٹائپ ہو گئی۔ اب کالم بنا لیے جائیں۔" مانیٹر پر سے نظریں ہٹا کر وہ مناہل سے بولی۔

"ہاں کالم بنائیے۔ پھر نیوز Cut and Raste کیجیے، کیا بوریت ہے یار۔" مناہل نے منہ بناتے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا تھا کمپیوٹر لیب میں اس وقت ان کی Subbing کی کلاس ہو رہی تھی۔ وہ اس کام کو جتنا انجوائے کرتی تھی۔ مناہل اتنا ہی اس سے چڑتی تھی۔

"اگر یہی حال رہا تو تم پیج میکنگ سیکھ چکیں۔" دوبارہ مانیٹر کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اس نے اسے ڈانٹا تھا۔

"تم کافی ہو نا یہ سب سیکھنے کے لیے۔ نیوز کہاں لگنی ہے؟ کتنے کالمز کی ہونی چاہیے؟ اشتہار کس جگہ ایڈجسٹ کرنا ہے؟ یہ کوئی لڑکیوں کے پڑھنے والا مضمون ہے۔ لڑکیاں تو ہلکے پھلکے مضامین پڑھتی ہوئی اچھی لگتی ہیں۔ پتا نہیں کیا خناس سمایا تھا جو میں اتنی مشکل پڑھائی میں آ کر پھنس گئی۔"

وہ دونوں ایک ہی "پی سی" استعمال کر رہی تھیں لیکن کام صرف فریا کر رہی تھی۔ مناہل سوائے بولنے کے کچھ نہیں کر رہی تھی۔ کلاس ختم ہونے پر سکون کا سانس لیتی وہ یوں اٹھی جیسے اس سے پہلے کتنی محنت کر رہی تھی۔ وہ اسے گھورتی ہوئی لیب سے باہر نکل آئی۔ لیکن پہلے ہی قدم پر اسے ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔ کوریڈور میں کچھ ہی فاصلے پر سعد کھڑا ہوا تھا۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر بے تحاشا حیران ہوتی تیزی سے اس کے پاس آئی۔ ایسی کیا بات ہو گئی جو سعد یونیورسٹی آیا ہے۔ اس وقت تو اسے اپنے آفس میں ہونا چاہیے تھا۔

"سب خیریت تو ہے سعد؟"

"آپ کی دعاؤں کی بدولت سب خیریت ہی خیریت ہے۔" اس کے سیدھے سادے سوال کا بڑے تپے ہوئے انداز میں جواب دیا گیا تھا۔ وہ اس کے چہرے پر نظر آتی برہمی اور ناراضی کو تعجب سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا بات ہو گئی ہے سعد! اتنے اکھڑے اکھڑے سے کیوں ہو رہے ہو۔" وہ ناراضی کی وجہ نہیں جانتی تھی لیکن یہ بات تو صاف پتا چل رہی تھی کہ وہ اس سے ناراض ہے۔

"کوئی بات نہیں ہوئی یونہی میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" وہ ان ہی بگڑے تیوروں سمیت بولا۔

"اس طرح سے کیوں بات کر رہے ہو تم۔ کیا کر دیا ایسا میں نے جس پر تم یوں خفا ہو رہے ہو۔" وہ اس کے بلاوجہ اکڑنے پر آخر کار چڑ گئی تھی۔

"تم کل اس ایڈیٹ کے ساتھ کہاں جا رہی تھیں۔ یونہی ذرا آؤٹنگ کا پروگرام ہے ہمارا۔"

اس نے حمزہ کے لہجے کی نقل اتاری۔ وہ حمزہ کے لیے اتنے برے الفاظ استعمال کرنے پر اسے غصے سے دیکھ رہی تھی لیکن وہ اس کے غصے کو نظر انداز کر کے اسی برہم سے انداز میں بولا۔

"بڑی سیریں ہو رہی ہیں۔ میں پانچ دن سے تمہارا فون نہ آنے پر یہی سمجھتا رہا کہ پڑھائی میں بزی ہو۔ خود بھی جان کر اسی لیے فون نہیں کیا کہ کہیں میری وجہ سے تمہاری پڑھائی ڈسٹرب نہ ہو جائے۔ یہ بات تو کل معلوم ہوئی کہ مصروفیت پڑھائی کی نہیں۔ حمزہ شجاع احمد کے ساتھ سیر و تفریح کرنے کی ہے۔"

وہ اس کی اتنی فضول باتوں پر سخت غصے میں آ گئی۔

"تم ہوش میں تو ہو سعد! تم یہاں پر مجھ سے یہ اتنی گھٹیا باتیں کرنے آئے ہو۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے تمہاری پست ذہنیت پر۔ وہ میرا کزن ہے۔ ہمارے گھر مہمان ہے۔ میرا فرض بنتا ہے کہ میں اسے کمپنی دوں اور اگر میں اس کے ساتھ کہیں گئی تھی تو اپنے گھر

والوں کی اجازت سے گئی تھی۔ تمہارے بے شمار دوست ہیں میرے علاوہ۔ تم ان کے ساتھ جہاں مرضی جاتے ہو گھومتے پھرتے ہو۔ میں نے کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔ پھر میرے بارے میں بھی کوئی اعتراض کرنے کا تمہیں قطعاً کوئی حق نہیں ہے۔"

وہ بغیر کسی لحاظ کے بولتی چلی گئی تھی۔ سعد نے بڑی خاموشی اور سنجیدگی سے اس کی بات سنی۔ پھر وہ بغیر کچھ کہے تیزی سے واپس مڑ گیا تھا۔ اسے تیز تیز قدم اٹھا کر جاتے دیکھ کر وہ یک دم ہی اپنا غصہ اور خفگی بھول گئی تھی۔ یوں خاموشی سے کسی جگہ سے چلے جانا سعد کا مزاج نہیں تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ سعد نے اس لہجے میں اس کے ساتھ کبھی بات نہیں کی تھی لیکن اس کی یہ خاموشی اور گہری سنجیدگی اسے بوکھلا گئی۔ اس نے بے اختیار اسے زور سے آواز دی۔ وہ اس کی آواز نظر انداز کر کے اسی رفتار سے چلتا کوریڈور کے آخری سرے پر پہنچ کر مڑ گیا تھا۔ وہ اس سے ناراض ہو کر جا رہا ہے۔ یہ سوچ دوسری ہر سوچ پر حاوی تھی۔ وہ تیزی سے چلتی اس کے پیچھے آئی تھی۔ چلتی بھی کیا تقریباً بھاگتی ہوئی۔

"میری بات سنو سعد۔"

اس نے اسے ہاتھ پکڑ کر روکا۔ کتنے لوگوں نے اس کی اس حرکت پر اسے تعجب سے دیکھا تھا۔ لوگوں کی نگاہوں اور اپنے یوں بھاگنے پر شرمندہ ہوتے ہوئے اس نے اس کے ہاتھ پر سے اپنا ہاتھ واپس ہٹا لیا۔

"تم میرے ساتھ اس طرح سے بی ہیو کیوں کر رہے ہو؟" وہ اس کی آنکھوں سے جھانکتی خفگی دیکھ کر روہانسی ہو گئی تھی۔

"پلیز، اس طرح سے ناراض ہو کر مت جاؤ۔"

"میں تم سے ناراض نہیں ہوں فریا۔"

وہ اس کی طرف دیکھے بغیر اسی سنجیدگی سے بولا۔ وہ اس کے اجنبیت بھرے انداز پر ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔ اور سب کے لیے وہ فریا ہو سکتی تھی لیکن سعد تو اسے کبھی اس نام سے نہیں پکارتا تھا۔ کتنی غیریت اور دوری کا سا احساس ابھرا تھا اس کے یوں نام لینے پر۔ وہ اس کے چہرے پر بکھرے ملال کو نظر انداز کر کے چلا گیا تھا جبکہ وہ ہنوز وہیں کھڑی ہوئی تھی۔

گھر واپس آ کر اس نے بے شمار مرتبہ سعد سے اس کے موبائل پر بات کرنی چاہی تھی۔ لیکن وہ فون اٹینڈ ہی نہیں کر رہا تھا۔ یقیناً اس کا نمبر دیکھ کر ہی وہ کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ رات میں اس کے گھر فون کیا تو بھی فخرو نے یہی جواب دیا تھا کہ سعد گھر پر نہیں ہے۔ پتا نہیں وہ سچ بول رہا تھا یا جھوٹ۔ لیکن اسے یہی لگا کہ اسے سعد نے ہی بات کرنے سے منع کیا ہو گا۔ چھوٹی موٹی تکرار تو ان کے درمیان اکثر ہو جایا کرتی تھی۔ لیکن اس طرح سے ان دونوں میں سے کوئی بھی کبھی ایک دوسرے سے ناراض نہیں ہوا تھا۔ ان کی دوستی میں خاموش ناراضی کا کوئی گزر نہیں تھا۔ کسی کو کسی کی کوئی بات بری لگتی تو منہ پر برا بھلا کہہ کر اسی وقت معاملہ ختم کر دیا جاتا تھا۔ پھر اب وہ اس طرح کیوں کر رہا تھا۔ اس روز نہ اسے اپنی فیوریٹ بریانی اچھی لگی نہ پڑھنے میں دل لگا اور نہ ہی پرسکون نیند آئی۔

صبح وہ یونیورسٹی جانے کے لیے معمول سے پہلے گھر سے نکل گئی تھی۔ اس نے گاڑی سعد کے گھر پر روکی۔ اسے یقین تھا کہ اس وقت وہ اسے گھر پر ضرور مل جائے گا۔ ابھی وہ آفس کے لیے نہیں نکلا ہو گا اور گھر پر اس کے سامنے کھڑے ہو کر وہ یہ بھی نہیں کہہ سکے گا کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔ آنٹی انکل کے جانے کے بعد وہ سعد کے گھر بہت کم آتی تھی۔ ان کی دوستی میں ایسی کوئی بات موجود نہیں تھی لیکن وہ لوگوں کی ذہنیت تو تبدیل نہیں کر سکتی تھی اس لیے خود ہی محتاط ہو گئی تھی۔ یہاں وہ کبھی مہمان نہیں سمجھی گئی تھی۔ چوکیدار نے فوراً ہی اس کے لیے گیٹ وا کر دیا۔ وہ پورے استحقاق سے اندر آ گئی۔ لاؤنج سے ہوتی وہ کچن کی طرف آئی تو فخرو جلدی جلدی انڈا فرائی کر رہا تھا۔ ساتھ ساتھ کچھ گنگنا بھی رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ گنگناہٹ کو بریک لگ گئے تھے۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم اسلام۔ سعد گھر پر ہے یا ابھی بھی واپس

نہیں کیا۔" اس کا انداز سراسر طنزیہ تھا۔ وہ اس کے طنزیہ انداز پر بوکھلاتے ہوئے جلدی سے گردن ہلا گیا تھا۔

"وہ اپنے کمرے میں تیار ہو رہے ہیں لیکن۔"

لیکن سے آگے وہ ہچکچا کر چپ ہو گیا۔ اس سے منہ پر یہ بات کہہ نہیں پا رہا تھا کہ کل شام سے وہ گھر سے کہیں نہیں گئے اور انہوں نے کسی سے بھی ملنے اور فون پر بات کرنے سے منع کر رکھا ہے اور "کسی" کی اس کیٹیگری میں آپ بھی شامل ہیں۔

وہ اس کا جواب سن کر سیدھی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے کمرے کا دروازہ تھپتھپایا تو اندر سے فوراً اجازت مل گئی تھی۔ وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔ وہ گلے میں ٹائی لٹکائے ڈریسنگ ٹیبل کے پاس کھڑا دراز میں سے کچھ نکال رہا تھا۔ اس کے حسب سے اندر آنے والی شخصیت فخر و کی ہونی چاہیے، تھی اس لیے کسی خاص توجہ سے سر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں تھا۔

"آپ گھر میں موجود ہیں یا کہیں گئے ہوئے ہیں بہت ضروری کام سے۔ واپسی کا بھی کچھ کہہ نہیں سکتے۔ کب ہو گی۔"

وہ اس کے پاس آ کر رک گئی۔ سعد نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر کوئی جواب دیے بغیر اپنا رخ شیشے کی طرف کر لیا۔ گلے میں جھولتی ٹائی کو سیدھا کر کے وہ جلدی جلدی ٹائی باندھنے لگا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے برش اٹھا لیا۔ وہ جیسے یہاں موجود ہی نہیں تھی۔ بالوں میں برش کرتا وہ اس وقت کمرے میں خود کو تنہا پوز کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کتنا بھی ناراض ہے لیکن اسے صبح صبح اپنے گھر میں دیکھ کر فوراً ہی ساری ناراضی بھول جائے گا۔ لیکن اس کا رویہ اس کے خیالات کی نفی کر رہا تھا۔ اسے رسٹ واچ پہننے کے بعد والٹ جیب میں ڈالتے دیکھ کر وہ بہت دکھی ہوئی تھی۔ وہ اسے نظر انداز کر کے جانے کے لیے مکمل تیار تھا۔ اس کا دل ایک دم بھر آیا۔

"مجھ سے بات کرو سعد! لڑو، جھگڑو، برا بھلا کہو لیکن ایسا اجنبیت بھرا سلوک تو مت کرو۔" وہ آنکھوں میں آنسو لیے اس کے پاس کھڑی تھی۔

"تم سے لڑنے کا مجھے کوئی حق نہیں ہے بلکہ میں تو تم پر سرے سے کوئی حق رکھتا ہی نہیں ہوں۔" وہ اس کے پاس سے ہٹ کر ہینگر میں سے اپنا کوٹ نکالنے لگا۔

"تم مجھ پر ہر طرح کا حق رکھتے ہو۔ مجھ سے لڑنے کا، جھگڑا کرنے کا، باز پرس کرنے کا، نانا ابا اور نانی امی کے بعد تم ہی وہ واحد شخص ہو جسے میں نے اپنے بارے میں ہر طرح کا حق دے رکھا ہے۔" اس کی بدگمانی پر فریا کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

"غصے میں انسان بہت سی باتیں بغیر سوچے سمجھے بول دیتا ہے، اس کے الفاظ کا وہ مطلب نہیں ہوتا۔ میں نے غصے میں ایک بات یونہی بول دی اور تم نے اسے دل پر لے لیا۔ اسے سچ سمجھ لیا۔"

وہ روتے ہوئے بولی۔

اسے روتا دیکھ کر اس کے کوٹ پہنتے ہاتھ بالکل ساکت ہو گئے تھے۔ کوٹ بیڈ پر اچھالتا وہ تیزی سے اس کے پاس آیا۔ وہ ایک طرف کھڑی سر جھکائے روئے چلی جا رہی تھی۔ ساری دنیا میں یہی وہ واحد شخص تھا جس سے اس نے اپنے آنسو کبھی نہیں چھپائے تھے۔ جب کبھی وہ دکھی ہوئی اس نے خود کو تنہا محسوس کیا، آنسو بہانے کے لیے ایک کندھا تلاشا تو اپنے سب سے نزدیک اس شخص کو پایا تھا۔ نانا ابا اور نانی امی کے سامنے وہ کبھی نہیں روئی تھی۔ انہیں اپنے آنسوؤں سے دکھی کرنا اسے کبھی اچھا نہیں لگا تھا لیکن اس کے پاس بیٹھ کر وہ رو بھی سکتی تھی اپنے دل کی ہر بات کہہ بھی سکتی تھی۔ اسی لیے اس وقت جب وہ اس کے سامنے کھڑی رو رہی تھی تو نہ اپنے رو پڑنے پر شرمندہ تھی نہ اس سے اپنے آنسو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ آنسو ہمیشہ اسی نے خشک کیے تھے تو پھر آج بھی اسے ہی کرنے تھے۔ سعد نے ہاتھ پکڑ کر اسے بیڈ پر بٹھایا۔ پھر وہ پلٹ کر فریج میں سے پانی کی بوتل نکال کر اس کے لیے پانی نکالنے لگا تھا۔

"پانی پی لو فری۔" وہ گلاس ہاتھ میں لیے اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ اس نے اس کا ہاتھ پیچھے ہٹادیا۔
"نہیں پینا مجھے کوئی پانی ونی۔ اور میں فری کب سے ہو گئی۔ میں تو فریا ہوں نا۔ اسی اجنبی انداز میں نام لو تم میرا۔" وہ روتے ہوئے بلند آواز میں بولی تھی۔
"ابھی خود ہی کہہ رہی تھیں کہ غصے میں انسان بہت سی باتیں سوچے سمجھے بغیر کہہ دیتا ہے۔ مجھے بھی غصہ آگیا تھا تم پر۔" وہ اس کے آنسو صاف کرتا ہوا بولا۔ اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔
"اب کبھی مجھ سے اس طرح ناراض مت ہونا سعد۔" اس کے چہرے سے ناراضی کی دھند چھٹتی دیکھ کر وہ بے اختیار بولی تھی۔ وہ بہت گہری نگاہوں سے اس کی روئی ہوئی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اسے جواب میں خاموش دیکھ کر وہ ایک مرتبہ پھر مضطرب ہوئی تھی۔
"میری سمجھ میں نہیں آرہا تمہیں میرا حمزہ کے ساتھ جانا برا کیوں لگا۔ وہ بہت اچھا لڑکا ہے سعد! بہت ڈیسنٹ، کلچرڈ اور مہذب سا۔ اگلے وہ مجھ سے صرف ڈیڑھ سال بڑا ہے لیکن اپنی عمر سے بڑھ کر میچور اور ذمہ دار ہے وہ۔ ایسے تم نے مجھے کسی لڑکے کے ساتھ کبھی آتے جاتے دیکھا ہے۔ کزنز میں بھی جن لڑکوں کو میں اچھا نہیں سمجھتی ان کے ساتھ بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی۔ اور تم بھی اس بات کو اچھی طرح جانتے ہو۔ تم پتا نہیں کیوں اسے غلط سمجھ رہے ہو۔ نانا کا نہیں پتا ہے نا وہ بہت کم لوگوں سے متاثر ہوتے ہیں اور حمزہ ان ہی کم لوگوں میں شامل ہے۔ تم ایک بار اس کے ساتھ تفصیل سے بیٹھ کر بات کر کے دیکھو تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ میں اس کے بارے میں جو کچھ کہہ رہی ہوں وہ بالکل سچ ہے۔ اس نے کبھی میرے ساتھ بلاوجہ بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کی۔ وہ مذاق بھی کرتا ہے، میرے ساتھ باتیں بھی کرتا ہے، لیکن ایک مخصوص فاصلہ رکھ کر۔"
وہ حمزہ کی طرف سے اس کا دل صاف کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ سعد خاموشی سے اس کی باتیں سن تو ضرور رہا تھا لیکن حمزہ کا نام سنتے ہی اس کے چہرے پر ناگواری سے بھرپور تاثر پھیل گیا تھا۔
"تم ناشتہ کر کے آئی ہو فری؟" اس کے خاموش ہوتے ہی اس نے پوچھا۔ وہ اپنی اتنی طویل تقریر کے جواب میں اتنی غیر متعلقہ بات کی اس سے توقع نہیں کر رہی تھی۔
"پہلے تم میری بات کا جواب دو۔ بلاوجہ بات مت بدلو۔" وہ خفگی سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔
"کیا جواب دوں میں تمہاری بات کا فری! یہ کہ تمہارا ذہین فطین، کلچرڈ اور ہینڈسم کزن جو تمہیں بہت اچھا لگتا ہے، مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اب تم اس ناپسندیدگی کی وجہ پوچھو گی تو وجہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس بے چارے نے میرا کچھ نہیں بگاڑا۔ یوں سمجھ لو میں بلاوجہ اس سے چڑتا ہوں۔ شاید اس کے بارے میں..... ہوتا ہے نا کسی کسی سے ہم خوامخواہ چڑتے ہیں۔ تمہارے انٹلیکچوئل کزن صاحب بھی بس بلاوجہ ہی مجھے برے لگتے ہیں یا پھر شاید میں اس کی ذہانت سے جیلس ہوتا ہوں۔ یہ سوچ کر کہ نانا ابا نے کبھی میری ذہانت کی تو یوں تعریف نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ وقت کی قدر کرو۔ دوستیوں میں وقت برباد نہ کرو وغیرہ پر طویل لیکچر ہی دیے ہیں۔"
عجیب سا انداز تھا سعد کا۔ طنزیہ سے لہجے میں وہ جیسے خود اپنا مذاق اڑا رہا تھا۔ فریا کی اپنے چہرے پر مرکوز گہری نگاہوں سے بچنے کی خاطر وہ فوراً ہی اس کے پاس سے اٹھ گیا۔
"چلو چل کر ناشتہ کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے، تم نے بھی ناشتہ نہیں کیا ہوگا۔" اس نے اسے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی کچن میں آگئی۔ فخرو کچن ٹیبل پر ناشتہ لگائے اس کی آمد کا منتظر کھڑا تھا۔
"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" سعد نے اسے کچن سے فارغ کیا۔
"کیا کھاؤ گی؟" اسے معلوم تھا، وہ آملیٹ نہیں کھاتی۔ اسی لیے اپنے لیے موجود ناشتہ اسے پیش نہیں کیا تھا۔

"یہ ٹوسٹ رکھے ہیں ناں۔ بس یہی ٹھیک ہے۔ تم فریج سے چیز نکال لو۔" وہ کرسی گھسیٹ کر آرام سے بیٹھ گئی تھی۔

"اتنا عام سا ناشتہ۔ یار! اب تم اتنا روئی ہو۔ وہ بھی میری وجہ سے تو میرا فرض بنتا ہے تمہیں کچھ یونیک سا ناشتہ کراؤں۔ رونے میں تمہاری جو انرجی برباد ہوئی ہے اور کئی لیٹر آنسو ضائع ہوئے ہیں ان کا ازالہ تو کرنے دو۔"

وہ اپنی ازلی و فطری شوخی کی طرف پلٹتا ہوا شرارتی انداز میں بولا۔ کچھ دیر پہلے کی سنجیدگی اب ڈھونڈنے سے بھی نظر نہیں آرہی تھی۔

"ایسی میری فکر ہو تو رلواؤ ہی کیوں۔" وہ منہ پھلا کر بولی۔ وہ اس کے منہ پھلانے پر مسکراتا ہوا فریج سے اسٹرابیریز اور دودھ کا ڈبا نکالنے لگا۔

"تمہارا ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے سعد۔" اس نے سعد کو ٹوکا۔

"میں یہی کھالوں گی ناں۔ خوامخواہ تمہاری اتنی اچھی اور محنت سے کی گئی تیاری کا بھی ستیاناس ہو جائے گا۔"

وہ اس کی بات سنی ان سنی کرتا اسٹینلیس فولڈ کیے اپنے کام میں مصروف تھا۔

"اور یہ تیاریوں کے پیچھے کیا راز ہے۔ لگتا ہے کسی خوبصورت سی کولیگ کو متاثر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔" وہ اسے چھیڑنے سے خود کو باز نہیں رکھ پائی تھی۔

"اتنے درست اندازے کیسے لگانے لگی ہو تم۔" وہ بلینڈر میں دودھ ڈالتا ہوا بولا۔

"گھاس تھوڑی کھاتی ہوں میں سعد منیر صاحب۔"

وہ شیک تیار کر چکا تھا۔ جگ میں اسٹرابیری شیک نکال کر اس نے ایک گلاس اٹھایا اور پھر دونوں چیزیں لا کر میز پر اس کے سامنے رکھ دیں۔ خود بھی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"شروع ہو جاؤ اور یہ پورا جگ تمہیں خالی کرنا ہے۔" ناشتہ شروع کرتے ہوئے اس نے اس سے کہا تھا۔ وہ پورے جگ والی بات پر بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

"کیا اس کے بعد میں کسی محاذ جنگ پر بھیجی جانے والی ہوں۔" وہ اس کے ڈرنے پر ہنس پڑا۔ پھر اس کے بعد وہ دونوں خاموشی سے ناشتہ کرنے لگے تھے۔

"حمزہ کتنے دنوں کے لیے گیا ہے؟" ناشتہ کرتے کرتے وہ اچانک پوچھ بیٹھا۔ اسے دوبارہ اسی موضوع پر آتا دیکھ کر وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔

"وہ اپنے کسی اسائنمنٹ کے سلسلے میں گیا ہے۔ جیسے ہی اس کا کام ختم ہوا، وہ چلا جائے گا اور یہ کام کتنے دنوں میں ختم ہو گا، اس بارے میں مجھے کچھ آئیڈیا نہیں ہے۔"

وہ گلاس خالی کر چکی تھی۔ سعد اس کے خالی گلاس میں جگ میں سے اور شیک ڈالنے لگا تو اس نے منع کر دیا۔

"میں گھر سے بھی چائے پی کر آئی تھی۔ بس اب اور نہیں لوں گی۔" وہ بہت الجھی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"مائی سوئیٹ باربی! اسے پی کر آپ بالکل بھی موٹی نہیں ہوں گی۔ سوکھی سڑی باربی ہی رہیں گی۔" وہ شگفتگی سے بولا۔ وہ اس کی بات پر سنجیدہ ہی رہی تھی۔

"وائٹ کلر تم نے خوب موقع پر پہنا ہے۔ اب یہ پتا نہیں کہ خاص طور پر دوستی اور صلح کے لیے پہنا گیا ہے یا یہ محض اتفاق ہے۔ ویسے یہ کلر تم پر بہت سوٹ کر رہا ہے۔" وہ اس کی تعریف پر بھی نہیں مسکرائی تھی۔

"کیا سوچنے لگیں؟" سعد نے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا۔

"کچھ خاص نہیں۔" وہ سنجیدگی سے جواب دیتی کرسی پر سے اٹھ گئی۔

"تم ہی کہا کرتے ہو ناں سعد کہ ایک بہت قریبی دوست کو گھڑی گھڑی اپنے خلوص کا یقین دلانا بڑا اسٹلنگ لگتا ہے اور تم میری اس عادت سے چڑتے بھی ہو۔ پھر اب تم خود بھی اسی چیز کا مظاہرہ میرے ساتھ

کر رہے ہو۔ میرے لیے کیونکہ یہ پہلا موقع ہے اس لیے مجھے بہت عجیب سا لگ رہا ہے۔ تمہیں مطمئن کرنا، صفائی دینا۔ یہ کہنا کہ سعد تم آج بھی میرے لیے وہی سعد ہو۔ وہی سعد جو میرا بہترین دوست ہے۔ جس سے میں اپنے دل کی کوئی بھی بات کبھی بھی نہیں چھپاتی۔ تمہاری طرح میرے بے شمار دوست نہیں مگر جو چند دوست ہیں ان میں سعد منیر کا مقام اور اس کی جگہ باقی سب سے جدا ہے۔"

سعد خاموش بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی بات مکمل کرتے ہی بغیر اس کا جواب سنے کچن سے نکل گئی۔ وہ کافی دیر تک چپ چاپ وہیں بیٹھا رہا تھا۔

☆.....☆☆.....☆

فجر کی نماز پڑھ کر وہ باہر لان میں آگئی۔ ننگے پاؤں گھاس پر چلتے وہ صبح کے اس منظر کی دلکشی میں کھوئی ہوئی تھی۔ ابھی ٹریفک کا شور اور دھواں فضا میں نہیں بکھرا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار سی ہوا ہر قسم کی آلودگی اور کثافت سے پاک تھی۔ ہر چیز خاموشی کی دبیز چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ اجالا ابھی پوری طرح نہیں پھیلا تھا۔ یونہی چہل قدمی کرتے ہوئے وہ آج دن بھر میں کون کون سے ضروری کام نمٹانے ہیں کی فہرست مرتب کر رہی تھی۔ لان کی طرف آتے حمزہ کو اس نے بہت تعجب سے دیکھا۔

کل رات وہ کتنے بجے گھر واپس آیا یہ تو اسے معلوم نہیں تھا۔ اپنے کمرے میں پڑھتے پڑھتے روزلنہ سے کچھ جلدی ہی وہ سو گئی تھی۔ ڈھائی تین بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی تو کتاب، اٹھا کر ٹیبل پر رکھنے اور لائٹ آف کرنے وہ دروازے تک آئی۔ تب اپنے کمرے کی کھڑکی سے اس نے حمزہ کے کمرے کی لائٹ آن دیکھی۔ لائٹ آن دیکھ کر ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جاگا ہوا ہے۔ وہ چہرے پر خوشگوار سی مسکراہٹ لیے اس کے پاس آگیا تھا۔

"تم اتنی صبح کیسے اٹھ گئے؟" سلام دعا کے فوراً بعد اس نے پوچھا۔

"کیا میں تمہیں شکل سے مسلمان نظر نہیں آتا۔" حمزہ نے اس کے سوال پر برا ماننے والے انداز میں کہا۔

"نہیں۔ میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے۔" وہ وضاحتی انداز میں بولی لیکن حمزہ نے اسے بات پوری نہیں کرنے دی۔

"ہاں۔ مجھے پتا ہے تمہارا یہ مطلب نہیں ہے۔ اصل میں یہاں جلدی جلدی کام ختم کرنے کی دھن میں میں نے اپنا سارا روٹین ہی بگاڑ لیا ہے۔ رات رات بھر جاگنے کی وجہ سے فجر کی نماز اکثر قضا ہونے لگی ہے۔ کل خود ہی شاید تھوڑی سی شرم آگئی تھی۔ اس لیے آج جاگ گیا۔ تب بھی شیطان نے ورغلایا کہ نماز گھر پر ہی پڑھ لو۔ میں نے سوچا جلدی سے پڑھ کر دوبارہ سو جاؤں گا لیکن جیسے ہی دوبارہ سونے کے ارادے سے بیڈ پر آنے لگا تو تم لان میں واک کرتی نظر آگئیں۔"

وہ اس کے ساتھ واک کرنے لگا۔

"آج انشاءاللہ میرا کام ختم ہو جائے گا۔ آج شام میں یا پھر کل صبح واپس چلا جاؤں گا۔ بس اسی لیے میں نے سوچا کہ بجائے سونے کے تھوڑی سی تمہارے ساتھ باتیں کر لی جائیں۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"رات میں، میں نے دیکھا تھا۔ تمہارے کمرے کی لائٹ آن تھی۔ میرا خیال ہے تم کافی دیر تک جاگتے رہے ہو۔" وہ جیسے جیسے گویا ہوئی۔

"اس وہ کمپیوٹر پر کچھ کام تھا۔ کرتے کرتے وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔ چار بج گئے تھے کام کرتے۔"

"تمہارا یہ لیپ ٹاپ ہر جگہ تمہارے ساتھ جاتا ہے۔" کمپیوٹر کے ذکر پر وہ اس کے ہمراہ لائے ہوئے لیپ ٹاپ کے بارے میں پوچھنے لگی تھی۔

"محترمہ! میں اکیسویں صدی کا صحافی ہوں۔ اگر کوئی صحافی اپنے کسی پروفیشنل کام سے کسی دوسرے شہر یا ملک جا رہا ہے اور وہ بھی بغیر لیپ ٹاپ اور ڈیجیٹل کیمرے کے تو اس کا مطلب ہے وہ اب تک اکیسویں، بیسویں صدی میں جی رہا ہے۔" اس کے استفسار کا اس نے مفصل جواب دیا تھا۔

"کل میں اپنے لیے کچھ کتابیں خریدنے گیا تھا۔ وہاں سے میں نے تمہارے لیے بھی ایک کتاب خریدی ہے "گلوبلائزیشن" پر کافی جامع اور مدلل کتاب ہے۔"

"میرے لیے۔" اس نے متعجب سے انداز میں اپنی طرف اشارا کیا۔ حمزہ نے جواباً سر اثبات میں ہلایا پھر خود ہی اپنی بات کی وضاحت کرنے لگا۔

"مس میرا دل چاہ رہا تھا کہ جانے سے پہلے تمہیں کوئی گفٹ دوں۔ بہت غور و فکر کے بعد تمہیں دینے کے لیے کتاب کا تحفہ سب سے بہترین لگا۔ "Cap-italist Globalization" پر مصنف نے کافی تفصیل سے لکھا ہے۔ ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی مجھے اندازہ ہوا کہ کتاب اچھی ہے اور یقیناً تمہارے لیے ایک اچھی ریفرنس بک ثابت ہو گی اور جب بھی تم اسے پڑھو گی تو چلو اسی بہانے میں بھی تمہیں یاد آجایا کروں گا۔"

اس کا وہی پُرخلوص اور دوستانہ سا انداز تھا جو ہمیشہ ہوا کرتا تھا لیکن پھر بھی وہ چونک سی گئی۔ اس نے بغور حمزہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی گہری نگاہوں سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا لہجہ جتنا سادہ تھا آنکھیں اتنی سادہ ہرگز نہیں تھیں۔ وہ بے اختیار نظریں اس کے چہرے پر سے ہٹا کر گھاس پر مرکوز کر گئی تھی۔ فوری طور پر اس کا یہی دل چاہا کہ جلدی سے اندر چلی جائے لیکن ایسا کرتے تہذیب آڑے آگئی تھی۔ اس نے ایسی کوئی بھی بات نہیں کی جو اس کی ناراضی کا سبب بنے پھر وہ کس طرح اس کے ساتھ بد اخلاقی اور بد تمیزی کا مظاہرہ کر سکتی تھی۔

حمزہ نے جیسے اس کے چونکنے اور بدکھلانے کا کوئی نوٹس لیا ہی نہیں وہ اب بھی بڑے مطمئن انداز میں اپنی خریدی باقی کتابوں کی تفصیلات سنا رہا تھا۔ نانا ابا نماز پڑھ کر جلدی واپس آگئے تھے۔ گیٹ سے گھستے ہی انہوں نے ان دونوں کو لان میں ایک ساتھ واک کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور خود بھی لان کی طرف ہی آگئے تھے۔ ان دونوں کے سلام کا جواب دے کر وہ بھی واک میں شریک ہو گئے۔ کچھ دیر نانا ابا کی مروت میں وہاں ٹھہر کر وہ ان دونوں کو واک کرتا چھوڑ کر معذرت کرتی اندر آگئی۔

رات میں حمزہ اس کے کمرے میں آیا۔ وہ یہ جاننے کے باوجود کہ کل صبح وہ واپس چلا جائے گا اسے کمپنی دینے کے بجائے کمرے میں پڑھنے بیٹھی ہوئی تھی۔ نانی امی ملازمین کو ساتھ لگائے حمزہ کے لیے ڈنر پر خاص اہتمام کر رہی تھیں۔ حالانکہ اسے کچھ خاص پڑھنا بھی نہیں تھا پھر بھی وہ کچن میں ان کی مدد کرانے کے بجائے اپنے کمرے میں رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھی لیکچرز دیکھ رہی تھی۔

دستک پر اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ وہ اس کے رسمی سے اندر بلانے پر فوراً اندر آگیا اور آرام سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ میں وہی کتاب تھی جس کا وہ صبح اس سے تذکرہ کر رہا تھا۔

"کوئی موقعہ ہو تو تحفہ لینا اچھا لگتا ہے۔ تم بے شک یہ مجھے میری برتھ ڈے پر گفٹ کر دینا۔"

وہ واضح طور پر انکار نہیں کر پائی۔

"دوستوں کو تحفہ دینے کے لیے کسی خاص موقع کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب آپ کا دل چاہے تحفہ دے سکتے ہیں اور بدلے میں تم بھی اگر مجھے کوئی تحفہ دو گی تو میں لینے سے ہرگز انکار نہیں کروں گا۔"

وہ اس کے گریز پر سنجیدگی سے دوٹوک انداز میں بولا۔ جو کتاب وہ اسے تحفہ میں دے رہا تھا وہ بہت مہنگی تھی۔ ایک غیر ملکی مصنف کی لندن میں پرنٹ ہوئی کتاب کا نیا ایڈیشن کتنا مہنگا ہو سکتا تھا۔ اس کا اسے اچھی طرح اندازہ تھا۔ لیکن یہاں مسئلہ تحفہ کی قیمت کا نہیں تھا۔ وہ حمزہ سے کوئی سستا اور بالکل معمولی سا تحفہ بھی نہیں لینا چاہ رہی تھی۔ لیکن اب اس کے پاس انکار کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اس کے مسلسل انکار پر وہ یقیناً برا مان سکتا تھا اور اس بد تمیزی پر نانی امی اور نانا ابا بھی یقیناً ناخوش ہی ہوتے۔

اس کے "تھینک یو" کہہ کر کتاب ہاتھ میں لے لینے پر وہ یک دم مسکرا دیا۔ وہ اس کے تحفہ قبول کر لینے

پُرخوش تھا اور اپنی خوشی چھپانے کی اس نے کوئی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ اس کی گہری نگاہیں اپنے چہرے پہ محسوس کرتے ہوئے وہ خوامخواہ کتاب کے صفحے پلٹنے لگی۔ حمزہ اس کے اس انداز پر بے اختیار مسکرا دیا۔

"تم پڑھ رہی تھیں۔ میں نے آکر تمہیں ڈسٹرب کر دیا۔" وہ اسے خود ہی اس الجھن سے نکال کر اٹھ گیا تھا۔

وہ اسے صرف اور صرف ایک کزن اور مہمان سمجھ رہی تھی لیکن حمزہ اسے کیا سمجھ رہا تھا۔ کزن؟ دوست؟ یا اس سے بڑھ کر کچھ اور۔ اور کیا جو کچھ وہ سمجھ رہا تھا، اسے سعد منیر نے فریا سے پہلے ہی سمجھ لیا تھا۔ وہ ساری رات بہت بے چین اور مضطرب رہی تھی۔ پھر حمزہ کے جانے پر ہی اسے اس اضطراب سے نجات ملی تھی۔ اپنی تمام تر سوچوں کو وہم قرار دیتے ہوئے اس نے خود کو اس بے چینی سے نکالا تھا۔

☆.....☆☆.....☆

"چلے گئے مسٹر چینگس۔" سعد کے پوچھنے پر اس نے بڑے عام سے انداز میں سر ہلا دیا تھا۔ بغیر اس کے طنزیہ انداز کا نوٹس لیے۔

"برسوں صبح چلا گیا تھا۔" وہ اس طرح بولی جیسے مسٹر چینگس میں چھپے طنز کا اسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔

سعد اس کی لاپروائی کے اس مظاہرے پر کسی قدر چڑ سا گیا۔ نانا ابا اور نانی امی کی ویڈنگ اینیورسری آنے والی تھی اور پچھلے سال کی طرح وہ اس سال بھی ان دونوں کو کوئی اچھا سا تحفہ دے کر اس دن کو خاص طریقے سے منانا چاہتی تھی۔ اکیلے بازار جانے کی ہمت نہیں تھی اسی لیے سعد سے کہا تھا اور وہ کمال مہربانی سے فوراً ہی مان بھی گیا تھا۔ اس وقت وہ مختلف دکانوں کا سروے کرتی کوئی خاص سی چیز ڈھونڈ رہی تھی جو ہمیشہ یاد رہنے والا ایک انمول تحفہ بن سکے۔

"اتنا چینگس اور اسمارٹ بندہ پتا نہیں پاکستان میں کیا کر رہا ہے۔ اسے کم از کم ٹائمز جتنے اسٹینڈرڈ کے کسی اخبار کے ساتھ منسلک ہونا چاہیے تھا۔" وہ بلاوجہ حمزہ کا ذکر لے کر بیٹھ گیا تھا۔

"آفرز تو آئی ہوئی ہیں اسے ٹائمز، واشنگٹن پوسٹ گارجین اور نیوز ویک وغیرہ کی طرف سے۔ دیکھو شاید وہ کسی آفر پر غور کر ہی لے۔"

اسے معلوم تھا کہ اس روز جو اس نے حمزہ کی تعریفیں کی تھیں ان کے جواب میں وہ یہ طنزیہ باتیں کر رہا تھا۔ وہ چڑنے کے بجائے الٹا اسے چڑانے لگی تھی اسی وجہ سے اس کا خود بخود ہی اس ٹاپک میں انٹرسٹ ختم ہو گیا تھا۔

"ممی پاکستان آ رہی ہیں۔" اس کے موضوع تبدیل کرنے پر خوش ہوتے ہوئے وہ ایک دکان میں گھسی۔ "اس مہینے کے پانچ دن تو گزر چکے ہیں۔ بس یوں سمجھو کہ پچیس دن بعد ممی کراچی میں ہوں گی۔"

وہ مختلف ڈیکوریشن پیسز پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے خوشگوار انداز میں بولا۔

"لیکن تم تو کہہ رہے تھے کہ آنٹی عید پر آئیں گی۔ پھر اب یہ اچانک آنے کا پروگرام کیسے بن گیا۔" اس نے اپنی حیرت کا برملا اظہار کیا۔

"کچھ ضروری کام ہے انہیں کراچی میں۔ اس کے لیے وہ عید تک انتظار نہیں کر سکتی تھیں۔" وہ روایتی جاپانی اسٹائل کے گلدان اٹھا کر دیکھتا ہوا بولا۔

"یہ گلدان اچھے لگ رہے ہیں فری۔" وہ اس کی توجہ اس جانب مبذول کرواتے ہوئے بولا تو وہ بھی پوری توجہ کے ساتھ گلدانوں کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ خریداری سے فارغ ہو کر سعد کے ساتھ گھر واپس جا رہی تھی۔

"سعد! گاڑی روکو۔" اس کا کہنے کا انداز ایسا تھا کہ بری طرح بوکھلاتے ہوئے اس نے بریک پر پاؤں رکھ دیا۔

"وہ دیکھو، سامنے ٹھیلے پر گول گپے بک رہے ہیں اور میرا اتنے دنوں سے دل چاہ رہا ہے گول گپے کھانے کو۔" اس بے نیازانہ سی معصومیت پر سعد کا دل چاہا کہ اس کا سر پھاڑ دے۔

"کیا ہوا، تم مجھے اس طرح گھور کیوں رہے ہو۔" وہ چہرے پر آتی مسکراہٹ اس سے چھپاتی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

"شکر تھا کہ گاڑی اس وقت سروس روڈ پر تھی اور ٹریفک بھی قدرے کم ہے ورنہ آپ نے ایکسیڈنٹ کروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔" وہ برہمی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں کھلانا چاہ رہے تو صاف صاف منع کر دو بلاوجہ اکڑ کس خوشی میں رہے ہو۔" وہ اس کی برہمی پر ناراضی سے منہ پھلا کر گویا ہوئی۔

"یہ اتنے گندے ٹھیلے پر سے تم الابلا کھاؤ گی تمہیں گھن نہیں آئے گی۔"

"کوئی گندلونڈا نہیں ہے۔ اس کے گول گپے اتنے مزے کے ہوتے ہیں۔ میں دو تین بار کھا چکی ہوں اور جو بار میں گولا گنڈے والا ہے ناں۔ اس کا گولا گنڈا بھی بہت مزے کا ہوتا ہے۔ لوگ دور دور سے یہاں گول گپے اور گولا گنڈا کھانے آتے ہیں۔ تم اس کی ظاہری حالت پر نہ جاؤ۔ اصل چیز ذائقہ ہے۔ جس کی شہرت دور دراز تک پھیلی ہوئی ہے۔" وہ چٹخارے لیتے ہوئے جیسے ابھی سے ہی ان دونوں چیزوں کا مزہ لے رہی تھی۔

"وہ دور دراز سے آنے والے تمہاری ہی طرح کے فضول لوگ ہوتے ہوں گے۔ جو اتنی غیر صحت مند چیزیں اپنے پلے سے پیسے خرچ کر کے کھاتے ہیں۔ مجھے تو کوئی مفت بھی کھلائے تو میں کبھی نہ کھاؤں۔"

وہ اسے گول گپوں کے لیے اتنا بے تاب دیکھ کر گاڑی سے اتر تو گیا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنا ہرگز نہیں بھولا تھا۔ وہ اس کی بات پر لاپروائی سے سر جھٹک کر اسے اپنے لیے گول گپے لاتا دیکھنے لگی۔ کچھ ہی دیر میں وہ واپس آ گیا۔

"بندہ اپنی اوقات کے حساب سے ہی بات کرتا ہے۔ حالانکہ میں تمہیں تمہارا فیوریٹ برگر اور چٹ پٹا رول کھلانے اور کپوچینو پلانے کا پورا پورا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن اب اگر ایک شخص کی اوقات ہی ٹھیلوں پر سے گول گپے کھانے کی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

پلیٹ اس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے وہ متاسفانہ انداز میں بولا۔ وہ ان کمنٹس پر کوئی دھیان دیے بغیر گول گپے کھانے میں مشغول ہو گئی۔

"ذرا ٹھیلے والے کو ہارن تو دو۔ املی کا پانی اور منگواؤں گی۔" وہ دوپٹے سے آنکھیں اور ناک رگڑتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"بعد میں اگر تمہارا گلا خراب ہوا ناں تو میں نانی امی کو بتا دوں گا کہ یہ بازار کی الٹی سیدھی چیزیں بڑے ذوق و شوق سے کھاتی ہے۔"

وہ اس کی سوں سوں اور سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھتا وارننگ دے رہا تھا۔ اپنی بات کا اس پر کوئی اثر نہ ہوتا دیکھ کر اس نے ہارن بجا دیا تھا۔ اس نے ایک پلیٹ پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ گول گپے اور بھی منگوائے تھے۔ سعد خاموشی سے اسے کھاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

"جب اپنی یورپین لکس کے ساتھ حرکتیں تم خالصتاً پاکستانی لڑکیوں والی کرتی ہو تو خاصی دلچسپ لگتی ہو۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے سعد نے تبصرہ کیا تھا۔

☆.....☆☆.....☆

وہ دبے پاؤں گھر میں داخل ہوئی تھی۔ نانا ابا اور نانی امی سے ظاہر ہے ابھی گفٹ چھپانا تھا اور اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو لازمی شاپنگ کی تفصیلات پوچھی جاتیں اور نانی امی تو شاید اس کے ہاتھ سے لے کر دیکھ بھی ڈالتیں۔ یہی سوچ کر وہ چپکے سے اندر آئی تھی۔ نانا ابا فون پر کسی سے بات کر رہے تھے۔

"مارے گئے۔" وہ انہیں دیکھ کر منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔ ایک تو وہ آئی ہی بہت خاموشی سے تھی، دوسرے وہ بھی گفتگو میں بہت زیادہ مگن تھے اس لیے انہیں اس کی آمد کی بالکل بھی خبر نہ ہوئی تھی۔

"یہ بات نہیں ہے قیصر۔ تم میری بات کو غلط طریقے سے سمجھ رہے ہو۔ فریا کے لیے حمزہ سے زیادہ مجھے کوئی بھی پیارا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے نہیں کہ وہ شجاع کا بیٹا ہے اور شجاع کو میں نے ہمیشہ بھتیجے سے بڑھ

کر اپنا لیتا ہی سمجھا ہے بلکہ اس کی ذاتی خوبیوں کی بنیاد پر۔ وہ بہت پیارا بچہ ہے۔ اس میں ہر وہ خوبی ہے جو میں فریا کے ہونے والے شوہر میں چاہ سکتا ہوں۔" وہ چھوٹے نانا سے کیا بات کر رہے ہیں اور کس کے متعلق کر رہے ہیں، سن لینے کے باوجود بھی وہ بے یقینی کے عالم میں گم صم سی کھڑی رہ گئی۔

"حمزہ اور فریا۔ فریا اور حمزہ۔" اس کی سماعتوں میں یہ دو نام ایک ساتھ گونج رہے تھے۔

"یہ تم نے کیا کیا حمزہ۔" اس کا دل اندر ہی اندر ڈوب رہا تھا۔ جو کچھ وہ سمجھ رہی ہے وہ غلط ہو۔ بات وہ نہ ہو، جو اس کی سمجھ میں آ رہی ہے۔ لیکن بات کچھ اور کیسے ہو سکتی تھی۔ وہ تو وہی تھی جو اس کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ نانا ابا اب شجاع انکل سے بات کر رہے تھے۔

"تمہارا خلوص اور تمہاری محبت سر آنکھوں پر بیٹا! مجھے پتا ہے فریا کو جتنی محبت اور اپنائیت تمہارے گھر میں ملے گی اور کہیں نہیں مل سکتی۔ لیکن پھر بھی فریا کی مرضی کے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس پر اپنا فیصلہ مسلط کرنا میں کبھی پسند نہیں کروں گا۔ اگر وہ اس رشتے کے لیے راضی ہوئی تو ٹھیک ہے۔ ورنہ دوسری صورت میں تم اور نازیہ اس بات پر مجھ سے ناراض مت ہونا۔"

وہ بجائے سیڑھیوں کی طرف جانے کے خاموشی سے کچن میں چلی گئی۔ کافی دیر تک نانا ابا کی چھوٹے نانا، شجاع انکل اور نازیہ آنٹی سے بات ہوتی رہی تھی۔ اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ کچھ دیر پہلے کی شاپنگ، سعد کو زچ کر کے گول گپے کھانا اور تیز آواز میں گانے سننا سب اس کے ذہن سے نکل گئے تھے۔ بس چند جملے تھے جن کی مسلسل اس کی اردگرد تکرار ہو رہی تھی۔

"جو فریا کی مرضی وہی میری مرضی۔ میں اس پر اپنا فیصلہ مسلط کرنا کبھی پسند نہیں کروں گا۔"

"شجاع کو میں نے ہمیشہ بھتیجے سے بڑھ کر اپنا بیٹا ہی سمجھا ہے۔"

وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے سکتے کی سی کیفیت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ذہن جیسے کچھ بھی سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں تھا۔ کافی دیر بعد اس نے خود کو بمشکل وہاں سے اٹھنے پر آمادہ کیا۔ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتی وہ اوپر آئی۔

"مجھے تو حمزہ بہت پسند ہے۔ اور پھر شجاع کے گھر سے بہتر اور کون سا گھر نہ ہو سکتا ہے ہماری فری کے لیے۔"

نانی امی کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ وہ اور نانا ابا اپنے کمرے میں بیٹھے یقیناً کچھ دیر پہلے آنے والی شجاع انکل کی فون کال کو ہی ڈسکس کر رہے تھے۔

"پسند مجھے بھی وہ بہت ہے۔ بہت سلجھا ہوا، مہذب اور ذہین لڑکا ہے۔ اپنے پروفیشن میں خوب ترقی کرے گا۔ اس کا کریر بہت شاندار ہو گا۔ لیکن اس سب کے باوجود اگر وہ فری کو پسند نہیں تو ہمارے پسند کرنے کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔ زندگی تو اس نے گزارنی ہے۔ پسند کا حق بھی اسے ہی ملنا چاہیے۔ اگر وہ اس رشتے کو دل سے قبول کرے گی تب ہی میں قیصر اور شجاع کو ہاں میں جواب دوں گا۔ ورنہ معذرت کر لوں گا۔" نانا ابا کا لہجہ بہت سنجیدہ سا تھا۔

"فری سے میں آج ہی پوچھ لوں گی۔" نانی امی بہت خوش اور ایکسائیٹڈ لگ رہی تھیں۔ یوں جیسے ان کی نواسی کے لیے عین اسی جگہ سے رشتہ آ گیا جہاں وہ چاہ رہی تھیں۔

"نہیں۔ تم بات مت کرنا۔ میں خود اس سے بات کروں گا۔ میں کسی بھی طرح اسے اس رشتے کے لیے پریشرائز نہیں کرنا چاہتا۔ کہیں ایسا نہ ہو وہ یہ جان کر کہ میں اور تم اس رشتے کو بہت زیادہ پسند کر رہے ہیں محض ہماری مروت میں ہامی بھر لے۔"

نانی امی کے برخلاف ان کے انداز میں خوشی اور گرم جوشی سے زیادہ سنجیدگی اور کسی گہری سوچ اور تفکر کی جھلک محسوس ہو رہی تھی۔ برسوں پہلے ایک فیصلہ انہوں نے خود کیا تھا اور فرماں بردار بیٹی نے ان کے اس فیصلے پر سر بھی جھکا دیا تھا۔ لیکن پھر وہ جھکا ہوا سر زیادہ عرصہ جھکا نہیں رہا تھا۔ وہ سر تن کر ان کے بالکل

سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔ ان کے ہر فیصلے کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے۔ شاید اسی لیے اب وہ کوئی فیصلہ خود کرنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ دونوں اس کی آمد سے بے خبر آپس میں اسی رشتے اور شجاع انکل کی فیملی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ جب کہ وہ مردہ قدموں سے چلتی بہت الجھی ہوئی مضطرب سے انداز میں اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔ گھٹنے کے ساتھ ہی یونہی بے خیالی میں اس کی نظر دیوار پر لگی ماما کی تصویر پر پڑی تھی۔

"وہ وقت کتنا سخت ہوتا ہے ناں ارجمند۔ کہتے ہیں اس وقت جو دعا مانگی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ میں نے اس لمحہ بڑی شدت سے اللہ سے یہی دعا مانگی تھی کہ خدایا میرے پاپا مجھے معاف کر دیں۔ میری اولاد کو میرے لیے نجات کا ذریعہ بنا دے۔ اسی کے وسیلے سے مجھے میرے پاپا کی معافی مل جائے۔"

تصویر میں مسکراتی ہوئی ماما یک دم رونے لگی تھیں۔

"پاپا مجھے معاف نہیں کرتے فری۔ ان سے کہو، مجھے معاف کر دیں۔ دیکھو تو انہوں نے اپنے دل کا دروازہ کتنی مضبوطی سے بند کر رکھا ہے۔ میں برسوں سے سر پٹخ رہی ہوں۔ مگر وہ مجھے اندر آنے کی اجازت ہی نہیں دے رہے۔ ان سے کہو ناں فری۔ کہو کہ ضوفی کو اندر آنے دیں۔"

ماما زار و قطار رو رہی تھیں۔ وہ تصویر کے بالکل قریب کھڑی ہوئی خود بھی رو رہی تھی۔

"ہاں، میں ان سے کہوں گی ماما۔ میں آپ کو ان سے معافی دلواؤں گی۔ آپ کی وہ معافی جو آپ ان سے مانگنا چاہتی تھیں مگر مانگ نہ سکیں، وہ مجھ پر قرض ہے۔ یہ قرض میں ضرور چکاؤں گی۔"

وہ تصویر پر ہاتھ پھیرتی روتے ہوئے زیر لب بول رہی تھی۔ بہت مضبوط لہجے میں اپنے ارادوں کی پختگی کے ساتھ۔

☆.....☆☆.....☆

رات کے کھانے کے بعد نانا ابا اور نانی امی لاؤنج میں بیٹھ گئے تھے۔ وہ نانا ابا کی فرمائش پر چائے بنانے کچن میں گھسی ہوئی۔ چائے بنانے کے دوران وہ خود کو مضبوطی کا سبق یاد کرائی رہی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ شاید چائے پینے کے دوران وہ اس سے اس بارے میں بات کریں گے۔

وہ ٹرے اٹھائے لاؤنج میں آئی تو نانا ابا ٹی وی پر حالات حاضرہ کا کوئی پروگرام دیکھنے میں مصروف تھے۔ نانی امی کی نگاہیں بھی ٹی وی کی طرف تھیں مگر ان کا کچھ خاص انٹرسٹ نظر نہیں آ رہا تھا پروگرام میں۔ اسے آتا دیکھ کر نانا ابا نے ٹی وی کی آواز کم کی۔ ان دونوں کے ہاتھ میں کپ پکڑانے کے بعد وہ نانا ابا کے برابر میں ہی بیٹھ گئی۔

"تم چائے نہیں پیو گی؟" نانی امی نے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"آج کے اخبار میں حمزہ کا آرٹیکل پڑھا تم نے۔" چائے کا سپ لیتے ہوئے نانا ابا نے اس سے پوچھا۔

"جی صبح ہی پڑھ لیا تھا۔ اور پڑھ کر ہمیشہ کی طرح ٹھنڈی آہ بھی بھری تھی کہ میرے پاس اس کے جتنی غیر معمولی ذہانت اور اتنی زبردست معلومات کیوں نہیں ہیں۔" وہ اس کے جیلس سے انداز پر مسکرائے۔

"اس غیر معمولی ذہین اور زبردست معلومات رکھنے والے بندے نے تمہیں پرپوز کیا ہے۔"

انہوں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنے طور پر اسے چونکانا چاہا تھا۔ اگر وہ اس بات سے پہلے سے آگاہ نہ ہوتی تو اس وقت کسی بھی طرح ان کی زیرک اور تیز نگاہوں سے اپنے ان تاثرات کو چھپا نہیں سکتی تھی جو شام میں یہ خبر سننے پر اس کے چہرے پر چھائے تھے۔ چہرے پر مصنوعی حیرت تو خیر اس نے ابھی بھی طاری کی تھی۔ ایک دم سے یوں چونکی تھی جیسے کوئی بڑی غیر متوقع بات سن لی ہو۔ مگر اس حیرانی اور اچنبھے میں دکھ، درد کا کوئی رنگ شامل نہیں تھا۔ حیرت بھری نگاہوں سے وہ ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نانا ابا اس کے متعجب سے انداز کو بغور دیکھتے ہوئے مزید گویا ہوئے۔

"شام میں قیصر کا فون آیا تھا۔ اس نے مجھ سے تمہارے اور حمزہ کے رشتے کے بارے میں بات کی۔ شجاع اور نازیہ کو تم بہت پسند ہو۔ وہ لوگ تمہیں اپنی بہو بنانا چاہتے ہیں۔ میں نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔ تمہاری مرضی اور تمہاری پسند ناپسند میرے اور تمہاری نانی امی کے لیے ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ بغیر ہچکچائے اور کوئی بھی دوسری بات سوچے تم مجھے اپنی مرضی بتاؤ۔ اگر تمہاری وہاں مرضی نہیں تو میں انہیں انکار کر دوں گا۔"

وہ خاموشی سے سر جھکائے ان کی بات سن رہی تھی۔

"آرام سے سوچ سمجھ لو۔ حمزہ سے تم ملی ہوئی ہو۔ تمہیں پتا ہے وہ کیسا ہے۔ اگر وہ تمہیں پسند نہیں تو بھی بالکل کھل کر اپنی ناپسندیدگی کا بتا دو۔ یہ مت سوچنا کہ اگر میں نے منع کیا تو نانا ابا اور نانی امی ناراض ہو جائیں گے۔"

وہ اس کے کندھے کے گرد محبت سے ہاتھ رکھتے رسانیت سے بولے۔

"آپ لوگوں کو ابھی سے میری شادی کی جلدی کیوں پڑ گئی۔" وہ سر جھکائے شکایتی انداز میں بولی۔ نانا ابا اس کے شکوہ پر ہولے سے ہنسے۔

"شادی کی کوئی جلدی نہیں ہے بیٹا۔ ایک اچھا رشتہ آیا تو ہم لوگوں نے اس کے بارے میں تمہیں بتایا اور پھر شادی کبھی نہ کبھی تو ہونی ہی ہوتی ہے۔ کیا حرج ہے۔ ہم لوگ آج اس بارے میں کھل کر آپس میں بات کر لیں۔ اگر تمہاری کوئی پسند ہے تو وہ تم ہمیں بتا دو۔ یا یہ کہ تمہاری کہیں کوئی پسند فی الحال نہیں لیکن حمزہ کے بارے میں تم پھر بھی اس حوالے سے سوچنا نہیں چاہتیں تو بھی بتا دو۔ یہ ضروری تو نہیں کہ میں جلاد اور خرانٹ قسم کا نانا بنا رہوں اور تم مظلوم اور معصوم سی نواسی۔ میں چاہتا ہوں اس موضوع پر ہم دوستوں کی طرح آپس میں بات کریں۔ ہمارے درمیان کسی قسم کا کمیونی کیشن گیپ نہ ہو۔"

نانی امی چائے پیتی خاموشی سے ان دونوں کی باتیں سن رہی تھیں۔

"میں آپ سے دوستوں کی طرح بات کر سکتی ہوں نانا ابا؟" اس نے جیسے کچھ کہنے سے قبل اجازت طلب کی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کا شانہ تھپتھپا کر اجازت دی۔

"آپ مجھ سے میری مرضی اور میری پسند کی بات پوچھ رہے ہیں نانا ابا۔ اپنے لیے آنرز میں داخلے کے وقت مضمون پسند کرنا تک تو مجھے آیا نہیں تھا۔ آپ کے مشورے پر M.C ڈپارٹمنٹ میں داخلہ لیا تھا میں نے۔ جو لڑکی اتنی سی بات کا فیصلہ خود نہ کر سکتی ہو وہ کسی کو شادی کے لیے پسند یا ناپسند کرنے جتنا بڑا فیصلہ خود کیسے کر سکتی ہے۔ میں تو ہر چیز کو ابھی تک آپ کی نگاہوں سے دیکھتی ہوں۔ اور مجھے اس چیز پر کوئی افسوس بھی نہیں۔ اس عمر میں مجھ میں جتنی سوجھ بوجھ اور سمجھ ہونی چاہیے وہ مجھ میں ہے۔ جب میرے سر پر میرے بڑے موجود ہیں جو مجھ سے بہت بہتر انداز میں میرا بھلا سوچ سکتے ہیں تو مجھے بلاوجہ خود کو الجھانے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنے لیے خود تو وہ لڑکیاں سوچتی ہیں جن کے لیے کوئی سوچنے والا نہیں ہوتا۔ میں کوئی لاوارث تو نہیں جو اپنی زندگی کے فیصلے خود کرتی پھروں۔ میرے لیے سوچنے اور فیصلہ کرنے والے اللہ کا شکر ہے، موجود ہیں۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ مجھ سے کس قدر محبت کرتے ہیں۔ اتنی محبت کہ شاید اتنی محبت میں خود اپنے آپ سے نہیں کرتی۔ میں خود اپنے لیے کچھ غلط سوچ سکتی ہوں، کر سکتی ہوں مگر وہ کبھی بھی نہیں۔"

اس نے ان کے کندھے پر اپنا سر ٹکا دیا۔ وہ پیار بھرے انداز میں اس کے ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔ نانی امی کے چہرے پر خوشی اور طمانیت سے بھرپور مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"شجاع اور نازیہ تو خیر اچھے ہیں ہی۔ لیکن حمزہ، وہ بھی بہت اچھا ہے فری۔ اس عمر میں لڑکے عموماً اتنے میچور ہوتے نہیں ہیں جتنا وہ ہے۔ تم وہاں بہت خوش رہو گی۔"

اتنی دیر کی خاموشی کے بعد نانی امی نے پہلی مرتبہ اس کے سامنے اپنی رائے ظاہر کی تھی۔

"نانا ابا جس کو اچھا کہہ دیں، وہ برا ہو بھی کیسے سکتا ہے۔" وہ اسی طرح ان کے کندھے پر سر ٹکائے شوخی سے بولی۔ نانا ابا ان کمپلیمنٹس پر مسکرائے۔

"ان تعریفی کلمات کے لیے بہت شکریہ۔ لیکن میں چاہتا ہوں مس فریا عبدالرحمان کہ اب آپ بھی ذرا بڑی ہو جائیں۔ اپنے طور پر لوگوں کو سمجھنا سیکھیں۔ ضروری نہیں جسے میں اچھا کہہ رہا ہوں وہ واقعی اچھا ہو بھی۔ کبھی میں غلط بھی تو ہو سکتا ہوں۔ اختلاف کرنا سیکھیں۔ چاہے سامنے کوئی بھی ہو۔"

نانا ابا نے پیار بھرے انداز میں اسے سرزنش کی۔

پھر جب وہ کچھ دیر بعد اپنے کمرے میں آکر لیٹی تو نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ کروٹیں بدلتی وہ خود کو کسی بھی قسم کی سوچوں میں الجھائے بغیر ایک پُرسکون نیند کی متمنی تھی لیکن پتا نہیں کیا ہو رہا تھا جیسے ہی وہ سونے کے ارادے سے آنکھیں بند کرتی پلکوں سے آنکھوں کے سامنے کوئی پرانا منظر آکر کھڑا ہو جاتا۔

"اس گھر میں ایک بار بی ڈول رہتی ہے، مجھے اس سے ملنا ہے۔"

"تمہاری کینڈی واقعی خوب صورت ہے بالکل تمہاری طرح۔"

وہ گھبرا کر آنکھیں کھول دیتی تو وہ منظر غائب ہو جاتا۔ بہت دیر وہ اپنے منتشر ہوتے اعصاب پُرسکون کرنے کی کوشش کرتی رہتی پھر کافی دیر بعد جب خود کو مطمئن پا کر دوبارہ آنکھیں بند کرتی تو ایک مرتبہ پھر ماضی کا کوئی لمحہ کوئی آواز کوئی مانوس لہجہ اس کے سامنے آکھڑا ہوتا۔

"سعد! تم بڑے ہو کر کیا کار پینٹر بنو گے؟" اپنے گھر کے کورٹ یارڈ میں لکڑیوں کے ساتھ ٹھونکا پیٹی کرتے سعد سے اس نے بڑی سنجیدگی اور بردباری سے دریافت کیا تھا۔ وہ سامنے موجود کتاب میں دیے ہوئے طریقے پر غور کرتا انچز (Inches) اور فٹس (Fits) کا حساب کتاب کرتا لکڑی کے مختلف سائز کے ٹکڑے جوڑنے میں مصروف تھا۔ اس کے یہ کہنے پر کہ وہ کینڈی کے لیے ایک پیارا سا گھر بنانا چاہتی ہے۔ وہ پتا نہیں کہاں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر ایک کتاب لے آیا تھا جس میں پالتو بلیوں کے لیے ان کے رنگ، نسل اور عمر وغیرہ کے حساب سے رہائش کا بندوبست کرنے کا طریقہ مفصل سمجھایا گیا تھا۔ وہ بھی ڈائیگرام اور فٹ اور انچوں میں دی گئی پیمائش کے ساتھ۔

"کہنے کو تم یہ بھی کہہ سکتی تھیں کہ سعد تم کیا بڑے ہو کر انجینئر بنو گے۔ لیکن خیر یہ پروفیشن بھی کچھ برا نہیں۔ بڑی کمائی ہوتی ہے کار پینٹرز کی۔"

وہ اس وقت اگر دس سال کی تھی تو سعد بارہ سال کا۔ اور اس عمر کے وہ بچے اسی قسم کی باتیں کر سکتے تھے اور ایسی ہی سرگرمیوں میں مگن ہو سکتے تھے۔

کتنے دنوں کی محنت کے بعد کینڈی کا گھر ان دونوں نے مل کر تیار کیا تھا۔ نانی امی ان دونوں کی اس حرکت پر ہنسنے کے ساتھ ساتھ سعد کو اس کی ہنرمندی پر شاباش بھی دیا کرتی تھیں۔ کینڈی مر گئی۔ وہ وقت بھی گزر گیا مگر وہ یادیں تو آج بھی اس کے ساتھ تھیں۔

وہ گرمی اور دھوپ سے بے نیاز ساری ساری دوپہر کورٹ یارڈ میں گزارنا۔

"میں سوچ رہا تھا تمہیں ان چھٹیوں میں اسکیٹنگ کرنی سکھاؤں گا۔"

"بھائی! بہت مہینوں سے اپنی پاکٹ منی میں سے پیسے بچا رہا تھا۔ تاکہ تمہیں سالگرہ پر دینے کے لیے Skates خرید سکے۔"

زوہیب نے اس کے اسکیٹنگ کی مشق کے لیے سعد کے گھر آنے پر ایک روز بتایا تھا۔ وہ اس بات پر بہت خوش ہوئی تھی۔ وہ اتنے پہلے سے اس کی سالگرہ کو یاد رکھے ہوئے تھا۔

"بھائی کے بہت سارے دوست ہیں۔ لیکن تمہاری بات الگ ہے۔ تم تو اس کی سب سے خاص دوست ہو۔ دیکھا نہیں تھا اس روز کیسا تمہیں دیکھتے ہی اس نے فوراً تھکن کا بہانہ بنا کر میرے ساتھ بیڈمنٹن

کھیلنے سے انکار کر دیا تھا۔"

اپنے گھر کی اسٹڈی میں بیٹھا زوہیب ہوم ورک کرتا ہوا اس سے مخاطب ہوا تھا۔ سعد اس وقت اسٹڈی میں نہیں تھا۔ اس کے کسی دوست کا فون آیا ہوا تھا اور وہ اس بات پر کچھ چڑ کر زوہیب سے سعد کے ڈھیر سارے دوستوں کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر رہی تھی۔

"میرا بہترین دوست سعد منیر۔" خود بخود اس کے لبوں سے یہ جملہ نکلا تھا اور پتا نہیں کیوں پھر وہ ساری رات بے آواز روتی رہی تھی۔

صبح فجر کے وقت ابھی وہ واش روم سے وضو کر کے نکلی ہی تھی کہ فون کی بیل بجی تھی۔ نانا ابا ابھی ابھی نماز پڑھنے کے لیے مسجد روانہ ہوئے تھے۔ نانی امی بھی یقیناً اپنے کمرے میں کچھ پڑھنے پڑھانے ہی میں مصروف تھیں۔ وہ اتنی صبح فون کی بیل بجنے پر ڈر گئی تھی۔

"اللہ خیر کرے، اتنی صبح صبح کس کا فون آگیا۔" وہ ٹیلی فون کے پاس آئی تو سعد کا فون نمبر دیکھ کر مزید ڈر گئی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے ریسیور اٹھایا۔

"فری! تم ٹھیک ہو۔" وہ بغیر سلام دعا کے اس کے ہیلو کے جواب میں بے تابانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔ وہ اس کے بے قرار اور مضطرب سے انداز میں پوچھے گئے سوال پر ایک پل کے لیے بے تحاشا حیران ہوئی۔

"ہاں بالکل ٹھیک ہوں۔ اتنی صبح صبح تم نے یہ سوال پوچھنے کے لیے فون کیا ہے؟" اس نے بہت تعجب سے پوچھا۔

وہ اس کے سوال کے جواب میں کچھ بولے بغیر صرف ایک گہری طمانیت بھری سانس لے کر بالکل خاموش تھا۔

"اتنی صبح صبح فون کی بیل ہونے پر میں ڈر گئی۔ میری خیریت چند گھنٹوں بعد بھی تو پوچھی جا سکتی تھی۔ یا تمہیں یہ لگ رہا تھا کہ کل گول گپے کھا کر آج میں لازمی بیمار پڑی ہوئی ہوں گی۔ چنانچہ میری خیریت دریافت کرنا اور وہ بھی منہ اندھیرے تم نے اپنا اخلاقی فرض سمجھا۔"

وہ اپنے مخصوص بے تکلفانہ انداز میں اس سے مخاطب تھی۔ وہ اس کی بات سن کر دھیمی سی ہنسی ہنسا۔ لیکن یہ ہنسی بڑی سنجیدہ سی تھی۔ اس میں وہ شوخی اور شرارت کہیں محسوس نہیں ہو رہی تھی جو ہمیشہ ہوا کرتی تھی۔

"پتا نہیں آج کیا ہوا فری! حالانکہ ایسے زنانہ قسم کے وہم میں کرتا بھی نہیں ہوں۔ مجھے خود سمجھ میں نہیں آرہا۔ رات میں نے اتنا برا خواب دیکھا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ پھر ساری رات مجھے نیند ہی نہیں آئی۔ دل چاہ رہا تھا اسی وقت تمہیں فون کروں۔ ایسا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا فری! میں خود اپنے آپ پر حیران ہوں۔ مجھے ہو کیا رہا تھا۔ بس پھر ساری رات جاگتا میں صبح ہونے کا انتظار کرتا رہا۔"

وہ جیسے خود اپنے آپ پر جھنجھلایا ہوا اور زچ سا تھا۔ وہ حیرت سے گنگ اس کی بات سن رہی تھی۔

"کیا خواب دیکھا تھا۔ سعد؟" اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔

"بہت برا خواب تھا فری! میں تمہیں سناؤں گا نہیں۔ برے خواب کسی کو بھی سنانے نہیں چاہئیں۔ لیکن اس کے بعد میں اتنا پریشان ہوا کہ تمہیں بتا نہیں سکتا۔ پھر ایک پل کے لیے بھی مجھے نیند نہیں آئی۔"

وہ بڑی سے بڑی بات کو بھی سرسری سے انداز میں لینے والا سعد اس وقت ایک معمولی سے خواب پر انتہائی پریشان اور متفکر تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں سعد! تمہیں میری آواز سے نہیں لگ رہا۔"

ریسیور اس کے ہاتھوں میں کانپ رہا تھا۔ آنکھیں کسی بھی لمحہ چھلک پڑنے کو بے تاب تھیں مگر وہ لہجے میں بشاشت اور تازگی سموئے ہوئے اسے مطمئن کر رہی تھی۔ اور وہ اس کے جواب سے مطمئن ہو بھی گیا تھا۔ کچھ دیر بعد نماز پڑھ کر جب اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو بے اختیار اللہ سے مدد چاہی تھی۔

"یا اللہ مجھے مضبوطی اور ثابت قدمی عطا فرما۔ میں

کسی بھی لمحہ کہیں پر بھی کمزور نہ پڑوں۔" آنکھوں سے
تواتر سے آنسو بہہ رہے تھے۔

دوپہر میں یونیورسٹی سے آکر جب وہ نانی امی کے
ساتھ بیٹھی کھانا کھا رہی تھی اس وقت انہوں نے
بڑے خوشگوار انداز میں اسے نانا ابا کی شجاع انکل کے گھر
کی جانے والی فون کال کا بتایا تھا۔

"تمہارے نانا ابا بہت خوش ہیں اس رشتے پر۔
کہتے ہیں اس سے اچھا رشتہ فری کے لیے اور کوئی ہو ہی
نہیں سکتا۔ سچ ادھر تم یونیورسٹی کے لیے نکلیں ادھر
انہوں نے ناشتے سے فارغ ہوتے ہی اسلام آباد فون کر
دیا۔ یہاں سے اقرار سننے کے بعد وہاں بھی کم وبیش
سب کا یہی حال ہے۔ شجاع سے میری بھی بات ہوئی
تھی۔ بہت زیادہ خوش لگ رہا تھا وہ۔"

نانی امی کی کھنکتی ہوئی خوشی سے بھرپور آواز اسے
اندر تک سرشار کر گئی تھی۔ وہ خوشیاں جو اس گھر سے
روٹھ گئی تھیں، برسوں بعد لوٹ کر آنے کو تھیں۔

"وہ لوگ کہہ رہے تھے ایک دو روز میں کراچی آکر
باقاعدہ کوئی رسم وغیرہ کرنے کو۔ تازیہ کہہ رہی تھی
خالی فون پر رشتہ طے کرنے میں بھی کوئی مزہ ہے۔ کم
از کم ہم لوگ فریا کو اپنے ہاتھ سے انگوٹھی تو پہنائیں۔
اس خوشی کو مل کر منائیں۔ ظاہر سی بات ہے حمزہ اکلوتا
بیٹا ہے اس کا۔ جتنے ارمان نہ ہوں اس کے دل میں کم
ہے۔ اس دن کا تو ہر ماں باپ کو انتظار ہوتا ہے۔"

وہ پیار بھری نگاہیں اس کے چہرے پر ٹکائے
اسے فون پر ہونے والی گفتگو کی تفصیلات سنا رہی
تھیں۔ شام میں نانا ابا کے چہرے پر بھی وہی خوشگوار سی
مسکراہٹ دیکھی تھی اس نے جو دوپہر سے نانی امی
کے چہرے پر دیکھ رہی تھی۔

"آپ لوگ اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی کی خوشی
نہیں منا سکے تھے۔ اس نے آپ لوگوں سے خوش
ہونے کا وہ حق بھی چھین لیا تھا۔ کیسا دل تڑپا ہوگا اس ماں
کا۔ جس نے اپنی بیٹی کی شادی کی کوئی تیاریاں نہیں
کیں۔ بازاروں کے چکر نہیں لگائے۔ گھر گھر جا کر
کارڈز تقسیم نہیں کیے۔ بیٹی کو مایوں نہیں بٹھایا،
اس کی مہندی نہیں سجائی۔ اس کے گھر میں ڈھولک
کی آواز نہیں گونجی۔ سکھیوں نے گیت نہیں گائے۔
گھر کو روشنیوں سے نہیں سجایا بلکہ ان سب کے
برخلاف بیٹی ماں باپ کے گلے لگے بنا، دعائیں لیے
بغیر چند لوگوں کی موجودگی میں باپ کے گھر سے
رخصت ہو گئی۔ وہ سب خوشیاں آپ کو میں ضرور
لوٹاؤں گی۔ وہ شخص جسے آپ نے اپنی لاڈلی بیٹی کے
لیے پسند کیا تھا۔ اور جسے آپ آج بھی اسی حوالے سے
پسند کرتے ہیں کہ یہ بہترین انسان میں نے اپنی
بیٹی کے لیے منتخب کیا تھا۔ آج اسی کا بیٹا آپ نے
میرے لیے چنا ہے۔ اور آپ کا یہ چناؤ مجھے دل وجان
سے قبول ہے۔"

نانا ابا کے مسکراتے چہرے کو اپنی نظروں کی
گرفت میں لیتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ نانا ابا اس کی
نگاہوں سے بے نیاز نانی امی کے ساتھ اس بارے میں
گفتگو کر رہے تھے کہ شجاع انکل وغیرہ کے کراچی آنے
پر کس قسم کا دعوتی انتظام ہونا چاہیے۔

"کوئی باقاعدہ فنکشن نہیں بھی ہے اور کسی کو
انوائیٹ بھی نہیں کرنا ہے لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ
زبردست قسم کا انتظام تو ضرور ہونا چاہیے۔ آخر آتو وہ
لوگ انگوٹھی پہنانے ہی رہے ہیں۔"

نانی امی نے ان سے اپنی رائے کا اظہار کیا تو انہوں
نے اتفاق کرنے والے انداز میں گردن ہلا دی تھی۔

نانی امی کے ہاتھ پاؤں تو تب پھولے جب اسی رات
شجاع انکل نے فون کر کے بتایا کہ وہ لوگ کل شام کی
فلائٹ سے کراچی آرہے ہیں۔ ان لوگوں کے آنے کا
سننے کے بعد تو یونیورسٹی جانے کا سوال ہی پیدا نہیں
ہوتا تھا۔ یونیورسٹی سے چھٹی کر کے اس نے نانی امی کا
ہاتھ بٹانا چاہا تو انہوں نے اسے کسی بھی کام کو ہاتھ
لگانے سے سختی سے منع کر دیا۔ ان کی بات تو شاید وہ ان
سنی کر بھی دیتی لیکن نانا ابا نے ان سے بھی زیادہ سخت
انداز میں اسے کچن میں گھسنے سے منع کیا۔

"اس سے تو پھر میں یونیورسٹی ہی چلی جاتی۔ بے

کار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہوں۔" وہ جھنجھلائی

"کون کہہ رہا ہے تم سے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھو۔ تمہارے سسرالی آرہے ہیں، کچھ اچھی اچھی سی تیاریاں کرلو۔ ایک چکر بیوٹی پارلر کا لگا آؤ۔" نانا ابا نے شرارتی سی مسکراہٹ چہرے پر لاتے ہوئے اسے چھیڑا۔

حسب وعدہ سر شام ہی وہ لوگ پہنچ گئے تھے۔ شجاع انکل، آنٹی، فرحین اور چھوٹے نانا کے ساتھ ساتھ حمزہ بھی ان لوگوں کے ساتھ آیا تھا۔ آنٹی بہت خوب صورت اور قیمتی ڈریس اس کے لیے لائی تھیں۔ فرحین نے تیاری میں اس کی مدد کی۔ بغیر کسی بیوٹی پارلر سے تیار ہوئے ہی وہ ہمیشہ سے بہت مختلف اور بہت پیاری لگ رہی تھی۔ فرحین کے ساتھ ہی وہ ڈرائنگ روم میں آکر سب لوگوں کے درمیان بیٹھی۔ چھوٹی سی گھریلو سطح پر منعقد کی جانے والی وہ تقریب جس سے ابھی خاندان بھر میں کسی کو آگاہ بھی نہیں کیا گیا تھا۔ وہاں موجود سب ہی لوگوں کے لیے خوشیوں اور مسکراہٹوں کا باعث تھی۔ چھوٹے نانا کے ہاتھ سے انگوٹھی پہننے کے بعد اور پھر باری باری سب لوگوں سے ملوانے کے وقت سر جھکائے اور زیادہ تر خاموش ہی رہی تھی۔ کوئی براہ راست اسے مخاطب کرتا تو وہ جواب دیتی اور اس کے بعد پھر وہی خاموشی۔

حمزہ کی تھوڑی دیر بعد خود پر پڑنے والی گہری نگاہوں کا اسے سر جھکائے ہوئے بھی اندازہ تھا۔ حمزہ کے علاوہ باقی سب کا رات ان کے ہاں ٹھہرنے کا پروگرام تھا۔ اس کے کچھ دفتری کام تھے جن کی وجہ سے اسے واپسی کی جلدی تھی۔ کھانے کے بعد کافی پیتے ہی وہ جانے کے لیے اٹھ گیا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ حمزہ اس سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہے۔ مگر اتنے سارے بڑوں کے بیچ شاید وہ اپنی اس خواہش کا اظہار نہیں کر پا رہا تھا۔

رات میں سونے سے پہلے فرحین نے اس کے اس خیال کی تصدیق بھی کر دی تھی۔

"حمزہ بھائی بے چارے آپ سے بات کرنا چاہ رہے تھے۔ مگر سب کے سامنے کیا بات کرتے۔ جاتے وقت مجھ پر بھی لعنت بھیج کر گئے ہیں کہ میں بھائی کے اتنا سا بھی کام نہ آسکی۔ لیکن نہیں بھئی، میں بڑے ابا کے سامنے ایسی ویسی کوئی حرکت کر ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ کہتے یہ اتنی سی چھٹنکی کی حرکتیں دیکھو۔ بڑوں کے سامنے بھائی بھابھی کی ملاقاتوں کا بندوبست کروا رہی ہے۔"

اس کے برابر بیڈ پر لیٹی وہ بڑے مزے سے نانا ابا سے خائف ہونے کا اعتراف کر رہی تھی۔ وہ نانا ابا سے اس کے ڈرنے پر ہنس پڑی تھی۔

اگلے روز دوپہر کے کھانے کے بعد ان لوگوں کی واپسی ہوئی تھی۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد اس نے سعد کو فون کرنے کا سوچا۔ وہ فون کرنے کے ارادے سے آکر بیٹھی پھر کچھ سوچ کر ریسیور واپس رکھ دیا۔ کل سنڈے تھا۔ بجائے فون کرنے کے اس نے کل سعد کے گھر جانے کا پروگرام طے کیا۔

☆.....☆☆.....☆

وہ سعد کے گھر پہنچی تو صبح کے دس بج رہے تھے۔ نجمہ اسے لاؤنج میں بٹھا کر سعد کو اٹھانے چلا گیا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد سعد کی آمد ہوئی تھی۔ آنکھوں کی سرخی اور بوجھل پن نیند کے نامکمل ہونے کا اعلان کر رہے تھے۔

"آپ کیسے تشریف لے آئیں میرے غریب خانے پر۔ وہ اچھی اردو میں ایسے موقع پر کیا شعر پڑھا جاتا ہے۔" وہ سیڑھیوں پر سے ہی زور زور سے بولتا ہوا اس کے پاس آیا۔

"خوامخواہ ذہن پر زور نہ ڈالو۔ یہ شعر و شاعری تمہارے بس کا روگ نہیں۔ تمہاری پہنچ بس مارکیٹنگ، بینکنگ، اکاؤنٹنگ اور فائنانس تک ہی ہے۔ بہتر ہے تم اسی کے بارے میں غور و فکر کیا کرو۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں گویا ہوئی تھی۔ فلور کشن پر گرنے والے انداز میں بیٹھتے ہوئے اس نے اسے گھور کر دیکھا۔

"ویسے خیریت تو ہے۔ صبح صبح نازل ہونے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔" وہ نازل ہونے کے لفظ پر برا ماننے والے لہجے میں بولی۔

"تمہیں میرا آنا اچھا نہیں لگا؟۔"

"اچھا برا کا فیصلہ تو بعد میں ہوگا۔ فی الحال تو میں حیران ہو رہا ہوں۔ ممی ڈیڈی کے جانے کے بعد تم یہاں کتنی بار آئی ہو۔ میں انگلیوں پر گن کر بتا سکتا ہوں۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"ویسے آج میرا تم سے ملنے آنے کا پکا پروگرام تھا۔ پچھلے تین دن اتنا بزی رہا کہ تم سے فون پر بھی بات نہیں ہو سکی۔ پھر آج تو سنڈے بھی ہے۔ نانی امی یقیناً لنچ پر کچھ خاص اہتمام ضرور کریں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"تندوری چکن بن رہی ہے۔ آجانا تم لنچ پر۔" اس نے اطلاع فراہم کی۔ اس کا جواب سننے کے دوران سعد نے فخرو کو آواز دے کر بلایا تھا۔ اس سے اپنے لیے ناشتہ لانے کا کہتے ہوئے سعد نے اس سے بھی ناشتے کے بارے میں پوچھا۔

"ناشتہ میں کر چکی۔ ویسے تم کہو تو تمہارے لیے آج ناشتہ میں بناؤں۔"

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔ کچھ اچھی سی چیز بنا کر کھلا دو۔ یہ فخرو نے تو اکثر سیدھی بدذائقہ چیزیں کھلا کھلا کر میرے منہ کا ذائقہ ہی خراب کر دیا ہے۔" فخرو اپنے بارے میں اتنے برے کمنٹس سن کر منہ پھلاتا وہاں سے چلا گیا۔ وہ اٹھ کر کچن میں چلی گئی تو سعد اخبار کی سرخیوں پر نظریں دوڑانے لگا۔

"مجال ہے جو کبھی کوئی خیر کی اور دل خوش کرنے والی خبر پڑھنے کو مل جائے۔" وہ چند لمحوں بعد ہی بیزار سا ہوتا اخبار پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔

اس کے پاس کچن میں آیا تو وہ تیزی سے ہاتھ چلانے میں مصروف تھی۔ وہ کچن ٹیبل پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

"تم کبھی میرے لور ایٹی کیٹس نہیں سیکھ سکتے۔ کوئی کہہ سکتا ہے یہ ٹیبل پر چڑھ کر بیٹھا ہوا بندہ کسی ایگزیکٹو پوسٹ پر کام کر رہا ہے۔" وہ مایوسی بھرے انداز میں گویا ہوئی۔

سعد نے اس کی بات اَن سنی کر دی۔ اپنی کسی پسندیدہ دھن پر ونسلنگ کرتا وہ اسے کام کرتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اس نے ناشتہ لا کر اس کے سامنے رکھا تو وہ ٹیبل پر سے اتر کر کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"شروع ہو جاؤ اب تم۔ جتنی دیر میں، میں ناشتہ کر رہا ہوں۔ تم اپنی رام کہانی سنا ڈالو۔" وہ قیمہ بھرے پراٹھے سے لطف اندوز ہوتا ہوا اس سے بولا۔ اس کے چہرے پر پھیلی حیرت دیکھ کر وہ ہولے سے مسکرایا۔

"اتنی سی تھیں تب سے تمہیں جانتا ہوں۔ تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ جو بھی بات بتانی ہے۔ بتا ڈالو۔"

وہ زمین سے دو ڈھائی فٹ ہاتھ اوپر کرتا ہوا بولا۔ وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ نہ اس نے سعد کی بات کی تردید کی تھی نہ تائید۔

"ویسے تمہارے پاس کیا کوئی جادو کی چھڑی ہے۔ اتنی جلدی اتنا مزے دار پراٹھا کیسے تیار کر لیا تم نے۔" وہ خود ہی موضوع بدل گیا۔

"اس میں میرا اتنا کوئی خاص کمال نہیں ہے۔ میں نے کچن میں آکر فریج میں جھانکا۔ تو پیالے میں بھنا ہوا قیمہ رکھا نظر آیا۔ بس وہ بھر کر میں نے پراٹھا بنا دیا۔"

وہ خود بھی اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ سعد سر ہلاتا کھانے میں مصروف ہو گیا۔ وہ ناشتہ ختم کر چکا تو دونوں اٹھ کر واپس لاؤنج میں آگئے۔

"کل رات نانا لا سے ملاقات ہوئی تھی۔ صدیقی انکل کے گھر سے نکل رہے تھے وہ۔ میں اس وقت کاشف کے گھر جانے کے لیے نکل رہا تھا۔ بڑے خوشگوار موڈ میں تھے نانا لا۔ مجھے رات کے گیارہ بجے گھر سے نکلتا دیکھ کر انہوں نے ٹوکا بھی نہیں۔ کوئی نصیحت اور تلقین بھی نہیں کی۔ یہ بھی نہیں کہا کہ صاحبزادے یہ وقت شریف لوگوں کی گھر واپسی کا ہوتا ہے جس وقت آپ گھر سے نکل رہے ہیں۔ حالانکہ میں انہیں دیکھ کر ڈر گیا تھا کہ اب ضرور میری کھنچائی

ہوگی۔ لیکن خلافِ توقع انہوں نے بڑے پیار سے سلام کا جواب دے کر میری خیریت دریافت کی اور آگے بڑھ گئے۔"

صدیقی انکل کے ساتھ نانا ابا کی بڑی اچھی دوستی تھی۔ اکثر سیاسی موضوعات پر گفتگو کرنے ایک دوسرے کے گھر آنا جانا ہو جایا کرتا تھا۔ وہ سعد کی بات سنتے ہوئے صوفے پر ٹک گئی تھی۔

"نانا ابا آج کل خوش بہت ہیں۔ اسی خوشی میں تمہاری آوارہ گردیاں بھی نظر انداز کر گئے۔" اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"کیا بات ہوئی ہے خوشی کی۔ مجھے بھی بتاؤ۔" وہ آوارہ گردی کے لفظ پر برا مانے بغیر خوشی کا پس منظر جاننا چاہ رہا تھا۔

"وہی تو بتانے آئی ہوں تمہیں۔ مجھے پتا ہے ساری بات جان کر تم مجھ سے بہت ناراض ہو گے۔ لیکن سب کچھ اتنا اچانک اور جلدی میں ہوا کہ میں کچھ سمجھ ہی نہیں پائی۔ کل سے تم سے بات کرنا چاہ رہی ہوں۔ لیکن گھر پر تو کل تم نے ملنا نہیں تھا۔ تم سے ملنے کے لیے تو بندہ صبح صبح گھر آئے تب ہی ملا جا سکتا ہے ورنہ نہیں اور فون پر میں نے بتانا یوں مناسب نہیں سمجھا کہ تم اتنی اہم بات بالکل غیروں کی طرح فون پر بتائے جانے پر لازمی مجھ سے ناراض ہو جاتے۔ ویسے ناراض تو تم اب بھی ہو گے۔ لیکن آمنے سامنے بیٹھ کر میں کم از کم اپنی صفائی تو ڈھنگ سے پیش کر سکوں گی۔"

وہ بہت سنجیدگی سے بول رہی تھی۔ سعد حیرت سے اس کی طرف دیکھتا ان الجھے ہوئے جملوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے خاموش اور تحیر سے اپنی سمت دیکھتا پا کر اس نے خوب صورت اور نازک سی ڈائمنڈ رنگ سے سجا اپنا ہاتھ اس کے آگے کر دیا تھا۔

"نانا ابا نے حمزہ کے ساتھ پرسوں میری منگنی کر دی ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔

"تم پلیز ناراض مت ہونا سعد! سب کچھ اتنی جلدی میں ہوا۔ یقین کرو، ہم لوگوں نے کسی کو بھی انوائیٹ نہیں کیا تھا۔ ابھی تک خاندان میں بھی کسی کو اس رشتے کا پتا نہیں چلا ہے۔ بس صرف گھر کے افراد تھے اور کوئی بھی شریک نہیں تھا۔ ہر چیز اتنی اچانک اور تیز رفتاری سے ہوئی کہ میں بوکھلائے ہوئے انداز میں بس خاموشی سے سب دیکھتی ہی رہ گئی۔"

اس نے اپنی بات مکمل کر کے سعد کی طرف دیکھا تو وہ بڑے غصے سے اسے گھور رہا تھا۔

"تم صبح صبح یہ بے ہودہ مذاق کرنے کے لیے یہاں آئی ہو۔ بڑی غلطی کی تھی میں نے تمہارے سامنے حمزہ کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر کے۔ تمہیں پتا چل گیا ہے ناں کہ میں اس سے چڑتا ہوں۔ اس لیے جان بوجھ کر یہ فضول بکواس کر رہی ہو۔ تمہارا سینس آف ہیومر دن بدن خراب ہوتا جا رہا ہے۔"

وہ ملامتی لہجے میں اس انداز سے یہ بات بولا جیسے اسے سو فیصد یقین تھا اس بات کے جھوٹا ہونے پر۔

"میں مذاق نہیں کر رہی ہوں سعد! میری حمزہ کے ساتھ منگنی ہو گئی ہے۔ تم چاہو تو جا کر نانی امی اور نانا ابا سے تصدیق کر آؤ۔" وہ اس کے یقین نہ کرنے پر زچ سی ہو گئی۔

اب کی بار سعد نے بہت چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو ناں فری! یونہی میرے ساتھ مذاق کر رہی ہو۔" وہ سامنے والے صوفے سے اٹھ کر اس کے بالکل سامنے کارپیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔

"میں نہ جھوٹ بول رہی ہوں نہ مذاق کر رہی ہوں۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں سعد! کیا کوئی لڑکی اس طرح کی بات مذاق میں کر سکتی ہے۔"

وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بردباری سے بولی تھی۔ سعد خاموشی سے اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ کتنے بہت سے پل خاموشی کی نذر ہو گئے تھے۔ وہ اس کی خاموشی سے خائف سی ہوتی خود ہی بولنا شروع ہو گئی۔

"اس روز جب میں تمہارے ساتھ شاپنگ کر کے واپس آئی تو شجاع انکل کا فون آیا ہوا تھا۔ انہوں نے نانا ابا سے میرے اور حمزہ کے رشتے کے بارے میں

بات کی۔ نانا ابا تو تمہیں پتا ہی ہے وہ حمزہ کو کس قدر پسند کرتے ہیں۔ انہیں رشتہ دل و جان سے قبول تھا۔ رات میں انہوں نے اس بارے میں مجھ سے پوچھا۔ میں کیوں انکار کرتی۔ میری کہیں کسی کے ساتھ کوئی کمٹمنٹ نہیں، میں کسی کو پسند نہیں کرتی تو پھر کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ جسے نانا ابا پسند کر رہے ہیں، میں اسے قبول کر لوں۔"

وہ اب بھی کچھ نہیں بولا تھا۔ بس خالی خالی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اسے اس چپ سے وحشت ہو رہی تھی۔ "کیا ہو گیا ہے تمہیں سعد! تم اس طرح خاموش کیوں ہو گئے ہو۔"

"کیا تمہیں نہیں پتا، مجھے کیا ہوا ہے؟" اس کے سوال کے جواب میں اس نے بڑے عجیب سے انداز میں سوال پوچھا تھا۔ "کسی اور کے نام کی انگوٹھی پہن کر تم اتنے فخریہ انداز میں گردن اونچی کیے میرے سامنے بیٹھی ہو۔ تمہیں یہ بات بتاتے ہوئے شرم بھی نہیں آ رہی۔ نانا ابا کو تمہاری منگنی اور شادی کا اتنا ہی شوق اور جلدی ہو رہی تھی تو تم مجھے بتا تو سکتی تھیں۔ میں نے تمہیں بتایا تھا ناں ممی کے پاکستان آنے کا۔ انہیں یہاں اسی لیے آنا تھا۔ میں نے ہی کہا تھا ان سے آنے کو۔ تم یہ بات مجھے بتاتیں۔ میں ان سے کہتا۔ وہ خود نہ بھی آ پاتیں کم از کم فون پر ہی نانا ابا سے بات کر لیتیں۔" وہ اب غصے سے اس کے اوپر چیخ رہا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو تم سعد! ہماری دوستی میں ایسی کوئی بات تو کبھی بھی شامل نہیں رہی۔ میں نے تو ہمیشہ اپنی دوستوں کو بڑے فخر سے بتایا ہے۔ میری اور سعد کی دوستی بڑی صاف ستھری اور پاکیزہ ہے۔ ضروری تو نہیں کہ ایک لڑکا اور لڑکی جب آپس میں دوستی کریں تو ان کے درمیان کوئی دوسرا رشتہ بھی پیدا ہو۔ اگر ایسی کوئی بات کبھی تمہارے ذہن میں آئی بھی ہے تو کم از کم میرے تو ہرگز۔"

سعد نے اچانک اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر اسے آگے بولنے سے روک دیا۔ "آگے کچھ مت کہنا فری۔ پلیز اس سے آگے کچھ مت کہنا۔ بس صرف اتنی سی بات ہے ناں کہ فریا عبدالرحمان اپنی زندگی کا سفر سعد منیر کے ساتھ طے نہیں کرنا چاہتی۔ وہ کوئی اور ہے جس کے ساتھ اس نے زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تمہارا یہ فیصلہ میں نے سن لیا۔ اتنی سی بات بتانے کے لیے اتنے آگے تک تو مت جاؤ۔ یہ مت کہو کہ محبت کے اس سفر میں، میں تنہا تھا۔ میں تمہیں اقرار کے لیے مجبور نہیں کرتا میں تمہیں کسی بھی بات کے لیے مجبور نہیں کرتا لیکن پلیز فری! یہ کبھی مت کہنا کہ سعد منیر! محبت کا یہ سفر تم نے تنہا طے کیا ہے۔ میں اس سفر میں کبھی تمہارے ساتھ تھی ہی نہیں۔ یہ بات میں سہہ نہیں پاؤں گا فری! میں تمہاری جدائی سہہ سکتا ہوں، میں ہر بات سہہ سکتا ہوں مگر یہ نہیں۔"

یہ ٹوٹا بکھرا لہجہ سعد کا لگ ہی نہیں رہا تھا۔ سعد نے اپنا ہاتھ اس کے لبوں پر سے ہٹا لیا۔ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت کہیں بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں گر رہے تھے۔ لیکن وہ پھر بھی روتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ کیا کبھی مرد روتے بھی ہیں؟

اچانک وہ اس کے سامنے سے اٹھ گیا۔ وہ صوفے پر سکتے کے سے عالم میں بیٹھی اسے لاؤنج سے نکلتا ہوا دیکھتی رہ گئی اور وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ بھی بڑی خاموشی سے وہاں سے نکل کر واپس اپنے گھر آ گئی تھی۔

"بتا دیا سعد کو منگنی کا؟" کچن میں مصروف نانی امی نے اسے دیکھتے ہی پوچھا تھا۔

"جی بتا دیا ہے۔ فی الحال تو موصوف مجھ سے سخت ناراض ہو گئے ہیں۔" فریج میں سے پانی نکالتے ہوئے اس نے انہیں بتایا۔

"اس کا ناراض ہونا بھی اپنی جگہ جائز ہے۔" نانی امی نے کیبنیٹ میں سے کچھ ڈھونڈتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا وہ سر ہلاتی کچن سے نکل گئی۔ اپنے کمرے میں آ کر تھوڑی دیر تک تو وہ یونہی بیٹھی رہی۔ سخت ترین گھٹن اور اعصابی دباؤ کا شکار ہو رہی تھی وہ اس وقت۔ جو

کچھ اس وقت اس کے دل میں تھا وہ جب تک باہر نہ نکل جاتا اس وقت تک اس کا اضطراب کم نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے زندگی میں کبھی ڈائری نہیں لکھی تھی۔ لیکن اس وقت وہ ڈائری کے ساتھ اپنی تمام تر فیلنگز شیئر کرنا چاہتی تھی۔

اس نے اٹھ کر الماری کھولی تھی۔ ماما کی سب سے آخری ڈائری جس کے تقریباً آدھے صفحے خالی پڑے تھے اس نے نکال لی تھی۔ ماما نے آخری روز ڈائری تب لکھی تھی جب وہ پاکستان ٹور سے واپس آئی تھیں۔ اس میں اس کے پاپا سے والہانہ چاہت کا اظہار کیا گیا تھا۔

اس کے بعد کے تمام واقعات کے بارے میں انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں لکھا تھا۔ شاید ان دنوں ان کا ذہن اتنا الجھا ہوا ہو گا کہ وہ کچھ لکھ ہی نہ پائی ہوں گی۔ کافی دیر تک بیٹھی وہ لکھتی رہی تھی۔ ہر وہ بات جو اس کے دل میں اس وقت شور مچا رہی تھی۔ اس نے لکھ ڈالی تھی۔ ایسا کرنے سے اسے بڑا سکون اور اطمینان ملا تھا۔ کچھ دیر پہلے کا اضطراب اور بے چینی آہستہ آہستہ ختم ہوتے جا رہے تھے۔

☆.....☆☆.....☆

رات میں حمزہ کا فون آیا تھا۔ نانی امی ریسیور اس کے ہاتھ میں پکڑا کر خود لاؤنج سے چلی گئی تھیں۔

"کیسی ہو؟" اس کا وہی دوستانہ سا انداز تھا خیریت پوچھنے کا۔

"بالکل ٹھیک۔ تم کیسے ہو۔" اس نے بھی جواباً خیریت پوچھی۔

"ٹھیک ٹھاک اور بے تحاشا خوش۔ اتنا خوش کہ ملے خوشی کے ہر کام الٹا کر رہا ہوں۔ میرا خیال ہے، اس وقت تم سے بات کرنے کے علاوہ میں دوسرا کوئی بھی کام ڈھنگ سے نہیں کر سکتا۔" وہ بڑے بے تکلفانہ اور خوشگوار موڈ میں تھا۔

وہ جواباً خاموش رہی۔

"ویسے تم اس وقت کر کیا رہی تھیں۔ میں نے ڈسٹرب تو نہیں کر دیا۔"

"نہیں۔ میں بالکل بھی ڈسٹرب نہیں ہوئی۔"

اس نے سنجیدگی سے حمزہ کی بات کا جواب دیا۔

"تمہیں کیسا لگ رہا ہے فریا! اس نئے رشتے کے بعد مجھ سے بات کرنا۔" اس کی بات سننے کے بعد اس نے آہستگی سے پوچھا۔

"اب تم روایتی مشرقی لڑکیوں کی طرح شرمانا مت شروع کر دینا۔ ویسے اتنا تو مجھے اندازہ ہے کہ تم نے میرے بارے میں کبھی اس انداز سے نہیں سوچا تھا۔ تمہارے لیے میں ایک عام سا کزن تھا۔ اگر تمہارے لیے میری کوئی اہمیت تھی بھی تو وہ میرے پروفیشن کے حوالے سے تھی۔ شاید کچھ ذہین اور چینس ٹائپ کا بندہ لگا تھا میں تمہیں۔"

وہ ایک سیکنڈ اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد خود ہی جواب دینا شروع ہو گیا۔ وہ حمزہ کی بات سن کر ہنس پڑی۔

"ہاں، اس سے زیادہ واقعی میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔" اس نے تھوڑی سی صاف گوئی سے کام لیا۔ وہ اس کے جواب سے محظوظ ہوتا ہنس پڑا۔

"کیا میں یہ امید کر سکتا ہوں کہ مس فریا عبدالرحمان اب میرے بارے میں کچھ مختلف انداز سے سوچنا شروع کر دیں گی۔ ذہانتوں اور صلاحیتوں سے ہٹ کر۔ اس حمزہ شجاع احمد کے بارے میں جو فریا نام کی اس لڑکی کے پیچھے واقعی پاگل ہو چکا ہے۔"

حمزہ سے اس درجہ بے تکلفی کی امید اسے قطعاً نہیں تھی۔ اس کے اس واضح اظہار کے جواب میں اسے کیا کہنا چاہیے، اسے یہ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"تین چار سال پہلے ڈیڈی نے ایک بار میرے اور ممی کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا۔ تب میں نے ان کی بات پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ اول تو اس وقت میں اپنی پڑھائی میں مصروف تھا۔ دوسرے ایک ایسی کزن جسے بچپن کے بعد میں نے دوبارہ کبھی دیکھا تک نہیں اس کے بارے میں سوچنا میں نے کچھ ضروری نہیں سمجھا تھا۔ لیکن پھر جب میں کراچی ڈیڈی کے ساتھ گیا اور تم سے ملاقات ہوئی تو یقین کرو، پہلی نظر میں ہی تم مجھے بہت اچھی لگی

تھیں۔ پہلے پہل شاید میں تمہاری خوب صورتی سے متاثر ہوا تھا۔ لیکن پھر جیسے جیسے میں تم سے ملتا گیا ویسے ویسے تمہاری بہت سی خوبیاں میرے سامنے آتی چلی گئیں۔ تب میں نے یہ بات جانی کہ فریا عبدالرحمان کی صورت جتنی دلکش اور خوب صورت ہے۔ اس کا دل اس سے بھی بڑھ کر خوب صورت ہے۔ اچھی شکل صورت اللہ کا انعام ہے، کسی بھی انسان کی ایک اضافی خوبی۔ لیکن اس خوبی میں اس کا اپنا کوئی کمال نہیں ہوتا۔ وہ اچھی شکل بغیر کسی محنت اور کوشش کے اسے مل جاتی ہے۔ لیکن جس کا دل خوب صورت ہو، جس کی سوچ خوب صورت ہو، درحقیقت تو وہی انسان خوب صورت ہوتا ہے اور تمہارے پاس یہ خوب صورتی موجود ہے۔"

وہ بہت اپنائیت بھرے انداز میں اس سے مخاطب تھا۔ وہ خاموشی سے اسے بولتا سن رہی تھی۔

"اس روز جب ہم سی ویو گئے تو میں نے تمہاری بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ اس وقت میرے پاس جواب نہیں تھا۔ جواب تھا میرے پاس۔ لیکن میں یہ سوچ کر کہ کہیں تم اسے میری ضرورت سے زیادہ بے تکلفی اور بے باکی سمجھ کر برا نہ مان جاؤ۔ خاموش ہو گیا تھا۔ بات یہ ہے فریا کہ تمہارے بارے میں کوئی بھی اندازہ اور کوئی بھی رائے میں نے تمہارا کوئی آرٹیکل پڑھ کر قائم نہیں کی۔ ضروری نہیں کہ جو الفاظ بڑی حساسیت اور دردمندی لیے ہوئے ہوں۔ انہیں تخلیق کرنے والی شخصیت بھی اتنی ہی حساس اور دردمند ہو۔ صرف کسی کی تحریر پڑھ کر ہم اس کے بارے میں کوئی رائے کیسے قائم کر سکتے ہیں۔ تمہارا آرٹیکل پڑھتے ہوئے تو میں صرف یہ سوچتا رہا تھا کہ ہاں یہ لڑکی اس کے لفظ جتنے خوبصورت ہیں اس کا دل اس سے بھی بڑھ کر خوب صورت ہے۔ "تم دل سے سوچتی ہو۔" یہ بات اگر میں نے تم سے کہی تھی تو تمہیں بہت قریب سے دیکھنے اور جاننے کے بعد کہی تھی اور میں تمہیں بتاؤں فریا کہ تمہارا دل سے سوچنا ہی درحقیقت مجھ سے اتنا بڑا فیصلہ کروا گیا ہے۔ تم نہ کم عقل ہو، نہ بے وقوف اور نہ ہی تم کبھی کوئی نقصان اٹھاؤ گی باوجود اس کے کہ مانو گی تم ہمیشہ اپنے دل کی ہی۔"

وہ اتنے سچے دل سے اس کی تعریف کر رہا تھا کہ وہ مسحور سی کھڑی اپنی بہت سی ایسی خوبیوں کے بارے میں جان رہی تھی جو اس سے پہلے کبھی کسی نے اسے بتائی نہیں تھیں۔

"بس اس سے زیادہ تم میری تعریف مت کرنا حمزہ! ورنہ میں ساتویں آسمان پر پہنچنے میں بالکل بھی دیر نہیں لگاؤں گی۔" وہ شوخ سے لہجے میں بولی اور حمزہ اس بات کو انجوائے کرتا قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ فون بند کر کے وہ واپس اپنے کمرے میں آئی تو سونے کے لیے لیٹنے کے بجائے دانستہ حمزہ کی گفٹ میں دی ہوئی کتاب لے کر بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

☆.....☆☆.....☆

کتنے بہت سے دن گزر گئے تھے نہ سعد نے اس سے کوئی رابطہ کیا تھا نہ خود اس نے اس سے ملنے کی کوئی کوشش کی تھی۔ اس دوران اس کے امتحان بھی ہو گئے تھے۔

اس روز اس کا آخری پیپر تھا۔ وہ پیپر دے کر باہر نکلی تو کوریڈور کے آخری سرے پر سعد کھڑا نظر آیا۔ مناہل اور دیگر دوستوں سے معذرت کرتی وہ اس کے پاس آگئی۔

"کیا تم تھوڑا سا ٹائم مجھے دے سکتی ہو؟"

بغیر سلام دعا کے اس نے خشک سے انداز میں پوچھا۔ اس بات سے قطع نظر کہ یہ خشک انداز اسے کتنا دکھی کر رہا ہے، وہ اس کے ساتھ چل پڑی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں ایک پُرسکون سا گوشہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس کے بالکل سامنے بیٹھی وہ اس کا تفصیلی جائزہ لے رہی تھی۔ وہ بہت خاموش اور سنجیدہ سا نظر آرہا تھا۔

"کیا خوبی ہے ایسی حمزہ میں جو مجھ میں نہیں۔ اگر حمزہ کے مقابلے پر میرا پرپوزل بھی موجود ہوتا تو کیا تاتالیا مجھے رد کر دیتے؟" وہ بہت بجھے تیوروں سے

اس سے پوچھ رہا تھا۔
"تم میں کوئی کمی نہیں ہے سعد۔ لیکن۔"
"لیکن تم نے پھر بھی مجھے یہ اطلاع دینا گوارا نہ کیا کہ تمہارے لیے حمزہ کا رشتہ آیا ہے۔ تم ایک بار مجھے میری قسمت آزمانے کا موقع تو دیتیں۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔
"تم انتہائی فضول بات کر رہے ہو سعد! میری منگنی ہو چکی ہے۔ کیا اب تمہیں ایسی کوئی بات مجھ سے کرنا زیب دیتا ہے۔" وہ مصنوعی ناراضی اور خفگی سے گویا ہوئی۔
"بھاڑ میں گئی تمہاری منگنی اور بھاڑ میں گیا تمہارا وہ چیئکس حمزہ۔ میں کسی حمزہ کو نہیں جانتا، میں کسی منگنی کو نہیں جانتا۔ کون ہوتا ہے وہ ہمارے درمیان آکر کھڑا ہو جانے والا۔" وہ غرایا۔
"وہ، وہ شخص ہے جسے میرے لیے میرے نانا بابا نے پسند کیا ہے اور ان کی پسند میں نے دل و جان سے قبول کی ہے۔ تمہارے نہ ماننے سے اس رشتے کی اہمیت ختم نہیں ہو جائے گی۔ تم اس طرح کی باتیں کر کے خود کو میری نظروں میں گرا رہے ہو۔"
وہ جو بولا اس سے زیادہ غصے میں آگئی۔ سعد بہت دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ اس کی نگاہوں سے اسے خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن وہ پھر بھی خود کو بے خوف اور لاپروا ظاہر کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہی تھی۔
"میرے ساتھ اس طرح مت کرو فری۔ نانا بابا ایسے کوئی ظالم تو نہیں۔ میں امریکہ سے ممی ڈیڈی کو بلوا لوں گا۔ وہ انہیں قائل کر لیں گے۔ تم مجھ سے امریکہ نہ جانے کی وجہ پوچھتی تھیں نا۔ میں اسی لیے نہیں گیا تھا۔ تمہاری وجہ سے۔ میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ پلیز مجھے ایک موقع دو، میں ممی کو فوراً بلوا لوں گا۔"
وہ التجائیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔
"سعد! یقین نہیں آرہا کہ یہ اتنی بچکانہ اور امیچور باتیں تم کر رہے ہو۔" تاسف سے اس کی سمت دیکھتی وہ سیک کندھے پر ڈال کر ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔
"جب تک تمہارے دماغ سے یہ خناس نہ نکل جائے، بہتر ہے تب تک تم مجھ سے نہ ملو۔"
وہ اس کی طرف دیکھتی بہت ٹھہر ٹھہر کر بولی تھی اور پھر اس کا جواب سنے بغیر ہی آگے بڑھ گئی تھی۔

☆.....☆☆.....☆

اس کی ایم اے کی کلاسز شروع ہو گئی تھی۔ کلاسز شروع ہونے سے پہلے چھٹیوں کے دوران اس کی سعد سے ایک مرتبہ بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ نانی امی نے کئی مرتبہ سعد کے بارے میں پوچھا تھا۔ وہ ہر بار جواب میں بڑے اطمینان سے کہتی۔
"رات ہی تو اس سے میری فون پر بات ہوئی تھی۔ آپ کو سلام کہہ رہا تھا۔ آج کل گھر پر اس وجہ سے نہیں آپا رہا کہ آفس میں کچھ کام کا زیادہ پریشر ہے۔"
وہ باقاعدہ اپنی اور سعد کی فون پر ہونے والی فرضی اور من گھڑت گفتگو انہیں سناتی۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وہ دونوں پچھلے کئی مہینوں سے نہ ایک دوسرے سے ملے ہیں اور نہ آپس میں کوئی گفتگو ہوئی ہے۔ کتنی مرتبہ ان کے سعد کے بارے میں استفسار کے وقت نانا بابا بھی وہیں موجود ہوا کرتے تھے۔ ان تک کو کبھی اس کے لہجے میں جھوٹ کی جھلک نظر نہیں آئی تھی۔ وہ جھوٹ اتنے یقین سے بولتی کہ کوئی کسی قسم کا شک کر ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ اس سے ناراض تھا۔ بہت شدید ناراض۔ اور وہ اسے منا نہیں رہی تھی اور نہ ہی اس کا ایسا کوئی ارادہ تھا۔
اس نے ایک بار بھی اس کا موبائل نمبر نہیں ملایا تھا۔ کئی بار دل چاہا تھا کہ اسے فون کرے اور وہ دونوں آپس میں اسی طرح باتیں کریں جیسے ہمیشہ کیا کرتے تھے۔ مگر اب ایسا ہو نہیں سکتا تھا۔ وہ اس کی آواز سن کر ہی یقیناً فون بند کر دیتا۔ بلکہ شاید اس کا نمبر دیکھ کر فون ہی نہ اٹینڈ کرتا اور اب کی بار وہ اسے منا نہیں سکتی۔ اس سے سوری نہیں بول سکتی۔ وہ جس بات پر ناراض ہے وہ اس کی یہ ناراضی کبھی دور کر ہی نہیں سکتی تھی۔
حمزہ نے البتہ اس دوران دو تین مرتبہ اسے فون

کیا تھا۔ خود اس نے بھی ایک مرتبہ اسے فون کیا تھا۔ وہ اس کے فون کرنے پر بہت خوش ہوا تھا۔ نانی امی اور نانا ابا کی شجاع انکل اور نازیہ آنٹی سے فون پر بات ہوتی تو وہ بھی ان لوگوں سے سلام دعا ضرور کیا کرتی تھی۔

☆.....☆☆.....☆

وہ پوری سنجیدگی سے پڑھائی میں مصروف تھی جب چھوٹے نانا نے اچانک شادی کی جلدی مچائی تھی۔ وہ نگار آنٹی یعنی اپنی اکلوتی بیٹی کے پاس علاج کی غرض سے لندن جا رہے تھے اور وہاں سے اتنی جلدی واپسی کا ان کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ ایسے میں ان کی شدید خواہش تھی کہ ان کے سامنے حمزہ اور فریا کی شادی ہو جائے۔ ابتدائی طور پر تو نانا ابا نے اس بات کے لیے انکار کیا۔ وہ فریا کے ماسٹرز مکمل کر لینے سے پہلے کسی بھی طرح شادی کے حق میں نہیں تھے۔ مگر پھر ان کے پیہم اصرار اور نانی امی کے سمجھانے پر وہ ان کی بیماری کا سوچتے ہوئے شادی کے لیے رضامند ہو گئے۔

پہلے سمسٹر کے امتحان ہو جاتے ہی شادی ہو جانی تھی۔ ابھی سمسٹر ختم ہونے میں دو ماہ باقی تھے۔ لیکن نانی امی نے زور و شور سے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

اس روز وہ نانی امی کے ساتھ بازار آئی ہوئی تھی۔ جب بازار میں سر راہ اس کی سعد سے ملاقات ہوئی۔ اس کے ساتھ اس کا کوئی دوست بھی تھا۔ وہ اکیلی ہوتی تو وہ یقیناً اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتا لیکن نانی امی کو وہ یقیناً نظر انداز کر کے بد تمیزی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا۔ اپنے دوست کو انتظار کرنے کا کہہ کر وہ ان لوگوں کے پاس آ گیا۔ وہ خود تو پہلے ہی اسے دیکھ چکی تھی۔ نانی امی نے تہیں دیکھا تھا۔ ہمیشہ کی طرح وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔

"بہت مصروف اور بڑی شخصیت بن گیا ہے میرا بیٹا۔ نانی امی سے ملنے کے لیے آنے کا اب اس کے پاس وقت ہی نہیں ہے۔"

انہوں نے بہت مان بھرے انداز میں شکوہ کیا۔ وہ ان کے شکوہ پر کچھ شرمندہ سا ہوتا اپنی دفتری مصروفیات اور دیگر مسائل کا ذکر کرنے لگا۔ جو ظاہر ہے خود ساختہ تھے۔ اسے بڑا اچھا لگا تھا سعد کا یہ جھوٹ۔ اس کے جھوٹ نے خود اس کے جھوٹ کو بھی مزید سچا بنا دیا تھا۔

"بڑی مشکلوں سے آج اس لڑکی کو زبردستی گھسیٹ کر لائی ہوں۔ شادی کی تیاری کتنا مشکل کام ہے۔ میری بوڑھی ہڈیوں میں اب کہاں اتنا دم ہے کہ بازاروں کے چکر لگا سکوں۔ لیکن یہ اتنے نخرے کرتی ہے۔ لے دے کر تم تھے تو تم اپنی مصروفیتوں میں الجھے ہوئے ہو۔"

وہ اس طرح اس سے بولی تھیں جیسے یہ تو لازمی بات ہے وہ جانتا ہی ہو گا کہ فریا کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی ہے اور آج کل وہ لوگ اس کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ ایک پل کے لیے اس کے چہرے کا رنگ بالکل فق ہو گیا تھا۔ وہ بالکل گم صم سے انداز میں بے یقینی سے انہیں دیکھے جا رہا تھا۔ اس لمحہ اپنے تاثرات چھپانے میں وہ بالکل ناکام رہا تھا۔ لیکن نانی امی اپنی شاپنگ اور بازاروں کے قصے میں اتنی بری طرح الجھی ہوئی تھیں کہ اس کا ٹوٹتا بکھرتا انداز دیکھ ہی نہیں پائی تھیں۔

"میرا دوست انتظار کر رہا ہے نانی امی۔ میں انشاءاللہ گھر پر آؤں گا۔ پھر تفصیلی بات ہو گی۔"

وہ ان کی بات مکمل ہوتے ہی بول پڑا۔ انہوں نے سر ہلا کر گویا اسے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ خدا حافظ کہتا تیزی سے واپس مڑ گیا۔ وہ خاموشی سے بہت سے شاپنگ بیگز ہاتھوں میں پکڑے اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

☆.....☆☆.....☆

اس کے امتحان بالکل سر پر آ گئے تھے۔ نانا ابا اور نانی امی کو شاپنگز میں الجھتا چھوڑ کر وہ پوری طرح امتحان کی تیاریوں میں مگن تھی۔

اس روز سعد کی سالگرہ تھی۔ اور اتنے برسوں میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے سعد کو سالگرہ پر وش نہ کیا ہو۔ کوئی گفٹ نہ دیا ہو۔ آج بھی اس نے ایسا ہرگز نہیں کیا تھا۔ اتنے دنوں کی لاتعلقی کے بعد آج وہ اسے

فون کر رہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح رات کے بارہ بجے۔ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتی تھی۔ اس خوف سے کہ کہیں کوئی دوسرا اسے اس سے پہلے وش نہ کر دے وہ رات بارہ بجے ہی اسے فون کیا کرتی تھی۔ ہاں گفٹ وہ پھر اسے اگلے روز اس کے گھر جا کر دیا کرتی تھی۔

اس نے ڈرتے ڈرتے نمبر ملایا۔ پتا نہیں وہ اس سے بات کرنا پسند کرے گا یا نہیں۔ لیکن اسے زیادہ دیر اس بارے میں کچھ سوچنے اور پریشان ہونے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ دوسری طرف پہلی ہی بیل پر فون اٹھا لیا گیا۔

"ہیپی برتھ ڈے سعد۔" کچھ ڈرتے اور جھجکتے اس نے اسے مبارکباد دی۔

"تھینک یو۔" اس کا شکریہ بڑا رسمی سا تھا۔ "میں اس وقت تمہارے فون کا ہی انتظار کر رہا تھا۔"

بہت سنجیدہ اور کھنچا کھنچا سا لہجہ تھا اس کا۔ وہ اس لہجے پر دل میں افسوس اور اداسی کو جگہ بناتے دیکھ کر بھی بظاہر خوشگوار انداز میں پوچھنے لگی۔

"تمہیں یقین تھا ناں کہ میں فون ضرور کروں گی۔"

"یقین تو نہیں تھا لیکن پھر بھی میں انتظار کر رہا تھا۔ بہت سی باتوں کا ہمیں یقین نہیں ہوتا لیکن پھر بھی ہم ان کے ہونے کی خواہش تو ضرور رکھتے ہیں۔"

اس کے لہجے میں نہ شوخی تھی نہ شرارت نہ کسی قسم کی خوشی اور گرم جوشی۔ بس ایک گہری اور مستقل قسم کی سنجیدگی۔ جو اس کے دل کو بہت دکھ پہنچا رہی تھی۔

"تم کل آؤ گی؟" ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔ وہ اس سے ملنے کے لیے تیار ہے۔ اس کے آنے کے بارے میں دریافت کر رہا ہے۔ وہ اس بات پر بے حد مسرور ہوئی تھی۔

"ہاں، میں صبح میں آؤں گی۔ تمہارے آفس جانے سے پہلے۔" اس نے فوراً ہامی بھر لی تھی۔

"ایسا کرو، کل یونیورسٹی کی چھٹی کر لو۔" اس کے لہجے کی سنجیدگی ہنوز برقرار تھی۔

"چھٹی کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جمعرات کو میرا پہلا پیپر ہے۔ آج کل تو پریپ لیوز ملی ہوئی ہیں۔" وہ دل ہی دل میں حیران ہوتی جو بولی۔

"ارے ہاں۔ میں بھول ہی گیا۔ مئی کا مہینہ چل رہا ہے۔ یونیورسٹی میں امتحانوں کا موسم پورے عروج پر ہوگا۔" اس نے جیسے اپنی یادداشت پر افسوس کیا۔

"چلو ٹھیک ہے پھر کل ملیں گے۔" اس نے لائن منقطع کر دی تھی۔

ریسیور واپس رکھ کر وہ کافی دیر تک سعد کے اس انداز پر حیران ہوتی رہی۔ کیا اس نے خود ہی اپنی ناراضی ختم کر دی۔ کیا اس نے اس رشتہ کو آخر کار قبول کر لیا ہے۔

☆.....☆☆.....☆

صبح وہ نانی امی سے سعد کے گھر جانے کا کہتی گھر سے نکل آئی تھی۔ اسے گیٹ پر بیل کرنے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ وہ پہلے ہی سے گیٹ پر کھڑا جیسے اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کی طرف بغور دیکھتے وہ گیٹ سے اندر آ گئی تھی۔ جینز اور ٹی شرٹ پہنے وہ بالکل عام سے حلیہ میں تھا۔ غالباً آج اس کا آفس جانے کا ارادہ ہی نہیں تھا۔ وہ تحفہ ہاتھ میں لیے اس سے پہلے ہی لاؤنج کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

"آفس سے چھٹی کر کے میں اس لیے تھوڑی بیٹھا ہوں کہ ہم دونوں گھر میں بیٹھیں گے۔ آج میرا موڈ سالگرہ کو کچھ مختلف انداز میں منانے کا ہو رہا ہے۔"

رات کی سنجیدگی کے برخلاف اس وقت وہ بڑے خوشگوار موڈ میں تھا ایسے جیسے ان کے درمیان کوئی جھگڑا اور کوئی لڑائی تھی ہی نہیں۔ اس کے جواب میں کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا۔ گاڑی کی چابی ہاتھ میں لیے جیسے وہ اسی کی آمد کا منتظر تھا۔ گاڑی کا دروازہ کھولنے کے بعد وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود گیٹ کھولنے چلا گیا۔

"چوکیدار کہاں ہے؟" گیٹ پر چوکیدار کی غیر موجودگی کا اسے اب دھیان آیا تھا۔

"چھٹی پر گیا ہوا ہے۔"

گاڑی ریورس کرتے ہوئے سعد نے جواب دیا۔
اپنی پسند کا فاسٹ میوزک لگا چکنے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔
"ایسا کرو، نانی امی کو واپسی میں دیر ہو جانے کا اور میرے ساتھ باہر جانے کا بتا دو۔"
اس نے گاڑی ان کی گلی میں موڑی۔ وہ بھاگتے دوڑتے نانی امی کو اطلاع دے کر واپس گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔
"ایسا کرتے ہیں، پہلے کہیں سے اچھا سا ناشتہ کرتے ہیں پھر آوارہ گردی شروع کر دیں گے۔"
اس کے چہرے کے حیرت بھرے تاثرات دیکھ کر وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔
"یار آج میرا تمہارے ساتھ بہت دیر تک آوارہ گردی کرنے کا پروگرام ہے۔ دل چاہ رہا ہے اس سالگرہ کو کچھ مختلف اور یادگار انداز میں منائیں۔ آج ہم دونوں مل کر کراچی کی خاک چھانیں گے۔" وہ دوستانہ اور بے تکلف انداز۔ بغیر ہچاہٹ اور تصنع کے [illegible] اور خلوص لیے ہوئے۔
"تم مجھ سے خفا نہیں ہو سعد! کیا تم [illegible] رشتے کو قبول کر لیا؟" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی ہچکچاہٹ کے ساتھ گویا ہوئی۔
"میں تم سے بالکل بھی خفا نہیں ہوں اور میں تم سے کبھی خفا ہو بھی نہیں سکتا۔" وہ اس کا دوسرا سوال نظر انداز کر کے ٹھوس اور مستحکم انداز میں بولا۔
کچھ دیر بعد ایک چھوٹے سے ہوٹل کے باہر گاڑی روک کر اس نے اپنے اور اس کے لیے حلوہ پوری کا آرڈر کیا تھا۔
"ضروری تھوڑی ہے کہ بندہ ہمیشہ فائیو اسٹار ہوٹلز میں ہی کھانا کھائے۔ کبھی کبھار اس قسم کے ایڈونچر ضرور کرنے چاہئیں۔"
گاڑی میں بیٹھ کر حلوہ پوری کھاتے ہوئے سعد کی طرح وہ بھی اس ایڈونچر سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہی تھی۔ ناشتے سے فارغ ہوتے ہی اس نے اتنی دیر سے اپنی گود میں دھرا گفٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

"کتنی دیر سے میں انتظار کر رہا تھا۔ بلکہ ایک بار تو میرے دل میں آئی کہ میں خود ہی اٹھا لوں۔ آخر اس پر اتنا بڑا بڑا اور بلاک لیٹرز میں میرا ہی نام لکھا ہوا ہے تو یقیناً یہ میرے ہی لیے ہے۔" وہ شکریہ اور نوازش کے چکر میں الجھے بغیر بے تابی سے گفٹ کھول کر دیکھنے لگا تھا۔
گاڑی ان کے اسکول کی سڑک پر سے گزر رہی تھی۔ وہ اس سڑک کے ایک طرف شان سے جم کر کھڑی ہوئی اس عمارت میں اپنا بچپن ڈھونڈنے لگی تھی۔ سعد نے اسکول کے پاس گاڑی روک دی تھی۔
"تمہیں اسکول کے دن یاد آتے ہیں فری؟" وہ بغور اس بلڈنگ کی طرف دیکھتا ہوا کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولا۔
"ہاں، بہت زیادہ۔" اس نے بڑی سچائی سے اعتراف کیا تھا۔
"تمہارا دل نہیں چاہتا کہ وہ وقت لوٹ آئے۔ میرا تو بہت دل چاہتا ہے۔ کہیں سے بھی کوئی مجھے میرا وہ کھویا ہوا بچپن لا دے۔ وہ وقت کتنا خوب صورت تھا ناں فری۔ ہر فکر اور ہر غم سے آزاد۔ زندگی کا محور اسکول، ہوم ورک، ٹیچرز، دوست اور کھیل کود ہوا کرتے تھے اور تمہیں وہ دن یاد ہے جب ایک مرتبہ اسکول کی چھٹی کے بعد ہم لوگ بجائے گھر واپس جانے کے ہل پارک چلے گئے تھے۔ میں، تم اور زوہیب۔ کتنا مزہ آیا تھا ناں اس روز۔ بارش بھی تو کتنی زوردار ہو رہی تھی۔ بارش میں بھیگتے ہم لوگ ڈرائیور کی نصیحتوں کو خاطر میں لائے بغیر کتنی دیر تک کھیلتے رہے تھے۔ بارش میں بھیگتے اور شرارتیں کرتے رہے تھے۔"
وہ بڑی شدت سے ان دنوں کو یاد کر رہا تھا۔ اور اس سے ذکر سن کر وہ خود بھی ماضی کی دھند میں لپٹے اس دن کو بڑی شدت سے یاد کرنے لگی تھی۔
"پہلے کہیں پر لنچ کر لیں پھر ہل پارک چلیں گے۔"
"ابھی تو ناشتہ کیا ہے۔ میں تو اب شام تک کچھ نہیں کھاؤں گی۔" وہ لنچ کا ذکر سن کر سر نفی میں ہلاتے

ہوئے بولی۔
"ابھی فوراً نہیں کہہ رہا۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر۔ جب بھوک لگے گی تب۔" وہ دوبارہ تیز رفتاری سے گاڑی دوڑانے لگا۔
"Mohatta Palace میں صادقین کی پینٹنگز کی ایگزیبیشن لگی ہوئی ہے۔ میرے پاس وہاں کے ٹکٹ آئے ہوئے ہیں۔ ایسا کرتے ہیں پہلے وہاں چلتے ہیں۔"
سعد نے رائے لینے والے انداز میں اس کی سمت دیکھا تو اس نے سر ہلا کر اپنی رضامندی دے دی۔ وہ آرٹ اور آرٹسٹوں کا کوئی بہت بڑا قدردان نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی وہاں آکر وہ بہت خوش تھا۔ اس کے ساتھ گھومتے وہ صادقین کا کیا بے مثال کام دیکھتے ہوئے وہاں آئے مختلف لوگوں کے بارے میں بھی تبصرہ دے رہا تھا۔ وہ اس کے دلچسپ تبصروں پر ہنستی اس کے ساتھ چلتی جا رہی تھی۔ کافی دیر وہاں گزار کر وہ لوگ باہر نکل آئے تھے۔
"دوپہر ہو رہی ہے اب تو یقیناً تمہیں تھوڑی بہت بھوک لگنے لگی ہوگی۔ اتنا گھوم پھر کر اور چل کر مجھے تو بھوک لگنے لگی ہے۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کرتا ہوا اس سے بولا۔
"بھوک تو ابھی بھی نہیں لگ رہی۔ لیکن چلو تمہاری خاطر تھوڑا بہت کھالوں گی۔" اس نے جیسے اس پر احسان کیا تھا۔
"کیا بات ہے آپ کی۔ پیسے میرے خرچ ہوں اور احسان آپ کا ہو۔" سعد نے ہنستے ہوئے کہا۔ وہ بھی جواباً مسکرا دی تھی۔
"کہاں چلیں؟"
"جہاں تمہارا دل چاہے۔"
"چاند کے پار چلیں۔" وہ شرارتی سے انداز میں مسکرا دیا۔
"چلو۔ میں تیار ہوں۔" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔
پھر اس نے تو پیزا ہٹ میں بیٹھ کر تھوڑا بہت پیزا اور پاستا چکھنے پر اکتفا کیا تھا جبکہ وہ اس طرح کھانے میں مصروف تھا جیسے پتا نہیں کتنے دنوں سے کھانے کو کچھ نہیں ملا تھا۔ ساتھ ساتھ اسے بھی لعنت ملامت کی جا رہی تھی۔
"ارے میری بڑے خون پسینے کی حلال کمائی ہے۔ نوٹ درختوں پر لگے ہوئے نہیں ملتے مجھے۔ چلو یہ سب ختم کرو۔" وہ اس کی لن ترانیوں سے بے نیاز کولڈ ڈرنک کے سپ لینے میں مصروف تھی۔
وہاں سے باہر نکلے تو گھڑی میں ساڑھے تین بجتے دیکھ کر وہ اس سے بولی۔
"کافی دیر ہو گئی۔ اب واپس چلتے ہیں۔"
"ابھی تو میرا واپس جانے کا موڈ نہیں ہو رہا۔ کہا تو تھا میں نے تم سے کہ آج ہم لوگ کراچی کی سڑکیں ناپیں گے۔ اور ویسے بھی آج میری سالگرہ ہے، لہٰذا بات بھی میری مانی جانی چاہیے۔" اس نے واپس جانے سے صاف انکار کر دیا۔
"اب ہم ہل پارک چلیں گے۔ دعا کرو بارش نہ سہی کم از کم موسم ہی ذرا خوشگوار ہو جائے۔ ہم کراچی والوں کی قسمت میں تو ویسے بھی نہ بارش لکھی گئی ہے نہ سردی۔ مئی میں بارش کی توقع تو خیر رکھی ہی نہیں جا سکتی جبکہ یہاں تو جولائی اگست بھی بن برسات گزر جاتے ہیں۔" گاڑی فرسٹ گیئر میں ڈالتے ہوئے وہ بولا۔
"کاش میں نے کچھ اور مانگ لیا ہوتا۔" ہل پارک تک پہنچتے پہنچتے موسم نہ صرف یہ کہ خوشگوار ہو گیا تھا بلکہ بادل بھی برس پڑنے کو تیار نظر آنے لگے تھے۔
"جب ہماری کوئی دعا قبول ہو جاتی ہے تو ہم لوگ یہ کیوں کہتے ہیں کاش قبولیت کی اس گھڑی میں ہم نے کچھ اور مانگ لیا ہوتا۔ جب ہم نے کچھ دیر پہلے وہ چیز مانگی تھی اور وہ اللہ نے ہمیں فوراً دے بھی دی تو ہم بجائے اس کا شکر ادا کرنے کے ناشکرا پن کیوں دکھانے لگتے ہیں۔ آخر ہم حاصل ہو جانے والی شے پر قانع اور مطمئن کیوں نہیں ہوتے۔" وہ سعد کی بات کے جواب میں مقررانہ انداز میں بولی۔
"سوری ملانی صاحبہ ابھی بھول ہوئی مجھ سے۔

آئندہ یہ بات کبھی منہ سے نہیں نکالوں گا۔" اس نے جھٹ اپنی غلطی تسلیم کی۔

انہیں وہاں آئے تھوڑی ہی دیر ہوئی ہوگی کہ ہلکی پھلکی پھوار پڑنی شروع ہوگئی تھی۔ سعد بالکل بچوں کی طرح خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ اسے ساتھ لیے گھومتا وہ ان اسٹاپ بے تکی باتیں کرنے میں مصروف تھا۔ کبھی اپنے کسی کولیگ کا کوئی قصہ اسے سنانے لگتا۔ کبھی کسی دوست کی کوئی بات۔ اس کی قصے کہانیوں پر وہ اتنا نہیں ہنس رہی تھی، جتنا وہ خود ہنس رہا تھا۔ اپنی لوٹ پٹانگ باتیں انجوائے کرتا وہ جیسے بالکل بچہ بنا ہوا تھا۔ بہت زندہ دل، بہت بے فکر سا انداز اپنائے جیسے اس کی زندگی میں دور دور تک کہیں کوئی ٹینشن، کوئی پریشانی نہیں۔ اسے کوئی غم نہیں۔ وہ الجھ رہی تھی۔ اس سے شاکی ہو رہی تھی۔ وہ نہ خود کچھ بتا رہا ہے نہ اسے پوچھنے دے رہا ہے۔ کیا اتنے مہینوں کی ناراضی اور غصہ یوں اچانک ختم ہو سکتے تھے؟ کیا اس نے اتنی آسانی سے ساری صورتِ حال کو قبول کر لیا تھا؟

"تم نے یوں منہ کیوں لٹکایا ہوا ہے۔ دیکھو تو موسم کتنا زبردست ہو رہا ہے۔ بارش بھی اچھی خاصی تیز ہو گئی ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھتا خفگی سے بولا۔ "اپنی سالگرہ کے دن تمہارا یہ بسورتا ہوا منہ مجھے بالکل نہیں چاہیے۔"

وہ آسمان کی طرف منہ کر کے چہرے پر پڑنے والے بارش کے پانی کو انجوائے کر رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"تم شاید تھک گئی ہو۔" کچھ دیر بعد اس کی خاموشی محسوس کر کے وہ بول پڑا۔ "آج کل امتحان کی تیاری کی وجہ سے بھی تو تمہاری نیند پوری نہیں ہو پا رہی ہو گی۔" اس نے خود ہی اس کی خاموشی کی وجہ دریافت کر لی اور واپس جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

وہ اسی خاموشی سے اس کے ساتھ واپس جانے کے لیے مڑ گئی تھی۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے اس نے دوبارہ تیز آواز میں میوزک لگا لیا۔ لیکن اب وہ گاڑی بہت آہستہ چلا رہا تھا۔

ڈرائیو کرنے کے دوران وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کی طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ "تم چپ مت بیٹھو فری! کوئی بات کرو۔ کچھ بھی۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"کیا بات کروں، میری سمجھ میں ہی نہیں آ رہا۔ تم آج مجھے بہت بدلے ہوئے لگ رہے ہو۔" وہ اس کے جواب پر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"بدلا ہوا اس لیے لگ رہا ہوں کیونکہ تم یہ سمجھ رہی تھیں کہ اتنے مہینوں کی لڑائی اور جھگڑا میں اتنی آسانی سے کبھی ختم نہیں کروں گا۔ اب جب میں نے ایسا کر دیا تو تمہیں حیرت ہو رہی ہے۔

یار! میں وہی سعد ہوں۔ بھول تمہاری دوستوں کے تمہارا غلام رسول۔ تمہارا بہترین دوست۔" سعد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ گاڑی ان کی گلی میں مڑ چکی تھی۔ سعد نے میوزک بند کر دیا۔ گاڑی میں یک دم خاموشی پھیل گئی۔ گاڑی اس کے گیٹ کے سامنے روکتے سعد نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"اچھا تو مائی ڈیر بارنی خدا حافظ۔" چہرے پر مسکراہٹ کے باوجود اس کی آنکھوں میں سنجیدگی تھی۔

"اندر نہیں آؤ گے؟" وہ دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

"پھر سہی۔ فی الحال موڈ نہیں ہو رہا۔" وہ بہت گہری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

وہ مزید اصرار کیے بغیر خدا حافظ کہتی گاڑی سے اتر گئی۔ جب تک وہ گیٹ کے اندر چلی نہیں گئی، وہ وہیں کھڑا رہا تھا۔ اس کے اندر داخل ہونے پر ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

نانی امی کو اپنے دن بھر کی روداد مختصر الفاظ میں سناتی وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس کا ذہن بہت الجھا ہوا تھا۔ وہ کوشش کے باوجود کچھ پڑھ نہیں پا رہی تھی۔ تنگ آ کر کتابیں اور نوٹس ایک طرف ڈالتی وہ سونے کے لیے روزانہ سے جلدی ہی لیٹ گئی۔ نانی امی کو کھانے کا منع کر کے وہ بغیر کھانا کھائے سو گئی تھی۔

سوتے میں بھی کتنی بار اس کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ

پُرسکون نیند نہیں سو پائی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ صبح جب سو کر اٹھی تو سر بھاری بھاری ہو رہا تھا۔ اٹھنے کے بعد جو سب سے پہلا کام اس نے کیا وہ سعد کو فون کرنے کا تھا۔

صبح کے چھ بجے وہ اسے کیوں فون کر رہی ہے، وہ نہیں جانتی تھی لیکن اس کی چھٹی حس جیسے کوئی الارم دے رہی تھی۔ وہاں بیل جا رہی تھی لیکن کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ کتنی دفعہ اس نے نمبر ملایا، کتنی کتنی دیر تک بیلیں ہونے دیں لیکن وہاں کوئی فون اٹینڈ ہی نہیں کر رہا تھا۔ موبائل پر ٹرائی کیا تو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ کتنی دیر کے بعد بہت مایوس ہو کر اس نے اپنی یہ کوشش ترک کر دی تھی۔

نانی امی نے ناشتے کے لیے اسے بلوایا وہ تب ہی نیچے آئی تھی۔

"رات بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ اب ناشتہ تو ڈھنگ سے کرو۔" انہوں نے اسے بے دلی سے چائے کے گھونٹ لیتے دیکھ کر ٹوکا۔

"رات سعد کا فون آیا تھا۔" نانا لا نانی امی کو بتانے لگے۔ وہ بھی چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"امریکہ گیا ہے ناں وہ۔ صبح چار بجے کی فلائٹ تھی اس کی۔ خدا حافظ کہنے کے لئے فون کیا تھا۔ کہہ رہا تھا۔ یونہی گھر والوں سے ملنے جا رہا ہوں۔ میں نے کہا فری نے تمہیں اس موقع پر جانے کی اجازت کیسے دے دی تو ہنستے ہوئے کہنے لگا کہ اس کی شادی تک واپس آجاؤں گا۔ ابھی تو شادی میں خاصے دن ہیں۔"

بے ساختگی میں سلائس اس کے ہاتھ سے گرا تھا۔

"وہ اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔" اس کے دل سے آواز نکلی تھی۔ "سعد واپس آجاؤ۔ پلیز واپس آجاؤ۔ مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔"

پہلی بار ایک ضدی لڑکی اس کے اندر سے بولی تھی۔ نانا لا نے اچانک چونکتے ہوئے اسے دیکھا۔ اس سے تو وہ مخاطب بھی نہیں تھے۔ یہ خبر ظاہری بات ہے اس کے علم میں پہلے سے ہی ہو گی۔ سعد کا امریکہ جانا آنا کون سی ایسی حیرانی کی بات تھی جو اس کا بطور خاص وہ نانا لا اور نانی امی سے تذکرہ کرتی۔ اسی لیے وہ اس بات پر بھی نہیں چونکے تھے کہ کل فریا نے یہ بات ان لوگوں کو کیوں نہیں بتائی تھی۔ ان کی نگاہیں خود پر مرکوز دیکھ کر اس نے بڑی شدت سے اللہ کو یاد کیا تھا۔ اپنے لیے استقامت اور مضبوطی کی دعا مانگی تھی۔

"میں خود اس سے یہی کہہ رہی تھی کہ یہ کون سا موقع ہے امریکہ جانے کا۔ لیکن اسے آنٹی انکل اور زوہیب بہت یاد آرہے تھے۔ مجھ سے پکا وعدہ کر کے گیا ہے کہ تمہاری شادی سے پہلے پہلے میں کراچی آجاؤں گا۔"

وہ پلیٹ میں گرا سلائس اٹھا کر کھاتے ہوئے ان دونوں کو بتانے لگی۔ اندر بہت اندر سرزمینِ دل پر قطرہ قطرہ آنسو گر رہے تھے۔

ناشتے کے بعد وہ نانی امی سے پڑھنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں آگئی۔

"تو تم چلے گئے مجھے چھوڑ کر، مجھے بتائے بغیر۔" وہ کھڑکی میں آکر کھڑی ہو گئی۔ کھڑکی کھول کر اس نے تازہ ہوا کو اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔ نیچے لان میں مالی بابا پائپ لگائے کیاریوں میں پانی دیتے ہوئے کچھ گنگنا رہے تھے۔ اپنی اسی پُرسوز اور خوب صورت آواز میں۔ وہ بہت دھیان سے ان کی گنگناہٹ سننے لگی تھی۔

یہ دولت بھی لے لو یہ شہرت بھی لے لو
بھلے چھین لو مجھ سے میری جوانی
مگر مجھ کو لوٹا دو بچپن کا ساون
وہ کاغذ کی کشتی، وہ بارش کا پانی

"مالی بابا! آپ کی آواز میں اتنا سوز اور اتنا درد کہاں سے آیا۔" یاد کا ایک دریچہ کھلا تھا۔ یہیں اسی لان میں وہ دونوں مالی بابا کے سر پر کھڑے ان سے باتیں کر رہے تھے۔

"مالی بابا کو ضرور کسی سے عشق ہوا ہو گا۔ آواز میں اتنا سوز و گداز اور درد، عشق میں ناکامی کے بعد ہی پیدا ہوتا ہے۔" سعد نے جیسے اسے اصل وجہ بتائی تھی۔ مالی بابا ان دونوں کے اندازوں پر ہنستے ہوئے خاموشی سے اپنا کام کرتے رہے تھے۔

کڑی دھوپ میں اپنے گھر سے نکلنا
وہ چڑیاں، وہ بلبل وہ تتلی پکڑنا
وہ گڑیا کی شادی پر لڑنا جھگڑنا
وہ جھولوں سے گرنا اور گر کے سنبھلنا
وہ ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کی نشانی
وہ کاغذ کی کشتی، وہ بارش کا پانی

"تم یہاں مجھ سے ملنے آتے ہو یا اسٹرابریز، فریش کریم کے ساتھ کھانے۔"

"دونوں کی وجہ سے۔ تم سے ملنے بھی اور اسٹرابریز کھانے بھی۔"

کبھی ریت کے اونچے ٹیلوں پہ جانا
گھروندے بنانا، بنا کے مٹانا
وہ معصوم چاہت کی تصویر اپنی
وہ خوابوں، کھلونوں کی جاگیر اپنی
نہ دنیا کا غم تھا نہ رشتوں کا بندھن
بڑی خوب صورت تھی وہ زندگانی
وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی

"سعد تم اسکیٹنگ بہت اچھی کرتے ہو۔"

"اور سائیکلنگ اچھی نہیں کرتا؟"

"جو کر لگتے ہو باتیں چھوڑ کر سائیکلنگ کرتے ہوئے ایسے کرتب تو نہیں دکھاتے ہیں۔"

مگر مجھے [illegible] کا ساون
وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی

وہ کھڑکی کا پٹ تھامے میں ساکت کھڑی تھی۔
"مگر مجھ کو لوٹا دو بچپن کا ساون" اس کے کانوں میں مسلسل ایک ہی مصرع گونج رہا تھا۔

☆

"ڈیئر فری!

میں تمہیں بتائے بغیر امریکہ آگیا۔ اس بدتمیزی پر مجھے معاف کر دینا۔ میرے یہاں آنے کی سب تیاری مکمل تھی۔ بس صرف اپنی سالگرہ کے دن کا انتظار کر رہا تھا۔ بتائے بغیر میں اس لیے آگیا کہ میں اپنی آنکھوں میں تمہارا ہنستا اور کھلکھلاتا ہوا روپ سجا کر یہاں آنا چاہتا تھا۔ تاکہ جب کبھی میں تمہیں یاد کروں تو تم ہنستی، مسکراتی میرے تصور میں آؤ۔ اگر میں تمہیں اپنے جانے کا بتا دیتا تو ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

فری! تم اس روز ایک سوال بار بار مجھ سے پوچھ رہی تھیں یہ کہ "میں تم سے ناراض تو نہیں؟"

یقین کرو میں تم سے بالکل بھی ناراض نہیں ہوں۔ تمہارا فیصلہ میں نے قبول کر لیا، اسے مان لیا۔ حمزہ واقعی بہت اچھا انسان ہے۔ نانا ابا کو وہ اگر پسند ہے تو اس میں کچھ غلط نہیں۔ میں نے اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے بڑی انوکھی سی چمک اور محبت دیکھی ہے۔ مجھے یقین ہے وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔

تمہاری زندگی کے سب سے اہم موڑ پر میں تمہارے پاس نہیں ہوں گا۔ میں ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن ابھی خود بھی اتنا حوصلہ نہیں پاتا۔ تم مجھے میری اس کم ہمتی کے لیے معاف کر دو۔ لیکن اس بات کا یقین رکھنا فری کہ چاہے میں تمہارے پاس ہوں یا نہیں میری دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں گی۔ سعد منیر جب بھی اللہ سے اپنے لیے کچھ مانگنے بیٹھے گا تو اس کی ان دعاؤں میں فریا عبدالرحمان کا حصہ بھی ضرور ہوا کرے گا۔

تم میرے لیے بالکل بھی اداس مت ہونا فری۔ میں پاکستان ضرور آؤں گا۔ کب؟ یہ مجھے بھی نہیں پتا۔ لیکن میں لوٹوں گا ضرور اور جب کبھی پاکستان آیا تو تم سے اور حمزہ سے ملنے بھی ضرور آؤں گا۔

تمہارا دوست سعد منیر"

قلم ایک طرف رکھ کر اس نے اپنے لکھے ہوئے لفظوں پر ایک نگاہ ڈالی تھی اور پھر مطمئن ہو کر کاغذ تہہ کر کے لفافے میں ڈالنے لگا تھا۔ لفافہ بند کر کے اور اس پر ایڈریس لکھ کر اس نے اسے اپنی رائٹنگ ٹیبل کی دراز میں ڈال دیا۔ کل صبح اسے یہ خط پاکستان پوسٹ کر دینا تھا۔

رات کے تین بج رہے تھے۔ ممی ڈیڈی اور زوہیب سب اپنے اپنے کمروں میں بے خبر سو رہے تھے اور خود اس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ وہ خاموشی سے اپنے کمرے سے نکل کر بالکونی میں آکر

کھڑا ہو گیا۔

"تم میرے یہاں آجانے پر بہت اداس ہو گی فری!۔ مجھے پتا ہے تم بہت روئی بھی ہو گی۔ مگر میں کیا کروں، اب وہاں ٹھہرنا میرے بس میں نہیں تھا۔ جو بات میں نے کبھی خوابوں میں بھی نہیں سوچی تھی وہ حقیقت میں ہونے جا رہی ہے۔ میرے تمام بھیانک خواب سچ ہو گئے۔ حالانکہ میں نے تو اپنے برے اور ڈراؤنے خواب کسی کو سنائے بھی نہیں تھے۔ میرے تمام بدترین خدشات درست ثابت ہو گئے۔

میرا وجدان جو مسلسل ایک خدشہ میرے سامنے رکھ رہا تھا۔ وہ حقیقت بن گیا۔ پہلی بار حمزہ کو دیکھ کر مجھے کیا ہوا تھا؟ وہ مجھے بہت برا لگا تھا۔ اس لیے کہ اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے بڑا نرم اور محبت بھرا تاثر تھا۔ بالکل ویسا ہی جیسا میری آنکھوں میں تمہارے لیے ہوتا تھا۔ مجھے ایسا لگا تھا کہ وہ میرے اور تمہارے بیچ آکر کھڑا ہو گیا ہے۔ وہ تمہیں مجھ سے دور کر رہا ہے۔ میرا دل چاہا میں اس شخص کو کہیں غائب کر دوں۔ وہ تمہیں دیکھ نہ سکے۔ اسے تمہاری وہ خوبیاں نظر نہ آئیں جو مجھے نظر آتی ہیں۔ جن کی وجہ سے تم اتنی اچھی اور سب سے مختلف لگتی ہو۔ لیکن آج جب میں ایک ہارے ہوئے کھلاڑی کی طرح شکست خوردہ اور تنہا یہاں کھڑا ہوں تو مجھے اس بات پر یقین کرنا پڑ رہا ہے کہ زندگی میں ہمیشہ سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہم چاہ رہے ہیں۔ اللہ بھی وہی چاہے۔ ایسا ہونا ضروری تو نہیں۔ ہمیں اللہ کی رضا میں راضی رہنا ہے۔ اس کے فیصلوں کو قبول کرنا ہے۔ بغیر ضد کیے اور بغیر اس سے لڑے۔

لیکن پھر بھی مجھے تم سے ایک شکوہ ہے فری۔ اور یہ شکوہ ہمیشہ رہے گا۔ تمہارے پاس مجھے دینے کے لیے کیا ایک اعترافِ محبت بھی نہیں تھا۔ میں تم سے تمہارا ساتھ نہیں مانگتا، یہ نہیں کہتا کہ تم میرے بجائے کسی اور کو کیوں چن رہی ہو۔ لیکن کیا اقرارِ محبت بھی تم مجھے نہ دے سکتی تھیں۔ کیا میں اتنا سا بھی حق نہیں رکھتا تھا۔ تمہارا وہ ایک اقرار پھر ساری زندگی مجھے مطمئن اور خوش رکھ سکتا تھا۔ مگر تم نے اقرار کا وہ ایک لمحہ بھی مجھے نہیں دیا۔ تمہارے دل میں میری محبت تھی لیکن تمہاری زبان پر اس کا اقرار نہیں تھا۔

تم نے نانا ابا اور نانی امی کی خاطر، ان کی محبت میں حمزہ کا ساتھ قبول کر لیا۔ ٹھیک ہے۔ میں اسے غلط نہیں کہتا۔ تم جیسی اچھی لڑکی کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ لیکن تم صرف ایک بار مجھے اپنی محبت کا یقین تو دلا سکتی تھیں۔ پھر ہجر کا یہ سفر کتنا آسان ہو جاتا۔ اور شکوہ تو تمہیں بھی مجھ سے ہو گا فری! محبت کے رشتے کو درمیان میں لا کر میں نے دوستی کے رشتے کو ختم کر ڈالا۔ اگر مجھے تم سے دوستی کا دعویٰ تھا تو پھر تمہاری زندگی کے اس سب سے اہم موقع پر مجھے تمہارے سب سے قریب ہونا چاہیے تھا۔ تمہارا یہ شکوہ بالکل بجا ہے۔ میں تم سے اپنا کوئی رشتہ نہ نبھا سکا۔ مجھے نہ دوستی کرنی آئی نہ محبت۔ میں دونوں رشتوں میں ناکام ہو گیا۔

اور اس روز میں تمہیں بہت بدلا ہوا اور نارمل لگ رہا تھا۔ تمہیں بتاؤں فری! اس ایک دن میں، میں نے اپنی پوری زندگی جی لی۔ اب مجھے زندگی سے کوئی شکایت نہیں۔ اب زندگی میں جتنے بھی غم آئیں گے، جتنی بھی آزمائشیں آئیں گی۔ میں سہہ لوں گا۔ تمہارے ساتھ گزارا وہ دن میری سب سے قیمتی یاد ہے۔ اس روز میں نے تمہیں جی بھر کر دیکھا تھا۔ ان نظروں سے کہ پھر دوبارہ کبھی ہم ملیں تو شاید میرے پاس وہ حق نہیں ہو گا کہ تمہیں اتنے پیار اور اتنے استحقاق سے دیکھ سکوں۔ میں کوئی جوگی یا سادھو بننے نہیں جا رہا۔ میں ایک بہت ہی بھرپور اور نارمل زندگی گزاروں گا۔ کچھ عرصہ گزرے گا میں اپنی زندگی میں ایک ساتھی کی کمی محسوس کروں گا تو کسی نہ کسی کو شریکِ سفر بھی کر لوں گا۔ لیکن اس سب کے باوجود میرے دل کا ایک کونا ہمیشہ تمہارے دم سے آباد رہے گا۔ کوئی بھی اور کبھی بھی تمہیں وہاں سے نکال نہیں سکے گا۔"

وہ آسمان پر چمکتے تاروں پر نگاہیں جمائے خاموش کھڑا تھا۔

☆.....☆☆.....☆

وہ خط اس نے اپنی مایوں کے دن وصول کیا۔ نانی امی نے شادی سے کئی دن پہلے ہی اسے مایوں بٹھا دیا تھا۔ جس روز وہ آخری پیپر دے کر آئی اسی شام اس کی مایوں کا فنکشن تھا۔ حالانکہ ابھی شادی میں کافی دن تھے۔ گھر میں مہمانوں کا ہجوم تھا۔ وہ اپنے کمرے میں جلدی جلدی خط پڑھ رہی تھی جب نانی امی کمرے میں آئی تھیں۔ اس نے جلدی سے خط، اپنے سے ایک قدم پیچھے بک شیلف میں سے ایک کتاب نکال کر اس میں رکھ دیا تھا اور کتاب بھی فوراً ہی واپس بک شیلف میں رکھ دی تھی۔ نانی امی کے پیچھے پیچھے اس کی بہت سی کزنز بھی کمرے میں آگئی تھیں۔

پیلے کرتے پاجامے میں بغیر کسی میک اپ کے ہی وہ سب کو بہت حسین لگ رہی تھی کچھ ہی دیر میں اس کے کمرے میں مزید کئی لوگ جمع ہو چکے تھے۔ اس محفل کی مہمان خصوصی وہ تھی اس لیے آنے والا ہر مہمان اس کے پاس آتا اور اس سے ملنا چاہتا تھا۔ اس کی دو سہیلیں گلا پھاڑ پھاڑ کر گانے اور ڈھولک بجانے میں مصروف تھیں۔ رات گئے تک اسے [illegible] تھی۔

کراچی میں رہنے والے [illegible] واپس چلے گئے مگر جو دوسرے شہروں سے آئے ان سب کا یہیں قیام تھا۔ یہ اس گھر کی پہلی [illegible] تھیں لیکن یہ اس گھر کی پہلی خوشی ضرور تھی وہ خوشی جو خوشی کی طرح منائی جا رہی تھی۔ نانی اپنی جوان دنوں ہر پرانی اور بھولی بسری روایت یاد آ رہی تھی۔ وہ پوری طرح ان کے رحم و کرم پر تھی۔

شادی سے دو روز پہلے اسے سعد کی جانب سے اپنی شادی کا تحفہ موصول ہوا تھا۔ اسی روز آنٹی نے بھی امریکہ سے فون کیا تھا۔ انہوں نے نانی امی سے اور فریا سے بات کی تھی۔ اسے پتا تھا ان سے یہ فون سعد نے ہی کروایا تھا۔ وہ نانی امی اور فریا سے سعد کی طرف سے شادی میں شرکت نہ کر سکنے پر معذرت کر رہی تھیں۔ اس کی بیماری کی جھوٹی اطلاع دے رہی تھیں۔ یہ بتا رہی تھیں کہ وہ بیماری کی وجہ سے نہیں آسکے گا ورنہ اس کی تو جہاز کی سیٹ تک کنفرم تھی۔

ایسا کر کے وہ یقیناً اسے بہت سی الجھنوں اور پریشانیوں سے بچانا چاہتا تھا۔ بہت سے لوگوں کی نگاہوں میں اس کا نہ آنا کھٹک سکتا تھا۔ سب سے بڑھ کر حمزہ کی نظروں میں جو یہ بات جانتا تھا کہ فریا کی سعد سے کتنی گہری دوستی ہے اور ایک بہت قریبی دوست اپنے دوست کی خوشی میں شریک نہ ہو تو لوگ بہت سی باتیں سوچ سکتے ہیں۔

☆.....☆☆.....☆

"دیکھیں ماما! آپ کی ریڈ رائیڈنگ ہڈ راستہ نہیں بھولی۔ وہ اسی راستے پر چلی ہے جس پر آپ نے اس سے چلنے کو کہا تھا۔"

آئینے میں نظر آتے اپنے اس سجے سنورے روپ کو دیکھتے ہوئے اس نے بے آواز ماما کو پکارا تھا۔ سرخ عروسی جوڑے میں بیش قیمت زیورات سے سجا اس کا یہ روپ دیکھنے والوں کو مبہوت کر رہا تھا۔ اب تک جس جس کی اس پر نگاہ پڑی تھی دیکھنے والا اسے دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ اتنی خوبصورت کہ اس پر سے نگاہیں ہٹانے کو جی نہ چاہے۔ وہ بیوٹی پارلر سے تیار ہو کر آچکی تھی جبکہ باقی سب لوگ ابھی تیار ہو رہے تھے۔ گھر میں عجیب بھاگ دوڑ اور گہما گہمی سی پھیلی ہوئی تھی۔ پورے گھر میں اس وقت سوائے نانا ابا اور نانی امی کے بیڈ روم کے کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں سکون اور خاموشی ہو۔ نانی امی نے اسے کچھ دیر آرام اور سکون سے بیٹھنے اور سستا لینے کے لیے وہیں بھیج دیا تھا۔ نانا ابا کے رعب اور دبدبے کی وجہ سے وہاں کسی کی آمد کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وہ صوفے کی پشت سے سر ٹکائے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں خود کو دیکھے جا رہی تھی۔ نانا ابا نہا کر باہر نکلے تو اسے دیکھ کر ٹھٹک کر رک گئے تھے۔ کتنی حسین لگ رہی تھی وہ۔ بالکل نازک سی۔ کانچ کی گڑیا جیسی۔ انہیں خود اپنی ہی نظر لگ جانے کا اندیشہ ہوا تو جلدی سے اس پر سے نظریں ہٹالی تھیں۔

اس کے پاس آکر انہوں نے "ماشاءاللہ" کہہ کر اس

کی پیشانی چومی۔ وہ اس کے برابر میں ہی بیٹھ گئے۔ اس کا سر اپنے شانے پر ٹکاتے انہوں نے پیار سے پوچھا۔

"خوش ہے ناں میری بیٹی؟"

"جی نانا ابا۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

"نانا ابا! اگر آج میں آپ سے کچھ مانگوں تو کیا آپ وہ مجھے دیں گے۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے اسی دھیمی آواز میں پوچھا۔

انہوں نے اس کا سر اپنے شانے پر سے ہٹایا اور اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر بولے۔

"تمہیں مجھ سے کچھ مانگنے کے لیے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس جو کچھ ہے، وہ سب تمہارا ہے۔"

"سوچ لیں۔ آپ کو نہیں پتا، میں آپ سے کیا مانگنے والی ہوں۔" اس نے جیسے انہیں ڈرانا چاہا۔ وہ اس انداز پر ہنس پڑے تھے۔

"سوچ لیا۔" ان کے چہرے پر شوخی اور ہنسی تھی۔

"آپ ماما کو معاف کر دیں نانا ابا! آپ میری ماما کو معاف کر دیں۔" وہ التجائیہ انداز میں ان کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ رکھ کر بولی۔

"فری!" وہ سکتے کے سے عالم میں اسے دیکھتے رہ گئے۔ وہ ان سے کیسی بات کر رہی تھی۔ انہیں خاموش اور گم صم دیکھ کر وہ ان کے ہاتھ اپنے چہرے پر سے ہٹا کر صوفے پر سے اٹھی اور ان کے بالکل سامنے دوزانو ہو کر کارپیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اسے نیچے بیٹھنے پر ٹوک نہیں پائے تھے۔

"آپ نے ابھی ابھی مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں جو مانگوں گی وہ آپ دیں گے۔ اب آپ اپنے وعدے سے مکر نہیں سکتے۔ میں آپ سے اپنی ماما کے لیے معافی مانگ رہی ہوں۔ اگر آپ نے انہیں معاف نہ کیا تو میں سکون سے اپنی نئی زندگی کا آغاز نہیں کر سکوں گی۔ پھر ہمیشہ کی طرح ماما میرے خوابوں میں آیا کریں گی یہ کہتی ہوئی کہ "فری! پاپا مجھے معاف نہیں کرتے۔ ان سے کہو، مجھے معاف کر دیں۔" اور یہ خواب پھر مجھے سکون سے جینے نہیں دیں گے۔ آپ میرا یہ اضطراب ختم کر دیں۔ ماما کی روح جو بے قرار ہے اسے آپ کی معافی ہی سے قرار مل سکتا ہے۔"

وہ ان کے گھٹنوں پر ہاتھ جمائے روتے ہوئے بولی۔

"فری! اس طرح سے مت روؤ۔ میرے دل کو تکلیف ہو رہی ہے۔" انہوں نے اس کے آنسو صاف کرنے چاہے۔

"وہ آپ سے معافی مانگنا چاہتی تھیں نانا ابا۔ ان کی زندگی نے وفا نہ کی۔ وقت نے انہیں مہلت نہ دی۔ ورنہ وہ آپ کے پاس معافی مانگنے ضرور آتیں۔" وہ اسی طرح روتے ہوئے بولی۔

"میں اس سے ناراض نہیں فری! وہ میری بیٹی تھی۔ کیا کوئی باپ اپنی بیٹی سے ناراض ہو سکتا ہے۔ وہ خود مجھے چھوڑ گئی تھی۔ میں نے اسے نہیں چھوڑا تھا۔ پھر مجھ سے ناراض ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے ہی چلی گئی۔ مجھ سے ملے بنا۔ مجھ سے کوئی بات کیے بنا۔"

اس نے زندگی میں پہلی بار اس باپ کی آنکھوں میں اپنی مر جانے والی بیٹی کے لیے آنسو دیکھے تھے۔ ان کی آنکھوں سے ایک تسلسل سے بہتے آنسو اس کے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔ ایک دوسرے کے آمنے سامنے وہ دونوں رو رہے تھے۔ کوئی کسی کو چپ کرانے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔

"اور آپ میرے پاپا کو بھی معاف کر دیں۔ وہ آپ کو جتنے بھی برے لگتے ہوں لیکن میرے تو وہ پاپا تھے۔"

"تمہارا باپ بہت اچھا انسان تھا فری! اس سے تو مجھے کبھی شکایت تھی ہی نہیں۔ اس نے میری بیٹی کو جس محبت سے اپنی زندگی میں شامل کیا تھا پھر اسی محبت سے اس کا مرتے دم تک ساتھ نبھایا۔"

اپنے آنسوؤں پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔ اسی وقت کمرے کا دروازہ کھول کر نانی امی اندر آئیں اور ان دونوں کو یوں روتا دیکھ کر وہ جو خود کو بہت مشکلوں سے سنبھالے بیٹھی تھیں۔ یک دم خود پر سے اختیار کھوتی بلک بلک کر رونے لگی

تھیں۔

اپنی یہ نواسی جس میں ان کی جان تھی، جس کے ناز اٹھاتے اور خیال رکھتے وہ بیٹی کا غم برداشت کر گئی تھیں آج جب اس کی جدائی کا لمحہ آیا تو انہیں اپنے جسم سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ انہیں یوں بے قراری سے روتا دیکھ کر وہ دونوں اپنا دکھ بھول گئے۔ انہیں چپ کرانے اور سنبھالنے میں بہت وقت لگا تھا۔

"حمزہ شجاع احمد ولد شجاع احمد بعوض....."

کوئی اس کے پاس بیٹھا کہہ رہا تھا۔ اس وقت تو اس کی توجہ کا مرکز اس کے ماما اور پاپا تھے۔ جنہیں وہ بند آنکھوں سے اپنے سامنے کھڑا مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ پاپا تو ہمیشہ ہی اس کے خیالوں اور خوابوں میں مسکراتے ہی آئے تھے مگر آج تو ماما بھی مسکرا رہی تھیں۔ کتنے خوش لگ رہے تھے وہ دونوں۔ وہ خود بھی انہیں دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"ماما! آپ نے ایک محبت کے پیچھے بہت سی محبتیں اور رشتے گنوائے تھے۔ آپ نے محبت اور رشتوں میں سے محبت چنی تھی۔ میں رشتے چن رہی ہوں۔ اس یقین کے ساتھ کہ اپنے اس فیصلے پر کبھی پچھتاؤں گی نہیں۔"

ماما اس کی بات سن کر پُرشفقت انداز میں مسکرائی تھیں۔ اس نے یک دم آنکھیں کھول دیں۔ ہولے سے اپنے سر کو اقرار میں جنبش دیتے اب وہ نکاح نامے پر دستخط کر رہی تھی۔

"اپنا دل نکال کر دے رہے ہیں تمہیں حمزہ!۔ اس کا بہت خیال رکھنا۔"

رخصتی کے وقت پھوٹ پھوٹ کر روتی نانی امی نے حمزہ سے کہا تھا۔ حمزہ نے یقین دلانے والے انداز میں ان کے ہاتھ تھامے تھے۔ شجاع انکل اور نازیہ آنٹی انہیں ہر طرح اس کا خیال رکھنے اور اسے اتنی ہی محبت دینے کی یقین دہانی کروا رہے تھے جتنی انہوں نے اسے دی تھی۔ رخصت کرتے وقت نانا ابا نے بڑی شدت سے گلے لگا کر اسے پیار کیا تھا۔ ہمیشہ خوش رہنے کی دعائیں دی تھیں۔

☆.....☆☆.....☆

گھر ابھی بھی مہمانوں سے بھرا ہوا تھا لیکن اب ہر سو خاموشی اور ویرانی سی محسوس ہو رہی تھی۔ ایک اس کے چلے جانے سے جیسے سارا گھر ہی ویران ہو گیا تھا۔ وہ دونوں اس کے چلے جانے پر دل میں اداسی گھر کرتی محسوس کر رہے تھے۔ لیکن اس تھوڑی سی اداسی کے پیچھے ڈھیر ساری خوشی بھی تھی۔

اسے ایک بہت اچھا گھر نہ مل گیا، قدر کرنے والے لوگ مل گئے اور سب سے بڑھ کر ایک چاہنے والا شوہر مل گیا۔ اس سے زیادہ وہ اس کے لیے کیا چاہ سکتے تھے۔ اب تو بس صرف دعائیں تھیں جو انہیں اس کی ان خوشیوں کے سدا قائم رہنے کے لیے ہمیشہ کرنی تھیں۔

نانی امی گھر واپس آتے ہی اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ آہستہ آہستہ تمام افراد سو گئے۔ پورے گھر میں ہو کا عالم تھا۔ وہ پتا نہیں کتنی دیر سے لاؤنج میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ کتنی دیر بعد وہ وہاں سے اٹھے اور سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئے تو بجائے اپنے کمرے میں جانے کے ان کے قدم خود بخود اس کمرے کی طرف اٹھنے لگے جس میں برسوں ہوئے انہوں نے جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ دل مضبوط کر کے انہوں نے اس کمرے پر نگاہ ڈالی۔ وہاں کی ہر چیز ویسی ہی تھی بالکل وہیں ہی تھی جہاں برسوں پہلے وہ دیکھا کرتے تھے۔ ہاتھ لگا لگا کر ایک چیز کو چھو کر دیکھ رہے تھے۔ اچانک ان کی نگاہ دیوار پر لگی اس تصویر پر پڑی۔ اس گھر کی کسی دیوار پر اس کی واحد تصویر جو اب بھی اپنی جگہ پر موجود تھی۔

"پاپا!" وہ تصویر سے نکل کر ان کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

"جانِ پاپا!" اس کی طرف بڑھتے ہوئے انہوں نے اپنی بانہیں پھیلائی تھیں اسے خود سے لپٹانے کے لیے، بہت سا پیار کرنے کے لیے۔ وہ اپنی پذیرائی کا یہ انداز دیکھ کر دیوانہ وار ان کی طرف بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ اسے اپنے سینے سے لگائے وہ بلک بلک کر رو

رہے تھے۔

"کیا کوئی اپنے پیاروں کے ساتھ اس طرح بھی کرتا ہے۔ کیا یوں انہیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔" انہوں نے اس سے شکوہ کیا تھا۔

"میں نے کب چھوڑا تھا۔ آپ نے میری واپسی کا ہر دروازہ بند کر دیا تھا۔" وہ ان کے شکوے کے جواب میں روٹھے لہجے میں بولی۔

"میں نے کہا اور تم نے میری بات مان لی۔ اپنے پاپا سے ضد باندھ لی۔ کہ ہاں اب جیتے جی کبھی آپ کو اپنی شکل نہیں دکھاؤں گی۔ ذرا سا بھی پاپا کے دل کا خیال نہ کیا۔ یونہی خاموشی سے موت کو گلے لگا لیا۔" وہ آنسو بہاتے شکایت بھرے انداز میں بولے۔ وہ اسی طرح اسے گلے سے لگائے روئے جا رہے تھے۔

"مجھے ڈر لگتا تھا آتے ہوئے۔ میری ہمت نہیں ہوتی تھی۔ ایسا لگتا تھا آپ میری شکل دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیں گے۔ کہیں گے ہم تمہیں نہیں جانتے۔ ہماری بیٹی تو مر چکی ہے۔"

تم آتیں تو سہی۔ میں کتنا بھی ناراض تھا مجھے کتنا بھی غصہ تھا۔ مگر میرے سینے میں ایک باپ کا دل بھی تو تھا۔ جو بیٹی کی بڑی سے بڑی خطا معاف کر دینے کو تیار تھا۔ کیا تمہیں معاف کر دینے کے لیے میں خود تمہارے پاس آتا۔" وہ اس کی بات کے جواب میں روتے ہوئے غصے سے چیخے۔ پھر کتنی دیر تک وہ روتے رہے تھے۔ کمرے میں ان کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ زندگی میں پہلی بار وہ بیٹی کی موت پر رو رہے تھے۔ دل کو یہ یقین دلا رہے تھے کہ ان کی لاڈلی بیٹی اپنے پاپا کو کبھی بھولی نہیں تھی۔ وہ آنا چاہتی تھی مگر شاید تقدیر میں یہ سب یونہی ہونا لکھ دیا گیا تھا۔

اچانک ان کے تصور میں فریا کا پیر پلا لہرایا۔ اسی نے تو یہ پھانس ان کے دل سے نکالی تھی۔ اسی نے تو آج انہیں یہ یقین دلایا تھا کہ وقت نے ان کی ضوفشاں کو مہلت نہیں دی ورنہ وہ ضرور آتی اپنے پاپا کو منانے۔ ان کی ساری ناراضیاں دور کرنے۔

دلہن بنی روتی بلکتی اپنی ماں کے لیے معافی مانگتی، ان سے التجائیں کرتی کہ میری ماما کو معاف کر دیں۔ انہیں کبھی اندازہ ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ اس قدر حساس ہے۔ وہ نواسی کو بڑی محبت اور بڑے پیار سے یاد کر رہے تھے۔ وہ اب کمرے میں موجود چیزوں کو صرف ضوفشاں ہی کے حوالے سے نہیں دیکھ رہے تھے بلکہ فریا کے حوالے سے بھی۔ یہ سب چیزیں پچھلے کئی برسوں سے اس کے استعمال میں بھی تو رہی تھیں۔ بک شیلف میں سجی کتابوں کو محبت سے اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے بہت سی کتابیں فریا کی بھی تو تھیں۔

اچانک ایک کتاب واپس رکھتے اس میں سے ایک کاغذ گرا تھا۔ انہوں نے جھک کر کاغذ اٹھایا اور اسے واپس کتاب میں رکھنے لگے۔ واپس رکھتے کاغذ پر لکھے ایک جملے پر اتفاقاً ان کی نگاہ پڑی تھی۔

"تمہاری زندگی کے سب سے اہم موڑ پر میں تمہارے پاس نہیں ہوں گا۔ میں ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن ابھی خود میں اتنا حوصلہ نہیں پاتا۔"

یونہی بے خیالی میں پڑی وہ نگاہ ٹھٹھک کر اس کاغذ پر جم گئی۔ انہوں نے وہ مڑا ہوا کاغذ پورا کا پورا کھول کر اپنے سامنے کر لیا۔ جیسے جیسے وہ پڑھتے جا رہے تھے ویسے ویسے ان کے چہرے کے تاثرات بدلتے جا رہے تھے۔ اختتام تک آتے آتے وہ دل تھام کر نڈھال سے ہوتے کارپیٹ پر بیٹھتے چلے گئے۔

"یہ تم نے کیا کیا فریا! کیوں کیا تم نے ایسا۔ میری خاطر ایک ایسی قربانی دے ڈالی جو میں نے تم سے کبھی مانگی ہی نہیں تھی۔"

کتنی دیر تک وہ دم سادھے سکتے کے عالم میں بیٹھے رہے تھے۔ وہ جس سے انہوں نے کبھی اونچی آواز میں بات نہ کی تھی۔ جسے ہر دکھ اور ہر تکلیف سے بچائے رکھنے کی عمر بھر سعی کرتے رہے وہ خود اپنے لیے دکھ خرید لائی تھی۔

پہلی مرتبہ انہیں پتا چلا کہ وہ فریا عبدالرحمان کو بالکل نہیں جانتے۔ انہیں کبھی پتا ہی نہیں چلا کہ وہ لڑکی باپ اور کی اس کہانی کا مرکزی کردار بن گئی

ہے۔ وہ کہانی کو اپنے من چاہے انداز میں اختتام تک پہنچا رہی ہے۔ پاگلوں کی طرح وہ اس کے کمرے کی ایک ایک چیز کو ٹٹولنے لگے۔ یوں جیسے اس تمام سامان میں سے وہ کہیں نہ کہیں سے فریا کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ اس فریا کو جسے وہ بالکل بھی نہیں جانتے۔ انہوں نے میز کی دراز میں رکھی ہوئی ڈائری نکالی۔

یہ رائٹنگ ضوفشاں کی نہیں تھی۔ یہ کس کی رائٹنگ تھی، وہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ ڈائری ہاتھ میں لیے گرنے والے انداز میں نیچے بیٹھ گئے۔

"آج بے اختیار میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی ہے کہ کاش میں ایک عام سی لڑکی ہوتی۔ جو ایک نارمل زندگی گزار رہی ہوتی۔ زندگی میں کہیں کوئی ناہمواری اور الجھاؤ نہ ہوتا۔ میرا کوئی ماضی نہ ہوتا اور اگر ایسا ہوتا سعد تو پھر میں تمہیں کبھی مایوس نہیں کرتی۔ کبھی تمہارا دل نہ توڑتی۔ تم سے محبت جو کسی شعوری کوششوں کا نتیجہ نہیں۔ جو پتا نہیں کب کس لمحہ میرے دل میں پیدا ہوئی اور پھر میرے ساتھ پلی بڑھی، جوان ہوئی۔ میں کبھی اس محبت سے منہ نہ موڑتی۔ لیکن بات یہی تو ہے کہ فریا عبدالرحمان ایک عام لڑکی نہیں۔ اس کی زندگی ایک وعدے سے جڑی ہے۔ وہ وعدہ جو پیدا ہوتے وقت اس کی ماں نے اس سے لیا تھا۔

"میں اپنے ماں باپ کا دل توڑ آئی تھی۔ ان سے ان کی اکلوتی بیٹی ان کی زندگی کی واحد خوشی میں نے چھین لی تھی۔ تمہیں میری غلطیوں کا کفارہ ادا کرنا ہے۔ میرے سب قرض ادا کرنے ہیں۔"

اولاد ہی والدین کی غلطیوں کا کفارہ ادا کرتی ہے۔ جب کسی کے ماں باپ مر جاتے ہیں تو وہ شخص جنازے کے پاس کھڑا ہو کر کہتا ہے کہ

"میرے والدین کے ذمے کسی کا قرض تھا تو وہ آئے اور مجھ سے اپنا وہ قرض وصول کر لے۔"

جب تک تمام قرض اولا نہ ہو جائیں، اس شخص کی اللہ کے ہاں بھی بخشش نہیں ہوتی اور مجھے ماما کا وہ قرض چکانا ہے۔ ماما کی طرف سے نانا ابا سے معافی مانگنی ہے۔ انہیں ان کا کھویا ہوا مان لوٹانا ہے۔ وہ مان جو ماما نے توڑا تھا، اسے میں نے انہیں واپس کرنا ہے۔ ماما کی روح کو سکون پہنچانا ہے۔ انہیں ان کی کھوئی ہوئی جنت لوٹانی ہے۔ ہاں ہمارے ماں باپ ہماری جنت ہی تو ہوتے ہیں۔ وہ خوشیاں جو والدین کو دکھ دے کر حاصل کی جاتی ہیں پھر وہ خوشیاں، خوشیاں نہیں رہتیں بددعائیں جاتی ہیں۔ اور ایسا ہی تو ماما کے ساتھ ہوا تھا۔ نانا ابا ان سے خفا ضرور تھے مگر انہوں نے کبھی بیٹی کو کوئی بددعا نہیں دی ہو گی۔ پھر بھی ماما ساری زندگی ناخوش رہیں۔ ان کے گرد محبت تھی، خوشیاں تھیں، دنیا کی ہر آسائش تھی۔ مگر وہ پھر بھی ناخوش تھیں۔ محبت کا وہ محل جو انہوں نے بڑی محبت سے تعمیر کیا تھا اس میں وہ ایک لمحہ بھی خوش نہیں رہیں۔ اس لیے کہ اس محل کی بنیادوں میں ماں باپ کی آہیں، سسکیاں اور آنسو شامل ہو گئے تھے۔

ہم مشرق کی لڑکیاں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ محبت شاید ہمارے بس کا روگ نہیں۔ ہمارا خون خمیر شاید اس جذبے کے لیے موزوں نہیں۔ ہم محبت کر بھی لیں تو اسے نبھانا مشکل۔ اور اگر نبھا لیں تو زندگی گزارنا مشکل۔ محبت میں ہونے والی وہ لمحہ بھر کی لغزش، وہ ایک پل کی خود غرضی "مجھے اپنی محبت حاصل کرنی ہے کسی بھی قیمت پر۔" وہ پھر ہمیں نہ جینے دیتی ہے نہ مرنے دیتی ہے۔ پھر وہ محبت جو ہم نے بہت لڑ کر اور دنیا سے لڑ کر حاصل کی ہوتی ہے ہمیں اپنا سب سے بڑا گناہ نظر آنے لگتی ہے۔ ایسا گناہ جس پر ہم اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہر پل شرمندہ ہوتے ہیں۔ ہم محبت کے بغیر رہ سکتے ہیں مگر خود سے وابستہ رشتوں اور محبتوں کے بغیر زندگی گزار ہی نہیں سکتے۔ میں نے ماما کی زندگی سے یہی سبق حاصل کیا ہے۔"

فریا عبدالرحمان اگر ایک کتاب تھی تو آج سے پہلے انہوں نے صرف اس کا سرورق ہی دیکھ رکھا تھا۔ آج پہلی مرتبہ وہ اسے ورق ورق پڑھ رہے تھے۔ وہ چھوٹی سی بچی، کل جس کی انگلی تھام کر وہ اپنے ساتھ اسپین سے پاکستان لائے تھے۔ آج اتنی بڑی ہو گئی تھی۔

انی بڑی۔ ان کے قد سے بھی بڑی۔

"اپنے لیے خود تو وہ لڑکیاں سوچتی ہیں جن کے لیے کوئی سوچنے والا نہیں ہوتا۔ میں کوئی لاوارث تو نہیں جو اپنی زندگی کے فیصلے خود کرتی پھروں۔ میرے لیے سوچنے اور فیصلہ کرنے والے اللہ کا شکر ہے موجود ہیں۔

"آپ بتائیں، مجھے کہاں ایڈمیشن لینا چاہیے۔ جہاں آپ کہیں گے میں وہیں ایڈمیشن لوں گی۔"

"آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں نانا ابا! مجھے آپ کے بغیر کچھ اچھا نہیں لگتا۔ نہ کھانا کھانا۔ نہ تیار ہونا۔ نہ کسی سے ملنا۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے تھے۔

"فری! نانا کی جان تجھ پر قربان۔ فری! اتنا پیار تھا تمہارے دل میں میرے لیے اتنا زیادہ۔ نہیں فری میری جان! اپنے بوڑھے نانا کو یوں اپنا زیربار نہ کرو۔ اسے اس قدر مت چاہو۔ جو کچھ تم نے میرے لیے کیا وہ تو میں نے تم سے کبھی مانگا بھی نہیں تھا۔ تم نے وہ قرض اتارے جو تم پر واجب ہی نہیں تھے۔ تم پر کوئی قرض نہیں تھا فری۔ تم پر کوئی قرض نہیں تھا۔"

وہ کمزور اور بوڑھا نانا، نواسی کی اس محبت اور وفا پر بلک بلک کر رو رہا تھا۔

نہ وہ باپ فاروق احمد کوئی بہت مختلف اور منفرد باپ تھے۔ نہ وہ بیٹی خوفشاں فاروق کوئی بہت مختلف اور منفرد بیٹی تھی۔ سب سے مختلف، سب سے منفرد اور سب سے خاص تو وہ بیٹی اور نواسی فریا عبدالرحمان تھی۔ ان کا ایک عمر کا تجربہ، ذہانت، علم، مشاہدہ، لوگوں کو لمحہ بھر میں سمجھ لینے اور چہرے پڑھ لینے کا دعویٰ کہیں بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ ان کے سامنے کی چھوٹی سی بچی ان کے عمر بھر کے تجربے، علم، ادراک، فہم و فراست اور عقل و دانش کو بڑے آرام سے ہراتی ہوئی دور کھڑی مسکرا رہی تھی۔ انہیں لگا وہ ان سے بہت اونچائی پر کھڑی ہے۔ اس کے آگے انہیں اپنا قد بونے جتنا نظر آرہا تھا۔

"میں خود اس سے یہی کہہ رہی تھی کہ یہ کون سا موقع ہے امریکہ جانے کا۔ لیکن اسے آنٹی، انکل اور زوہیب بہت یاد آرہے تھے۔ مجھ سے پکا وعدہ کر کے گیا ہے کہ تمہاری شادی سے پہلے پہلے میں کراچی آجاؤں گا۔"

ان کے کانوں میں اس کی ہنستی مسکراتی آواز گونج رہی تھی۔ اپنی عقل اور تجربے کے زعم میں وہ کبھی سچائی جان ہی نہیں پائے۔

"اچھا سعد امریکہ چلا گیا۔ ہاں وہ امریکہ جاتا آتا رہتا ہی ہے۔"

"اتنے دن لگا دیے واپس نہیں گیا۔ ہاں بھئی یہ آج کل کے نوجوانوں کے لیے امریکہ خوابوں کی نگری اور زمین پر جنت بنا ہوا ہے۔ جسے دیکھو وہیں بھاگنے کی دھن میں لگا ہے۔ ایک طرف یہ نوجوان منہ بھر بھر کر امریکہ کو گالیاں دیتے ہیں۔ اسے مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن قرار دیتے ہیں اور پھر اسی منہ سے امریکن ایمبیسی کے باہر ویزا کے لیے قطار لگائے کھڑے بھی ہوتے ہیں اور سعد تو خوش قسمت ہے اسے تو ویزا کے لیے کسی قطار میں بھی نہیں لگنا تھا۔ پھر وہ یہاں کب تک بیٹھا حب الوطنی کے راگ الاپتا۔"

"فریا اداس نظر آرہی ہے۔ وہ سعد کے جانے پر اداس ہے۔ دونوں میں دوستی بھی تو بہت ہے۔ اسے فکر ہو رہی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو سعد شادی پر نہ آئے۔"

ان کی مختلف اوقات میں سوچی گئی باتیں اس وقت قہقہے لگا لگا کر ان پر ہنس رہی تھیں، ان کا مضحکہ اڑا رہی تھیں۔

فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ اذان کی آواز سن کر انہوں نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے تھے۔ اب وہ کمرے میں بکھری تمام اشیاء کو واپس ان کی اصل جگہ پر پہنچا رہے تھے۔ تمام چیزیں ان کے اصل مقام پر رکھ دینے کے بعد انہوں نے سب سے آخر میں وہ خط بالکل اسی طرح فولڈ کر کے جس حالت میں وہ انہیں ملا تھا واپس اسی کتاب کے اندر رکھ دیا تھا۔ اسے یہ پتا نہ چلے کہ اس کی چیزوں میں کوئی گھسا تھا۔

شادی کی مصروفیات اور افراتفری میں وہ خط کو

کسی مناسب جگہ پر رکھنا بھول گئی ہو گی۔ اور اب یقیناً اسے فراغت ملتے ہی پہلی فرصت میں وہ خط یاد آئے گا۔ وہ اسے کسی کی بھی نظروں میں لائے بغیر یا تو جلا ڈالے گی یا کسی ایسی جگہ رکھے گی جہاں کسی دوسرے کے دیکھ لینے کا کوئی خطرہ نہ ہو۔ اس کا بھرم اور اس کی انا انہیں بڑی عزیز تھی۔ اس نے جو کچھ کیا اگر وہ اسے ان سے چھپانا چاہتی ہے تو پھر یوں ہی ٹھیک ہے۔ وہ کبھی اس پر کچھ ظاہر نہیں کریں گے۔ وہ کبھی اسے یہ بات نہیں بتائیں گے کہ انہوں نے اس کا اصل پالیا ہے۔ کل جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ ان سے ملنے آئے گی تو ان کا چہرہ دیکھ کر اسے ہلکا سا بھی شک نہیں ہو گا کہ انہوں نے سب کچھ جان لیا ہے۔

وہ جلدی جلدی نماز کی تیاری کر رہے تھے۔ آج کی یہ نماز ان کے لیے بہت اہم تھی۔ آج انہیں صرف اپنی جان سے عزیز نواسی کی خوشیوں کے لیے ہی دعائیں نہیں مانگنی تھیں بلکہ اپنے اللہ سے بھی اپنے گناہوں کی معافی مانگنی تھی۔ وہ گناہ جو ان جانے میں پچھلے کئی برسوں سے ان سے سرزد ہو رہا تھا۔

"میں تیری اتنی عبادت کرتا ہوں۔ تیرا ہر حکم مانتا ہوں۔ پھر بھی تو نے میرے ساتھ ایسا کیا۔ میری بیٹی مجھ سے چھین لی۔ میں اس سے مل بھی نہ سکا۔ اسے دیکھ بھی نہ سکا۔ اس سے کوئی بات بھی نہ کر سکا۔ اور تو نے اسے لبدی نیند سلا دیا۔ میں تجھے کبھی نہیں بھولا اور تو نے مجھے بھلا دیا۔"

وہ اللہ کے ساتھ اپنی عبادتوں اور اپنی نیکیوں کا حساب کتاب کرنے لگے تھے۔ یہ بھول گئے تھے کہ وہ مالک ہے اور وہ خود اس کے عاجز بندے۔ انہیں اس کے ساتھ ضد کرنے کا کوئی حق نہیں۔ انہیں ہر حال میں اس کی رضا میں راضی رہنا ہے۔

"مجھے میری بیٹی چاہیے۔ جب تک وہ نہیں آئے گی، میں یونہی روٹھا رہوں گا۔"

ستر سال کا وہ بوڑھا اپنی بچکانہ ضدوں پر شرمسار گیٹ کھول کر باہر نکلا تھا۔ مسجد جانے کے لیے۔ اپنے اللہ سے معافی مانگنے کے لیے۔ اسے منانے کے لیے۔

مشہور و معروف مصنفہ رضیہ جمیل
کے ناولوں کے نئے ایڈیشن شائع ہو گئے ہیں

درد کے فاصلے =/400 روپے
ساگر دریا بادل بوند =/300 روپے
ایک لڑکی پاگل پاگل سی =/150 روپے

نسیم سحر قریشی کا مشہور ناول
تو شریک سفر رہا =/300 روپے

خوبصورت نئے ٹائٹل کے ساتھ
مضبوط جلد، خوبصورت چھپائی

ڈاک خرچ فی کتاب =/30 روپے
منی آرڈر یا ڈرافٹ ارسال فرمائیں

منگوانے کا پتا
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار کراچی فون: 2216361

اب اس گھر میں ضوفشاں فاروق کا نام لیے جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اب اس کا نام لینے والا بھی بھی معتوب اور گناہ گار قرار نہیں دیا جاتا تھا۔

☆.....☆☆.....☆

"آج اس روئے زمین پر مجھ سے بڑھ کر خوش قسمت دوسرا کوئی انسان نہیں ہو سکتا اور میری دلہن سے زیادہ خوب صورت کسی کی دلہن نہیں ہو سکتی۔"

وہ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے بڑی گرم جوشی اور محبت سے بھرپور لہجے میں بول رہا تھا۔ سرخوشی اور والہانہ پن اس کے ہر ہر انداز سے ظاہر تھا۔ یوں جیسے اس نے ہفت اقلیم کی دولت پالی ہو۔ وہ سر جھکائے ہوئے کچھ نروس سی بیٹھی ہوئی تھی۔ حمزہ اس کے اس شرمائے ہوئے انداز کو خوب انجوائے کر رہا تھا۔

"میں نے ایک بار ممی سے تمہارے بارے میں بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس لڑکی کی صرف شکل ہی میں مغربیت کی جھلک ہے باقی اس کا ہر انداز مشرقی ہے۔" وہ اس کی طرف جھکتا ہوا بولا تھا۔

"زیادہ خوش فہمی کا شکار مت ہو۔ اتنی زیادہ مشرقی بھی نہیں ہوں میں۔" اسی طرح سر جھکائے ہوئے وہ بہت آہستہ سے بولی۔ حمزہ اس جواب پر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"یہی بات اگر میری آنکھوں میں دیکھ کر کہتیں تو میں یقین کر بھی کر لیتا۔" وہ چھیڑنے والے انداز میں بولا تھا۔

"اچھا یہ تو بتاؤ، ہم لوگ ہنی مون کے لیے کہاں چلیں۔ جگہ کا انتخاب تو کرو۔" کچھ دیر بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے رہنے اور اس کے نروس سے انداز کو انجوائے کرنے کے بعد اس نے موضوع تبدیل کیا۔

"اسپین" اس نے سوچنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگایا تھا۔ اس سے یہ تصدیق بھی نہیں چاہی تھی کہ جہاں وہ کہے گی کیا وہ واقعی اسے وہاں لے بھی جائے گا۔ یوں جیسے اسے یقین تھا کہ حمزہ جو کہہ رہا ہے۔ وہ واقعی کرے گا بھی۔

وہ اس کے منہ سے اسپین کا نام سن کر مسکرایا تھا۔ اگرچہ وہ جانتا تھا کہ فریا اسپین کیوں جانا چاہتی ہے لیکن پھر بھی وہ شرارتی سے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہاں، وہاں جانے میں تمہارا بہت فائدہ ہے۔ وہاں تمہیں یہ خطرہ نہیں ہوگا کہ وہاں بکھرے حسن سے متاثر ہو کر میں کسی اسپینش حسینہ پر عاشق ہو جاؤں گا۔" وہ خود بھی اس کی بات سن کر مسکرا دی۔

"ہاں، ایک وجہ یہ بھی ہے۔"

"لڑکی! اپنے شوہر کی شرافت پر شک کر رہی ہو۔ شرم کرو۔" اس نے مصنوعی خفگی سے اس کی سمت دیکھا۔ وہ اس کی بات پر مسکراتے ہوئے بڑے غور سے اس انگوٹھی کی طرف دیکھ رہی تھی جو ابھی کچھ دیر پہلے حمزہ نے اسے بہت پیار سے پہنائی تھی۔

"آج میں اتنا خوش ہوں فریا! کہ تمہیں بتا نہیں سکتا۔ یہ خوب صورت سا دل آج سے میرا ہو گیا۔"

اپنے شوہر کے شانے پر سر رکھے، محبت کے گیت سنتی، فریا عبدالرحمان کے دل میں دور دور تک پھول ہی پھول کھلے ہوئے تھے۔ کہیں کوئی ملال، کوئی پچھتاوا دامن گیر نہیں تھا۔

"میری محبت کے محل کی بنیادوں میں کسی کے ارمان اور آرزوئیں نہیں سسک رہیں۔" وہ اپنے لیے اس کی والہانہ اور شدید محبت کا بے ساختہ اقرار سنتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"زندگی پھر مجھے موقع دے۔ میں فرض کر لوں کہ مجھے دوسری زندگی ملے۔ فیصلے کا اختیار پھر میرے ہاتھ میں دیا جائے۔ ایک رشتہ یا بہت سے رشتے؟ ایک چاہت یا بہت سی چاہتیں؟ ایک محبت یا بہت سی محبتیں؟ تو میرا انتخاب ہر بار رشتے، چاہتیں اور محبتیں ہی ہوگا۔ میں ہر بار ان ہی کو منتخب کروں گی۔" اس نے پرسکون سے انداز میں آنکھیں موند لی تھیں۔